U 76 C8 P Date-10-2009

Title - TAREEKH ADABIYAAT IRAN (Part-1).

Creator - Edward. G. Broun

Publisher - Anjuman Taraqqi Urdu (Delhi).

Date - 1939

Pages - 577.

Subject - Tareekh Adab - Iran; ~~Iran~~ Farsi Adab - Tareekh.

سلسلۂ انجمن ترقی اردو نمبر (۵۶)

ترجمۂ

تاریخ ادبیات ایران

مصنفۂ

علامۂ روزگار پروفیسر ایڈورڈ براؤن مرحوم

مترجمہ

سید سجاد حسین صاحب ایم - اے، مددگار پروفیسر اردو

(جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن)

سنہ ۱۹۳۳ع

بہ اہتمام محمد صدیق حسن انجمن ترقی اردو

اورنگ آباد دکن کے مطبع میں چھپ کر شایع ہوا

پہلی دفعہ ۱۰۰۰ جلد

قیمت مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ؛ غیر مجلد ۳ روپیہ

قواعد و ضوابط

جمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

سر پرست وہ ہوں گے جو پانچ ہزار روپے یکمشت یا
روپے سالانہ انجمن کو عطا فرمائیں ـــ
کو تمام مطبوعات انجمن بلاقیمت اعلیٰ قسم کی جلد کے
پیش کی جائیں گی)

معاون وہ ہوں گے جو ایک ہزار روپے یکمشت یا سالانہ
پے عطا فرمائیں گے ۔ (انجمن کی تمام مطبوعات ان کو
یمت دی جائیں گی)

رکن مدامی وہ ہوں گے جو ڈھائی سو روپے تک یک
عطا فرمائیں گے ـــ
کو تمام مطبوعات انجمن مجلد نصف قیمت پر دی جائیں گی)

رکن معمولی انجمن کے مطبوعات کے مستقل خریدار ہوں گے جو
ت کی اجازت دیں گے کہ مطبوعات انجمن کی طبع ہوتے ہی
دریافت کئے بذریعہ قیمت طلب پارسل ان کی خدمت
بھیج دی جائیں ۔ (ان صاحبوں کو تمام مطبوعات پچیس
صدی قیمت کم کرکے دی جائیں گی)
ہات میں انجمن کے رسالے بھی شامل ہیں

انجمن کی شاخیں یعنی اردو کتب خانے وہ ہیں جو
ن کو یکمشت دو سو روپے یا بارہ روپے سالانہ دیں
جمن ان کو اپنی مطبوعات نصف قیمت پر دے گی)

FIRWOOD,
TRUMPINGTON ROAD,
CAMBRIDGE

Dear Sir,

Please accept my most sincere thanks for your kind letter of September 14 last. I need not say how great a pleasure and encouragement it is to me to find that my <u>Literary History of Persia</u> is so much appreciated in India. I am now engaged on a third volume of it extending from about A.D. 1260 — 1500, & this is now being printed here at the University Press, which I greatly ~~[illegible]~~ prefer, as I am able to give the original poems etc. in the

proper character.

As regards your request for my permission to translate the 2 published volumes of my *Literary History* into Urdu, I personally should be delighted that this should be done, but *legally* I am afraid that my publisher, Mr Fisher Unwin, should be approached, as he has certain rights in the books, which is not therefore wholly under my control. In the case of the new volume or volumes I am taking care to keep all rights in my own hand, so that no permission will be required except

from myself. In the case of the Three published volumes, I am not sure whether I alone have the power to give the permission you seek, though so far as I am concerned I should be delighted to know that my book was being made available for Indian readers.

I enclose lists of my own publications & of the "E. J. W. Gibb Memorial" publications, & if your Society has a reference library it would give me great pleasure to send them such of these publications as they

might think useful to them, as a gift.

I am,

Yours sincerely,

Edward G. Browne

November 13. 1918.

FIRWOOD,
TRUMPINGTON ROAD,
CAMBRIDGE

Dear Sir,

In continuation of my last letter, written a few days ago, I have the pleasure to inform you that Mr Fisher Unwin, the Publisher of my Literary History of Persia, has most readily consented to your translating it into Urdu and publishing it. I need not say how glad I am that he has raised no objection

to this, as I appreciate very highly the honour you do me in wishing to see my book in an Eastern dress before a larger public. In all that I have written I have thought most of the East & especially of Persia, and I feel so strongly that there is more work worth doing in Persian & urgently needing to be done than in almost any other Eastern language that I

rejoice in any step calculated to advance its wider interest.

You will probably need the Persian & Arabic texts of some at least of the passages translated in these volumes, as some are taken from rare books which may not be accessible in India. In that case I shall be glad to do my best to supply them.

A third volume of the book, covering the period from Hūlāgū Khān to the rise of the Ṣafawī dynasty is being

printed here, and I have promised advance proofs to my pupil Mawlawí Muḥammad Shafí', Government of India Research Student here and a very fine scholar, who knows all about your Society and is deeply interested in its work.

I remain,

Yours very truly,

Edward G. Browne.

تفصیل ابواب | صفحہ

باب اول

تفصیل ابواب

باب دوم

تفصیل ابواب	صفحہ

تفصیل ابواب | صفحہ

تفصیل ابواب	صفحہ

باب سوم

تفصیل ابواب — صفحہ

تفصیل ابواب — صفحہ

چوتھا باب

تفصیل ابواب　　　　صفحہ

تفصیل ابواب — صفحہ

تفصیل ابواب	صفحہ

تفصیل ابواب | صفحہ

باب پنجم

باب ششم

تفصیل ابواب | صفحہ

دیباچہ

اس کتاب کا ترجمہ عرصے سے کیا رکھا تھا لیکن ضرورت اس امر کی تھی کہ طبع سے پہلے کوئی صاحب نظر اسے بنظر اصلاح دیکھ لے - خصوصاً کتاب کا پہلا حصہ جس میں زبان کی تاریخ سے بحث ہے بہت کچھ اس کا محتاج تھا - میں نے پروفیسر محمد شفیع صاحب ایم - اے ، وائس پرنسپل اورینٹل کالج لاہور سے درخواست کی - صاحب موصوف نے پروفیسر براؤن مرحوم کے ساتھ کام کیا ہے اور مسلم قابلیت کے شخص ہیں - انھوں نے از راہ عنایت میری درخواست کو قبول فرمایا اور نہایت احتیاط اور غور سے اس کی نظر ثانی فرمائی اور جابجا بہت معقول اور مناسب اصلاحیں فرمائیں - لیکن چار باب سے زیادہ نہ دیکھ سکے ، اس میں وقت بہت صرف ہوتا تھا اور ان کو اتنی فرصت نہ تھی - میں پروفیسر محمد شفیع صاحب کی اس توجہ اور

عنایت کا تہ دل سے ممنون ہوں - میں نے اس کے بعد
پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال صاحب سے رجوع کی لیکن کم
فرصتی کی وجہ سے وہ اس دردسری کو اپنے ذمے نہ لے
سکے بلکہ یہ کہہ کے ٹال دیا کہ بجاے اصلاح کے نیا
ترجمہ کرانا زیادہ بہتر ہوگا - اصل بات یہ ہے کہ بقول
پروفیسر محمد شفیع صاحب اس کتاب کے ترجمے کے لئے
ذوق شعر کی ضرورت ہے - تا چار باقی ابواب کے پروف
میں نے خود دیکھے اور جہاں تک ممکن ہوا اس کی
اصلاح میں کوشش کی —

نفس کتاب کے متعلق زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں
فارسی ادب کی تاریخ پر اس سے بہتر کسی زبان میں
کوئی کتاب نہیں - ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ بعض
رایوں سے بعض صاحبوں کو اختلاف ہو یا اس میں کہیں
کہیں غلطیاں بھی پائی جاتی ہوں، لیکن اس سے کتاب
کی وقعت و عظمت میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا اور
حقیقت یہ ہے کہ یہ ادبی تاریخ و تنقید کی اعلیٰ پایہ
کی کتابوں میں سے ہے - اردو میں ایسی کتابوں کے
ترجمے کی شدید ضرورت ہے - کیونکہ فارسی اردو میں
ایسی کتابوں کا وجود نہیں ، تذکرے البتہ ہیں سو ان کی
حالت عجیب ہے - معلومات ناقص، حالات بہت کم اور
وہ بھی بے سند، کلام پر راے عجیب و غریب - مدح
پر آئے تو تعریف کے پل باندھ دئے، قدم پر اترے

تو تسمہ لگا نہ چھوڑا - نہ ان کی مدام مدام ہے اور نہ قدح قدح - باقی رہیں دوسری باتیں مثلاً زبان کی نشو و نما ، خیالات کے انقلاب کے اسباب ، حکومت اور زمانے کا اثر ، اصول تنقید وغیرہ ، اس کی ہوا تک بھی نہیں لگی - " تاریخ ادبیات ایران " ہمارے لئے نمونے اور رہبری کا کام دے گی - اس سے ہمیں معلوم ہوگا کہ زبان کیونکر بنتی اور نشوونما پاتی ہے ، کیا کیا تغیر رونما ہوتے ہیں اور اُن کے کیا اسباب ہوتے ہیں - ادب پر حکومت ، ماحول ، سوسائٹی اور دوسرے تاریخی حالات و انقلابات کا کیا اثر ہوتا ہے - ادیب کے کلام کی خصوصیتوں اور حسن و قبح کو کن اصول سے جانچا جاتا ہے علاوہ اس کے تحقیق زبان و لغت کے سیکڑوں نکات اس میں ایسے آگئے ہیں جو نہایت بصیرت افروز ہیں - غرض ایسی بیسیوں باتیں ہیں جو ہمیں سیکھنی ہیں اور وہ ہم ایسی ہی بلند پایہ تصانیف سے سیکھ سکتے ہیں —

پروفیسر براؤن سچے عالم تھے - ساری عمر ان کی علم کی تلاش اور تحقیق میں بسر ہوی - یوں تو انھیں عام طور پر عالم اسلام سے ایک قسم کی الفت تھی اور عربی اور ترکی کے عالم تھے ، لیکن ایران اور ایرانیوں اور ان کی زبان سے ان کو عشق تھا - فارسی زبان کے وہ بڑے فاضل اور ماہر تھے - انھوں نے ہر موقع

پر اپنی قلم سے ، تقریر سے ، تدبیر سے ، دولت سے ایران کی حمایت کی اور بعض اوقات اہل ایران کے حقوق کی تائید میں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں - اُن کی تصانیف کا بہت بڑا حصہ ایران اور فارسی زبان کے متعلق ہے اور تاریخ ادبیات ایران ان کی مہا تصنیف ہے - اس طرح انہوں نے ایران کی بے بہا خدمت کی ہے جب جہاں کہیں وہ ایران یا ایرانیوں کا ذکر کرتے ہیں تو اُن کے ایک ایک لفظ سے محبت ٹپکتی ہے —

جن لوگوں کو پروفیسر مرحوم سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے وہ ان کے اخلاق ، فیاضی ، خوش بیانی اور علمی انہماک اور شغف کے بیحد مداح ہیں- مولوی غلام یزدانی صاحب ایم - اے ، ناظم محکمۂ آثار قدیمہ حیدرآباد دکن نے پروفیسر مرحوم سے اپنی ملاقات کا ذکر بغیر کسی مبالغے کے بہت ہی خوبی اور سادگی سے بیان کیا ہے - وہ پڑھنے کے قابل ہے اور یہاں ہم اُسے انہیں کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں —

ان کی عجیب شخصیت تھی - دیکھنے میں تو ذرا سے آدمی تھے اور کوز پشتی کا عیب بھی موجود تھا لیکن جب بات کرتے تھے تو چہرے سے کہاں ذہانت ٹپکتی تھی - اور بذلہ سنجی کا یہ حال تھا کہ منہ سے پھول جھڑتے تھے - طبیعت میں انتہا کا انکسار اور حلم تھا - اسی وجہ سے طالب علم اور آنے جانے والے ان

کا بہت وقت ضایع کرتے تھے - ایشیائیوں کے لئے مہمانی کا دروازہ ہمیشہ کھلا رھتا تھا - میرے آنے کا حال معلوم ہوا تو ڈاکٹر عبدالرحمن سے جو اُس وقت کیمبرج میں تھے ، کہا کہ اُن کو سیدھا اسٹیشن سے میرے پاس لے آنا - دو دن تک مہمانی رھی ، پر لطف باتیں کرتے تھے - ان دنوں بیوی کی علالت کی وجہ سے ذرا طبیعت میں انتشار تھا اور اپنی صحت کی خرابی کو بھی محسوس کررھے تھے - مسودوں کے بستے دکھائے اور کہا کہ خدا اس ذمہ داری کو پورا کرے - آنکھ میں چونکہ بے حد لحاظ تھا ، اس لئے بعض اوقات چھپ چھپ کر کام کرتے تھے —

ایران اور اہل ایران کے ساتھ حقیقی عشق تھا ۔ اپنے ملک کی نگاہ جب کبھی بدلی ہوی دیکھتے تھے ، فوراً ایران کی بھلائی کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے - اس پر خلوص محبت اور شیفتگی کی وجہ سے سیاسی عہدہ دار بھی اُن کا ادب کرتے تھے - سر ولزلے ہیگ ایک قصہ سناتے تھے - وہ جب مشہد میں قونصل جنرل تھے ، ایک شاعر کو ایرانی سلطنت نے غداری اور بغاوت کے جرم میں قید کردیا - شاعر نے پروفیسر براؤن کو عرضی لکھی اور مدد چاھی - ان کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ فوراً سر ولزلے کو خط لکھا کہ جس طرح ممکن ہو شاعر کو چھڑا دو ، یہ سمجھو کہ براؤن کا بیٹا قید ہوگیا ھے

اور دستگیری کا وقت ہے ۔ سرولزلے کہتے تھے کہ شاعر کے جرم میں مطلق شبہہ نہ تھا ۔ لیکن براؤن کی محبت کو دیکھ کر مجھے شاعر کو بغیر رہا کرائے بن نہ پڑی ۔

یہ محبت ہی تھی کہ اس فاضل نے ایران کی ادبیات کو اس خوبی سے سمجھا ہے ۔ لیکن باوجود تبحر کے کبھی کسی قسم کی لن ترانی اُن کی زبان سے نہیں سنی گئی ۔ شبلی کی تالیف " شعر العجم " کے متعلق فرمانے لگے کہ " یہ ایسے وقت لکھی گئی ' جب میں اپنی کتاب بہت کچھ لکھ چکا تھا ۔ اور چونکہ یہ اردو میں لکھی گئی اس لئے اس کے مطالعے میں مجھے بیحد دقت پیش آئی " ۔ جب پروفیسر براؤن کے انکسار اور فضیلت کا مقابلہ ہندوستان کے علما کے مبلغ معلومات اور تعلی سے کیا جاتا ہے تو ان حضرات کے حال پر تاسف ہوتا ہے اور ان کی تنگ مایگی پر غیر قوم والوں کے سامنے شرم آتی ہے " ۔

غرض پروفیسر مرحوم بڑی خوبیوں کے آدمی تھے ۔ ان کے اخلاق اُن کا علمی ذوق اور انہماک ' اُن کی سادگی اور ان کا استقلال اور محنت یہ ایسی چیزیں ہیں جو نہایت قابل قدر ہیں ۔

انہوں نے جب " تاریخ ادبیات ایران " کے ترجمے کا تہیہ کیا تو میں نے ایک خط پروفیسر مرحوم کے نام لکھا اور ترجمے کی اجازت طلب کی ۔ تو انہوں نے

میرا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ ذاتی طور پر بہت خوش ہوں کہ اس کا ترجمہ اردو میں ہوجائے لیکن اس میں مجھے شبہ ہے کہ قانونی طور پر میں اس کی اجازت دے سکتا ہوں یا نہیں ۔ اس معاملے کا تعلق میرے ناشر (پبلشر) سے ہے آپ ان سے مراسلت کیجئیے ۔

اب ان کی عنایت اور شرافت کو ملاحظہ کیجئیے کہ اس سے قبل کہ میں صاحب مطبع کو لکھ کر اجازت طلب کرتا اسی ہفتے ان کا دوسرا خط پہنچا کہ میں نے اس بارے میں مسٹر فشر ان ون ناشر تاریخ ادبیات ایران سے گفتگو کی، انھوں نے بخوشی اردو ترجمے کی منظوری دیدی ہے ۔ اس پر پروفیسر مرحوم نے مسرت کا اظہار کیا کہ اس بارے میں ناشر کو کسی قسم کا اعتراض نہیں ۔ یہ مرحوم کی ذاتی کوشش کا نتیجہ تھا کہ ناشر نے بغیر کسی معاوضے کے ترجمے کی اجازت دیدی ۔ یہ دونوں خط بطور یادگار کے شایع کئے جاتے ہیں ۔ پہلے خط میں انھوں نے اپنی تصانیف نیز وہ کتابیں جو ان کی نگرانی میں طبع ہوئی ہیں، ہدیتاً انجمن کو دینے کے لئے لکھا ہے ۔ ان کی یہ عادت ہے کہ وہ اہل علم اور علمی انجمنوں کو اپنی یہ کتابیں مفت عنایت فرماتے تھے ۔ یورپ کا کوئی دوسرا عالم اس قسم کی فیاضی کا مرتکب نہیں ہو سکتا ۔ دوسرے خط میں انھوں نے پروفیسر محمد شفیع کا ذکر فرمایا ہے جو اس زمانے میں کیمبرج میں تھے ۔

عبد الحق

بسم اللہ الرّحمن الرحیم

باب اول

تمہید

موضوع کتاب

جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے، یہ تاریخ تو ہے لیکن اُن شاہی خاندانوں کی تاریخ نہیں ہے جنھوں نے ایران میں حکومت کی اور نہ اُن سلاطین کی جو ان خاندانوں میں پیدا ہوے، بلکہ یہ تاریخ ہے اہل ایران کی اور کمالات علمی اس کا نقطۂ خیال ہے، یا یوں کہئے کہ یہ کتاب ایک کوشش ہے ایرانیوں کی ذہنی خصوصیات کا نقشہ کھینچنے کی۔ ذہنی خصوصیات سے مراد ہے احساسات مذہبیہ، کیفیات دماغیہ اور جذبات لطیفہ، جو خود اہل ایران کی تصانیف میں اور اگر ان میں نہیں تو ان کی ہمسایہ اقوام کی کتابوں میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہ کتاب خالص فارسی ادب کی تاریخ نہیں ہے کیوں کہ ایک طرف تو اس کتاب کو اُن ادیبوں سے کوئی سروکار نہیں جنھوں نے اپنی تصنیفات میں گو فارسی زبان کو خیالات کا آلہ بنایا مگر خود ایرانی نژاد نہ تھے اور دوسری طرف اس میں اُن تصانیف سے بحث کی گئی ہے جو اگرچہ غیر زبان میں ہیں مگر ایرانیوں کی طبع زاد ہیں،

مثلاً اهل ہندوستان نے فارسی زبان میں کثرت سے کتابیں لکھیں لیکن اس بناپر کہ وہ ایرانی دل و دماغ کا عکس نہیں ہم نے ان کو بالائے طاق رکھا ہے۔ اسی طرح مگر اس سے ذرا کم درجے پر ترکوں کے متعدد فرقوں نے اپنے خیالات کو فارسی کا لباس پہنایا مگر اُن کا فارسی علم و ادب بھی ہماری بحث سے خارج ہوگا - برخلاف اس کے اہل ایران اسلامی فتوحات کے آغاز یعنی کچھ اوپر بارہ سو برس سے اپنی مادری زبان کو تقریباً بُھلائے بیٹھے ہیں اور اس کی جگہ عربی کو بعض علوم بالخصوص فلسفہ اور دینیات میں استعمال کررہے ہیں - مزید برآں عربوں کے حملۂ اولیں کے بعد کامل دوصدی تک فاتحین کی عربی زبان ایرانیوں کی علمی زبان بنی رہی: البتہ وہ فرقہ جو ہنوز زرتشت کے قدیم اور قومی مذہب کا پابند تھا عربی سے اپنا دامن بچا تا رہا- ان دو صدیوں میں وقتاً فوقتاً جو ادب کہ بزبان عربی وجود میں آیا اس کو قلم انداز کرنا گویا ایرانی دماغ کی نہایت اہم جلوہ گری سے نظر بچا نا اور ایران کی فہیم و طباع قوم کے ذہنی کارناموں کا غلط اندازہ کرنا ہے ---

لفظ پرشین (ایرانی) جس مفہوم کے ساتھ ہماری زبان' یونانی ' شامی ' اور اہل عرب وغیرہ کی زبان پر رہا وہ اس کے اصلی مفہوم سے کہیں وسیع ہے' 'پرشینز ' (اہل ایران)

اپنے آپ کو ایرانی اور اپنے ملک کو ایران* کہتے ہیں۔ خطۂ پارسہ جو یونانیوں میں (پرسیس) اور اس وقت فارس† کہلاتا ہے ایران کے متعدد صوبوں میں سے صرف ایک صوبے کا نام ہے، لیکن رفتہ رفتہ اس صوبے کا ایرانی نام فارس خود ملک اور اہل ملک

---

* ایران "اے ران" جو اوستا میں بشکل "اے ریانہ" ملتا ہے اے دی انز ("اری یا" "اے ریا" اوستا میں اور سنسکرت میں آریا") کا ملک ہے اور اس کا مفہوم لفظ "پرشیا" کے مفہوم سے زیادہ وسیع ہے۔ پرشیا معنوں کے لحاظ سے لفظ "ایران" کے صرف موجودہ معنوں کے برابر ہے۔ قدیم معنی کے اعتبار سے ایران میں ہن بکٹریا (بلخ) سغدیانہ (سغد) اور خوارزم بھی شامل تھا اور کرد و افغان قومیں ایرانی کہلاتی تھیں۔

† عربی زبان میں پ کی آواز بالکل مفقود ہے اور پ کا کام ف سے لیا جاتا ہے۔ چناں چہ فارس، اصفہان وغیرہ پارس اور اسپہان سے معرب کر لئے گئے ہیں۔ اسم صفت "فارسی" (یا پارسی) سے ایران کی سرکاری زبان مراد ہے (ساتھ میں یہ ایران کے ایک بڑے حصے کی اسی طرح مادری اور قومی زبان ہے جس طرح انگریزی برطانیہ اور آئرلینڈ کے باشندوں کی ہے) اور اس لحاظ سے "فارسی" لفظ "ایرانی" کے مساوی ہے۔ لیکن اگر صفت "فارسی" شخص کے ساتھ استعمال کی جائے تو اس کے معنے صوبہ فارس کا باشندہ ہوں گے۔ ہندوستان میں پارسی اس شخص کو کہتے ہیں جو ایران کے قدیم یا زرتشت مذہب کا پیرو ہو اور اس نئے مفہوم کے ساتھ یہ لفظ ہندوستان سے ایران واپس پہنچا۔ بعض یوروپین مصنف فارس کو فارستان لکھا کرتے ہیں۔ یہ ترکیب غلط ہے کیوں کہ استان (= جگہ، مقام) صرف کسی قوم کے نام کے ساتھ بڑھایا جاتا ہے، جس سے اس قوم کے ملک کا نام نکل آتا ہے، مثلاً افغان سے افغانستان بلوچ سے بلوچستان۔ قوم کی جگہ ملک یا صوبے کے ساتھ استان کا اجتماع بے معنی ہے۔

لفظ پرشین کے اصلی معنی

پر جن کو ہم پرشین کہتے ہیں اطلاق پانے لگا - اس کا سبب یہ ہے کہ اس صوبے کی خاک سے دو مشہور خاندان پیدا ہوئے ایک تو چھٹی صدی قبل مسیح میں جس کا نام ہخامنشی (اے کی می نی آن) تھا اور دوسرا (ساسانی) حضرت عیسیٰ کے تین سو برس بعد—

یہ دونوں خاندان بڑے زبردست تھے - ممالک یورپ میں ان کے نام کی دھوم اور ان کے اسلحہ کی دھاک تھی- ایران میں ایک صوبے کا نام پورے ملک اور اہل ملک کا نام اسی طرح ہوگیا جس طرح انگلستان میں فرقۂ اینگل کے نام پر جس کی تعداد سیکسن لوگوں سے کم تھی، ملک کا نام انگلینڈ رکھا گیا اور وہ تمام معانی وجود میں آگئے جن پر لفظ انگلش دلالت کرتا ہے- تمکو معلوم ہے کہ اینگل، سیکسن اور جوٹ، تین فرقوں کی آمیزش سے انگلستان میں ایک قوم بنی یعنی انگریز اور صوبجات نارتھم بریا مرسیا اور وسے سیکس کی تین زبانوں سے مل کر ایک زبان پیدا ہوئی یعنی انگریزی - بس اسی طرح ایران میں بھی اضلاع پارتھیا، میڈیا اور فارس کے باشندے جب رفتہ رفتہ آپس میں شیرو شکر ہوئے تو ایرانی پیدا ہوئے اور جب ان تینوں کی ملتی جلتی بولیاں باہم پیوستہ ہوگئیں تو فارسی زبان عالم ظہور

[illegible] ۴۲۴/ [illegible] ہیروڈوٹس [illegible] مشہور یونانی مورخ [illegible] اور جغرافیہ [illegible] ق م میں پیدا ہوا اور [illegible] ۲۳۰ [illegible]

میں آئی - چنانچہ جس زمانہ میں استرابو * ہوا ہے تو ملک کی زبان تقریباً ایک ہو چکی تھی --

اس حساب سے جدید فارسی یعنی فارس کی زبان اس زبان کی اولاد ہے جسے دارا اور سائی رس بولتے تھے اور جس میں ان بادشاہوں کے حکم سے بے ہی ستون

دور ہخامنشی کی زبان

(موجودہ بے ستون) اور نقش رستم کی چٹانوں استخر کے شاہی ایوانات کی دیواروں اور ستونوں پر اعلانات کندہ کئے گئے تھے - ہخامنشی مسند آراؤں کے یہ کتبے (جنہوں نے سنہ ۵۵۰ قم سے سنہ ۳۳۰ قم تک حکومت کی اور جن کے تاجدار دارائے آخر کو سکندر اعظم نے شکست دیکر سلطنت ایران کو تہ وبالا کیا) تعداد میں اس قدر کافی اور پڑھنے میں اس قدر صاف ہیں کہ ہم بآسانی پتہ لگا سکتے ہیں کہ ایران کی زبان آج سے چوبیس سو برس پہلے کیا تھی --

فارسی زبان کے کتبوں کا سلسلہ چونکہ نہایت ہی قدیم زمانے سے شروع ہوتا ہے اس لئے بد قسمتی سے وہ مسلسل نہیں

فارسی کتبات کا سلسلہ ٹوٹا ہوا ہے

ہے - ہخامنشی عہد سے اسوقت تک کے کتبات کو اٹھا کر دیکھیں تو ان کا تار دو جگہ ٹوٹا ہوا ملیگا - یہ دونوں موقعے وہ ہیں جبکہ بیرونی حملوں نے ایرانی تاج کے جواہر نوچ کر پھینک دئے اور ایرانیوں کو حاکم سے محکوم بنا دیا - پہلا مقام جہاں کتبوں کا سلسلہ شکستہ ہے سکندر اعظم کی یورش سے شروع ہوتا ہے اور پانچسو برس

(ملوک طوائف) کے زوال پر ' جس کا باعث خاندان ساسان تھا ختم ہوتا ہے - ٹوٹے ہوئے سروں کے درمیان تقریباً پانسو پچاس برس کا فرق ہے یعنی تین سو تیس قم سے لیکر دو سو چھبیس عیسوی تک - دوسرا مقام جہاں یہ سلسلہ بالکل منقطع ہو گیا ہے عربوں کا حملہ اور مسلمانوں کی فتح ایران ہے جس نے ساسانی خاندان کو نیست و نابود اور دین زرتشت کو پامال کر دیا - گو کہ ایران میں عربوں کا قیام کم زمانہ تک رہا مگر انہوں نے خود اہل ایران' ان کے خیالات ' اور ان کی زبان پر جس قدر گہرا اور پائدار اثر ڈالا وہ یونانی اثر سے کہیں زیادہ ہے - چنانچہ نولدیکی کا قول ہے کہ

"یونان کا اثر ایرانی معاشرت کی صرف سطح پر لوٹتا رہا ' بر خلاف اس کے اسلام کا کلمۂ توحید اور عربوں کے طور طریقے ایران کی رگ و پے میں اتر گئے "

دیگر واقعات بالخصوص خسرو پرویز کے عہد میں سنہ ۶۰۴ - سنہ ۶۱۰ ع) جنگ ذوقار اگرچہ ایران میں فتوحات عرب کا پیش خیمہ تھی مگر دراصل یہ فتوحات (سنہ ۶۳۵ - ۶۳۶ ع میں) بویب اور قادسیہ کے معرکوں سے شروع ہوتی ہیں اور ساسانی خاندان کے آخری تاجدار یزد گرد سوم کی وفات کے ساتھ ' جو ۶۵۱ یا ۶۵۲ سنہ عیسوی میں واقع ہوی ' تکمیل کو پہنچتی ہیں - یہ کہ دور عربی ایران پر کبتک چھایا رہا صحیح صحیح تو نہیں بتایا جا سکتا ' ہاں .. شرح سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ سنہ ۱۲۵۸ ع تک ..انس

اپنا رہا جب کہ چنگیز خان کے پوتے ہلاکو کی سر کردگی میں مغلوں نے بغداد کو تاراج اور خلافت عباسیہ کے آخری سریر آرا مستعصم باللہ کو قتل کیا۔ لیکن عربوں کی حقیقی طاقت سنہ ۱۲۵۸ع سے کہیں پہلے ایرانی اور ترک باجگذار اُمراء کے ہاتھوں میں جاچکی تھی۔ خلیفہ برائے نام رہ گیا تھا، اس کی حکومت اور وہ بھی صرف مذہبی لحاظ سے نواح بغداد تک محدود تھی۔ اُمراء ایمہ تو اس کو ایک قیدی یا ہستیء معدوم سمجھتے تھے لیکن ضرورتاً کبھی کبھی منت سماجت سے اس کو منا لیا کرتے تھے۔ الغرض اِدھر تو ایران کے صوبے خلیفہ کے ہاتھہ سے نکلے اور مقامی امراء کے خاندانوں نے علم خود مختاری اٹھایا اور اُدھر فارسی زبان نے عربی زبان کی حکومت کا جوا اُتار کر پھینکدیا۔ اِن خاندانوں میں بعض اوقات سب سے پہلا خاندان طاہریہ ۸۲۰ع) شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن صحیح طور پر دیکھا جائے تو سب سے پہلے سنہ ۸۶۷ع میں خاندان صفاریہ نے اپنے آپ کو آزاد کیا، اس کے بعد سنہ ۹۰۳ع میں سامانیہ نے؛ پھر سنہ ۹۳۲ع میں بویہ اور سب کے بعد فرمانروایان غزنویہ اور سلجوقیہ نے، جن کے عہد میں مطلق العنانی اور آزادی کی کوئی حد باقی نہ رہی تھی۔ واقعات بالا کے لحاظ سے فارسی زبان کو تین دوروں میں جو ایک دوسرے سے صاف طور پر علحدہ ہیں، تقسیم کر سکتے ہیں، وہ دور یہ ہیں:—

فارسی کی عہد بعہد ترقی	(۱) دور ہخا منشی (سنہ ۵۵۰-۳۳۰ ق م)۔ اس دور کے صرف پیکانی کتبے باقی ہیں جن پر احکامات و اعلانات سلطانی کندہ ہیں۔ یہ کتبے اگرچہ

طویل العبارت ہیں مگر رسم الخط اور طرز بیان میں یکساں اور ۴۰۰ الفاظ پر مشتمل ہیں* - خالص ان کتبوں کی زبان فارسیء قدیم | بالعموم فارسیء قدیم کہلاتی ہے †

(۲) دور ساسانی (سنہ ۲۲۶-۶۵۲ ع) اس عہد کی زبان کا پتہ دو طریق پر لگایا گیا ہے۔ ایک تو کتبوں سے جو آثار قدیمہ اور یادگاروں پر کندہ ہیں۔ تختوں سے، مہر کے نگینوں سے، جواہرات اور سکوں سے - دوسرے ان مرقومات سے جو حجم میں کم و بیش عہد عتیق ‡ کے برابر ہونگے - یہ مرقومات

---

* دیکھو دارمشٹٹر کی کتاب " ایرانی علوم " جلد اول صفحہ ۷ -

† ان کتبات کی بہترین ایڈیشن دو ہیں -- ایک کو 'کاسووچ' نے (سینٹ پیٹرزبرگ سنہ ۱۸۷۲ ع اور دوسرے کو 'اشپیگل' نے (لیپ زگ سنہ ۱۸۶۲ع میں) شایع کیا ہے - اول الذکر میں متن دو طرح پر دیا گیا ہے۔ اصلی ایرانی میخی حروف میں بھی اور رومن میں بھی اور ترجمہ لاطینی زبان میں ہے - آخرالذکر میں کتبوں کو صرف جرمن حروف میں نقل کردیا ہے اور ان کا ترجمہ بھی جرمن میں ہے

‡ دیکھو ویسٹ کی کتاب "پہلوی ادب اور اس کی سنداز" پہلوی زبان اور اس کا زمانہ" صفحہ ۱۰۴" اسی مصنف کی دوسری تصنیف "ادبیات پہلوی کا مفا اور ... جلد حال گائیگر اور کوہن کی تصنیف "اساس لسانیات ایران" جلد دوم، صفحہ ۷۵ سے ۱۲۹ تک میں ملیگا۔ ویسٹ نے پہلوی ادب کے تین حصے کئے ہیں۔ پہلا حصہ اوستا کے بعض اجزاء کے ترجمہ پر مشتمل ہے جس کے (۱۴۱۰۰۰) الفاظ ہیں۔ دوسرا ... مذہبیہ پر جس کی تعداد الفاظ ۴۴۶۰۰۰ ہے اور تیسرا غیر مذہبی مرقومات پر جس کے الفاظ (۳۱۰۰۰) ہیں۔ کل الفاظ کی تعداد تقریباً ۵۹۸۰۰۰ [illegible]

فارسیء متوسط یا پہلوی | قریب قریب خالصاً زرتشتی ہیں، مبحث ان کا مذہب اور آداب عبادت ہے، ان کی زبان کو فارسیء جدید کی فقط ایک انتہا درجہ قدیم صورت سمجھنا چاہئے، بشرطیکہ اِدھر جدید فارسی کو عربی الفاظ و تراکیب سے خالی کردیا جائے، اُدھر ہزواریش یا زوارش نام کے عجیب و غریب رسم الخط سے الگ کرلیا جائے- اس کو پہلوی یا بعض وقت فارسیء متوسط کے نام سے پکارتے ہیں - غور سے دیکھیں تو لفظ پہلوی بہ نسبت زبان کے طرز کتابت پر زیادہ چسپاں ہوتا ہے، لیکن رواج عام کی تقلید میں ان کتابوں کی زبان کو ہم بھی لفظ پہلوی کو ساسانی دور کی سرکاری زبان کے معنوں میں استعمال کرینگے - یہ پہلوی خط عربوں کی فتح ایران کے بعد ایک صدی سے زیادہ تک ابتدائی خلفا نیز طبرستان کے خود مختار حاکموں (سپاہپت یا اسپہبد) کے سکوں میں رائج رہا، پھر کم از کم اور ایک صدی تک ایران کے زرتشی اسی زبان میں کتابیں لکھتے رہے، لیکن آخری تصنیف جو اس زبان میں ہوئی اس کا سن نویں* صدی عیسوی سے آگے نہیں

---

* ویسٹ کا خیال ہے کہ دتن کرت، بندہشن ... ہبی مگویت +، نامک نویں صدی عیسوی میں تالیف ہوئی تھوں یعنی کاتبوں صفحہ-۳۳ ۴۳۳، ۴۳۶، ۴۳۷)اور اوستا کے تراجم میر کر پہلوی کے تین ذکر آیا ہے اس کی رائے میں محال تھا کہ ار

نے بھی چھٹی صدی عیسوی کے بعد ؟

" ابحاث ایرانیہ " جلد دوم صفحہ ۹۹ میں یوں میں جو کسان کہتا ہے کہ بہمن یشت کی تدوین سد یں ایک قسم کا بگڑا ہوا

بڑھنا - بہر کیف عملاً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پہلوی کو متروک ہوے ایک ہزار سال کا زمانہ گزرا ہے —

فارسی جدید

(۳) دور اسلامی (از سنہ ۹۰۰ ع تا اینندم) - جس وقت ہم فارسیء جدید کا نام لیتے ہیں تو اس سے ہماری مراد وہ فارسی ہوتی ہے جو عربوں کی فتح ایران اور اکثر ایرانیوں کے قبول اسلام کے بعد ملک میں دو بارہ رائج ہوئی - آخری زمانے کی پہلوی اور ابتدائی زمانے کی جدید فارسی میں عربی الفاظ کے علاوہ جو آخرالذکر میں پاے جاتے ہیں، اگر کوئی فرق ہے تو صرف خط کا ہے اور ایران میں اس دور انقلاب یعنی نویں صدی عیسوی میں تبدیل خط کا باعث مذہب ہوا - مشرق میں آج تک یہ عجیب دستور چلا آتا ہے کہ مذہب کے ساتھ زبان کو اتنا وابستہ نہیں سمجھتے جتنا کہ حروف یا طرز تحریر کو - شام کے عیسائیوں کو دیکھو کہ زبان تو اُن کی عربی ہے لیکن اپنی تحریروں کو لکھتے ہیں سریانی حروف میں اور اسی کو اچھا سمجھتے ہیں - یہ خط "کرشونی" کہلاتا ہے اور اس میں جو ... ہیں، اُن کی تعداد کثیر ہے - یہی حال ترکی

(۹ ...)

- گُجستک ابالش ایک دلچسپ کتاب ہے،
... نے سنہ ۱۸۸۷ع میں بنام پہوس ترجمہ
کتاب میں ایک پارسی دستور اور ابالش
... جو خلیفہ مامون کے اسنہ ۸۱۳ سے سنہ
... سے ثابت ہوتا ہے کہ مطلب یہ کتاب
کی تصنیف نہیں ہو سکتی —

بولنے والے یونانیوں اور آرمینیوں کا ھے کہ اُن کی مادری زبان تو ترکی ھے لیکن جب وہ ترکی لکھتے ھیں تو یونانی اور آرمینی حروف میں - اسی طرح ایران کے یہودی جن کی فارسی تصنیفات کثرت سے ھیں لیکن تحریرات میں عبرانی حروف سے کام لیتے ھیں - برخلاف اِن کے، اسپین کے وہ مور جو عربی کو صفحۂ ذھن سے بالکل مٹا چکے تھے ھسپانوی زبان کے رسالوں کو عربی حروف میں لکھتے تھے* - مگر ایشیائی نگاہ میں پہلوی خط کو تعلیم زرتشت سے جو تعلق تھا وہ اس سے کہیں زیادہ تھا جو عربی حروف اور دین اسلام کے درمیان قایم کر لیا گیا تھا اور جب کوئی زرتشتی داخل اسلام ہوتا

ترک پہلوی کے اسباب

تو وہ عموماً پہلوی خط کو ھمیشہ کے لئے خیرباد کہدیتا - نہ صرف اِس سبب سے کہ پہلوی رسم الخط حد درجہ مشکل و مبہم تھا بلکہ اس سے کفر کی بو آتی تھی - اس کے سوا جس زمانے میں پہلوی حروف تحریر میں استعمال ہوتے تھے تو غالباً عام لوگ نوشت و خواند کے زیور سے محروم تھے - لکھنا پڑھنا صرف مذھبی مگوپت†، دستوبر‡ (مقتدایان مذھب) اور پیشہ ور دبیرون یعنی کاتبوں کے قبضے میں تھا - دستبرد زمانہ سے بچ کر پہلوی کے تین

---

* کہتے ھیں کہ البُخَرّاز پہاڑ کی وادیوں میں جو کسان آباد ھیں، وہ آج تک اپنے عشقیہ خطوط میں ایک قسم کا بگڑا ہوا عربی خط استعمال کرتے ھیں —

† مغ ‡ و دستور

افسانے یا تاریخی ناول جو بجنسہ ہم تک پہنچے ہیں * - ان میں سے ایک کا نام کارنامک ارتخشیر پاپکان ہے یعنی اردشیر ابن پاپک کے کارناموں کی کتاب ہے جو ساسانی خاندان کا بانی تھا - اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اردشیر اعلی تعلیم کے قابل ہوا تو اُس نے کتابت، شہسواری اور دیگر کمالات میں وہ ملکہ حاصل کیا کہ فارس کے طول و عرض میں اُس کے نام کی شہرت ہوئی - فاضل طبری ‡ کی

---

* دیگر تالیفات میں ایک تو "کتاب زریر" ہے اور دوسری "قصہ خسرو کوادان اور اس کا خواص" - اول الذکر کو گائگر نے "روئداد جلسہ شعبہ فلسفیہ لسانیہ و تاریخیہ" بابت ۱۸۹۰ع میں ترجمہ کیا ہے اور نولدکی نے اس پر "جمعیۃ المشرقیہ (جرمنی)" جلد ۴۶ صفحہ ۱۳۶ - ۱۴۵ (۱۸۹۲) میں تنقید کی ہے۔ نیز دیکھو "وائناک رائل اکاڈیمی کی روئداد جلسہ شعبہ فلسفہ تاریخیہ" جلد ۱۲۶ صفحہ ۱ - ۱۲ میں نولدکی کا مضمون —

† پروفیسر نولدکی نے جرمن زبان میں اس کا ترجمہ کر کے پروفیسر بین فے کے خطاب ڈاکٹر کے پچاسویں سال کی تکمیل کے موقع پر اس کو "مضامین علم السنہ ہند و جرمنی" جلد چہارم کے علاوہ ایک مستقل رسالہ (گاٹن جن ۱۸۷۹) کی شکل میں بھی شایع کیا ہے۔ ہمارا حوالہ اسی رسالہ (صفحہ ۳۸، ۳۹ اور حاشیہ نمبر ۳ صفحہ اول الذکر) سے متعلق ہے - پہلوی کا متن اصل اور رومن حروف میں مع ترجمہ انگریزی مرتبہ کیقباد آذرباد نوشیروان ۱۸۹۶ میں بمقام بمبئی طبع ہوا ہے —

‡ دیکھو انسائیکلو پیڈیا کی تیرھویں جلد میں طبری (اصل نام ابو جعفر محمد بن جریر متوطن آمل علاقہ طبرستان، سن ولادت تقریباً ۸۳۹ سن وفات ۹۲۳ء) پر ایک قابل مضمون موجود ہے طبری کی ایک ضخیم اور افضل تاریخ کو لیڈن کے پروفیسر (دخویہ) نے ... شایع کیا

تاریخ میں بھی اردشیر کے بیٹے اور جانشین شاپور کا حال پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ "دور پہلوی" میں کتابت کا سیکھنا کس قدر مشکل تھا۔ طبری لکھتا ہے "جب شاپور اُس مقام پر پہنچا جہاں وہ شہر "جندے ساپور" کی بنیاد ڈالنا چاہتا تھا تو اُس کو "بیل" نامی اک پیر مرد ملا۔ شاپور نے اُس سے پوچھا: "کیا میں اس مقام پر شہر آباد کرسکتا ہوں؟" پیر مرد نے کہا: "اگر میں اس بڑھاپے میں لکھنا سیکھ سکتا ہوں تو تجھ کو بھی اجازت ہے کہ یہاں شہر آباد کرلے"۔ اس کا مطلب جیسا کہ نولدکی نے بیان کیا ہے یہ تھا کہ بڑھاپے میں کتابت کا سیکھنا اور اس جگہ نئے شہر کی بنا ڈالنا دونوں باتیں نا ممکن ہیں (گو کہ بالآخر اُس بڈھے کا خیال غلط نکلا)۔ مختصر یہ کہ پہلوی خط اس قدر مشکل تھا کہ ایک فرانسیسی کی مشہور تعریف نطق "کہ گویائی اخفائے خیالات کا ایک فن ہے" اُس پر خوب منطبق ہوتی ہے۔ حقیقتاً اُس میں کوئی خاص بات نہ تھی بلکہ وہ زبان کا ایک عجیب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲)

ڈے خویہ اور دیگر ممتاز ماہران عربی نے چھپوا کر ایک مہتم بالشان کام کو انجام دیا ہے۔ علوم مشرقیہ کا یہ ایک تازہ اور زبردست کارنامہ ہے۔ تاریخ طبری کے اوس حصے کو جسمیں دور ساسانی سے بحث کی گئی ہے، پروفیسر نولدکی نے جرمنی زبان میں ترجمہ کر کے سنہ ۱۸۷۹ء میں بمقام لیڈن شائع کرادیا ہے۔ ترجمے کے ساتھ مترجم نے نہایت قیمتی مقدمہ بھی لکھا ہے۔ مشکل مقامات کی تشریح بھی دی ہے اور ضمیمہ بھی۔ اس ترجمے کا نام "تاریخ اہل ایران و عرب بعہد حکومت سلاطین ساسانیہ" ہے۔ اس کے صفحہ ۱۴۱ میں شاپور کا قصہ تفصیل کے ساتھ درج ہے —

دیر کچھ دھندلا تھا۔ اگر اس کو حمایت مذہب، دستور قدیم اور کتب ملانی استبداد سے محروم کر دیا جاتا تو اُس کے قوام میں اتنا تنت نہ تھا کہ عربی کے سہل القراءت اور آسان حروف کا مقابلہ کر کے اپنا وجود قایم رکھ سکتا۔ خصوصاً جب کہ ایک مسلمان کو عربی حروف سے واقف ہونا لازمی تھا۔ بایں ہمہ یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئیے کہ پہلوی زبان کی خصوصیت، جس کی تفصیل آگے آتی ہے، صرف رسم الخط کی خصوصیت تھی۔ ورنہ نویں صدی عیسوی میں اگر ایک پارسی دستور کسی پہلوی کتاب کو بآواز بلند اپنے ہم عصر مسلم ایرانی کو پڑھکر سناتا تو وہ اُس کو تمام و کمال سمجھ لیتا۔ یا اگر دستور کے پڑھتے پڑھتے مسلمان اُس کو عربی حروف میں لکھتا جاتا تو اِس کی قدیم ترین صورت ہوتی، البتہ عربی الفاظ اس میں نہ ہوتے۔ فی الحقیقت جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے، ساسانی دور سے لیکر اب تک فارسی زبان میں اس درجہ معمولی تغیرات ہوئے ہیں کہ اگر آج کل کسی تعلیم یافتہ ایرانی کو دفعۃً چودہ یا پندرہ صدی پیچھے لیجانا ممکن ہوتا تو غالباً وہ بہت کچھ سمجھ لیتا کہ اُس کے اہل وطن کیا باتیں کر رہے ہیں۔ بخلاف اس کے فارسیء قدیم اور پہلوی میں عظیم الشان فرق ہے۔ اردشیر جو ساسانی عہد کا اول بادشاہ تھا۔ اور اپنے کمالات کے باعث "فارس کے طول وعرض میں بڑی شہرت رکھتا تھا" الٹے پاؤں سفر کرکے چھ صدی پیچھے ہٹتا اور ہخامنشی درباروں میں جا دیکھتا تو اس کی سمجھ میں ایک حرف نہ آتا کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔

ادبیات جدید کی تاریخ آغاز پردۂ حجاب میں ھے، اُس کا نہ کوئی دن معین کیا جاسکتا ھے اور نہ کوئی سن - غالباً

جدید فارسی ادب کا آغاز

نو مسلم ایرانیوں میں عربی حروف کا رواج تو فتوحات عرب کے بعد ھی، یعنی آٹھویں صدی میں ھوگیا تھا - اس کی ابتدا اس طرح سے ھوئی ھوگی کہ نو مسلم ایرانی اپنی یاد داشتیں عربی حروف میں ٹانک لیا کرتے ھوں گے، اُس کے بعد شعائر اسلام پر چھوٹے موٹے رسالے مرتب کئے گئے ھوں گے" متقدمین ادبائے عرب کے صفحوں میں جابجا

فارسی نثر

فارسی اقوال اور مختصر بیانات ملتے ھیں، جن سے کم از کم یہ ثابت ھوتا ھے کہ ساسانیوں کے آخری اور مسلمانوں کے شروع زمانے کی قطعاً وھی فارسی ھے جو ادبیات جدید کے ابتدائی مرقومات میں نظر آتی ھے" - کتابوں کے سب سے قدیم نمونے جو اب تک معلوم ھوسکے ھیں، یہ ھیں :—

(۱) [فارسی ترجمۂ تاریخ طبری] اس کو وزیر بلعمی نے سنہ ۹۶۳ع میں اپنے فرماں روا منصور اول سامانی کے لئے عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا —

(۲) [کتاب الابنیہ عن حقائق الادویہ] از ابو منصور موفق بن علی ھروی - یہ کتاب بھی مربی علوم منصور اول کے واسطے لکھی گئی تھی - اس کا ایک نایاب قلمی نسخہ جو سنہ ۱۰۵۵ عیسوی میں لکھا گیا تھا اور وائنا میں موجود ھے، سنہ ۱۸۵۹ع میں زیلگ مان نے اس کو نہایت خوبصورت طور پر چھپوایا ھے -

(۳) [تفسیرالقرآن جلد دوم*] یہ کتاب بھی تقریباً اُسی زمانے کی تصنیف ہے۔ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں اُس کا نسخہ موجود ہے (نمبر ایم ام ۱۵۴)۔ اہل نظر نے عام طور پر تسلیم کرلیا ہے کہ عربی کی مانند فارسی میں بھی نظم کا ظہور نثر سے پہلے ہوا - ایک روایت جس کو متعدد عجمی تذکرہ نویسوں، مثلاً دولت شاہ سمرقندی نے اپنے تذکرہ پر نقل کیا ہے

فارسی نظم | یہ کہتی ہے کہ بہرام گور ساسانی (۴۲۰-۴۳۸ع) اور اُس کی معشوقہ دل آرام ا دونوں نے مل کر فارسی کا پہلا شعر ایجاد کیا - ایک دوسری روایت سے جو بارھویں صدی کے اہل قلم ابو طاہر خاتونی کے حوالے سے نقل کی جاتی ہے، پہلا شعر وہ ثابت ہوتا ہے جو خسرو پرویز (۵۹۰-۶۲۸ع) کی محبوبہ شیرین کے محل قصر شیرین کی دیواروں پر کندہ تھا اور کہا جاتا ہے کہ دسویں صدی میں عضدالدولہ بویہ کے عہد میں بھی وہ صاف صاف پڑھا جاسکتا تھا[!] - ایک اور روایت ہے کہ فارسی نظم کی پہلی تصنیف وامق و عذرا کی دل آویز

* دیکھو ہمارا مضمون " فارسی میں ایک پرانی تفسیر " جو سنہ ۱۸۹۴ع ۵ جولائی کے جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۴۱۷-۵۲۴ میں ملیگا، نیز کیمبرج یونیورسٹی کی فہرست مخطوطات صفحہ ۱۳ سے ۳۷ تک جو راقم نے مرتب کی ہے —

ا دیکھو دولت شاہ مرتبہ راقم صفحہ ۲۸ ۲۹ نیز ۹ اکس من کی کتاب موسومہ " ایرانیوں کا علم عروض صفحہ ۲ اور ڈار مسٹیٹر کی "فارسی نظم کی ابتدا " کا صفحہ اول،

! بازیمیرسکی کا مرتبہ دیوان منوچہری (سنہ ۱۸۸۶ع مطبوعہ پیرس) کے صفحہ ۷ اور تذکرۂ دولت شاہ صفحہ ۲۹ -

داستان ہے - دانشمندان عجم نے نوشیروان (۵۳۱ - ۵۷۹ ع) کے لئے اس کو لکھا اور اُس کے نام سے معنون کیا تھا - جب یہ کتاب امیر عبداللہ بن طاہر (المتوفی سنہ ۸۴۴ ع) کے سامنے پیش کی گئی تو امیر نے حکم دیا کہ اُسے تلف کردیا جاے اور کہا ایک سچے مسلمان کے لئے قرآن و حدیث کافی ہیں - یہ تصنیف کسی آتش پرست کی ہے اور ہمارے نزدیک مردود ہے* - یہ بحث یہاں بھی ختم نہیں ہوتی ' دولت شاہ ایک اور قصہ بیان کرتا ہے کہ سلسلۂ صفّارید (سنہ ۸۶۸ - سنہ ۸۷۸) کے بانی † یعقوب ابن لیث صفّار کا ایک کمسن بچہ تھا ' وہ ایک دن جوز بازی میں مصروف تھا کہ جوش مسرت میں کچھ کلمات اُس کے منھہ سے نکلے جو موزوں تھے - بعض اسی کو فارسی شاعری کی بنیاد سمجھتے ہیں - محمد عوفی (۱۲۱۰ - ۱۲۳۵ ع) اِن تمام روایتوں کو غلط ٹھیراتا ہے اور اپنی کتاب تذکرة الشعراء ‡

---

* کاسیمیسکر صفحہ ۶ و ۷ اور دولت شاہ صفحہ ۳۰ - شایع کردہ کازیمیر - سکی ---

† ملاحظہ ہو شتائن کی "قصاید منوچہری" مطبوعۂ پیرس سنہ ۱۸۸۶ صفحہ ۷ - ۸ اور دولت شاہ مرتبۂ راقم صفحہ ۳۰ - ۳۱ ---

‡ یعنی "لباب الالباب" جو ایک بالکل نا یاب کتاب ہے ' جہاں تک معلوم ہوسکا ہے اس کے صرف دو نسخے ملتے ہیں ' جن میں ایک (اسپرنگر ۳۱۸ ' فہرست پرش نمبر ۶۳۷) کتب خانۂ برلن میں موجود ہے اور دوسرا لارڈ کرافورڈ اور بل کیرس کے قبضے میں تھا ' اِن دونوں صاحبوں کی فیاضی سے دوسرا نسخہ جو دُر بے بہا ہے ہمارے پاس آگیا ہے اور ہم اِس فکر میں ہیں کہ اُسے " تاریخی متون فارسی " کے سلسلے میں شائع کریں -
(باقی بر صفحۂ آئندہ)

میں جو باعتبار قدامت سب سے پہلا تذکرہ ہے، لکھتا ہے: کہ عباس مروزی کا قصیدہ فارسی کی سب سے پہلی نظم ہے۔ یہ قصیدہ مامون رشید کی شان میں کہا گیا تھا، جب کہ وہ سنہ ۸۰۹ ع میں مرو میں داخل ہوا تھا۔ بلکہ عوفی اس نظم کی چند ابیات بھی نقل کرتا ہے۔ گو کہ بعض مسلم الثبوت * اہل فن عوفی کے قول کو ایک تاریخی واقعے پر مبنی سمجھتے ہیں، مگر بعض لوگ اس پر شبہ کی نگاہ ڈالتے ہیں اور ہمارے نزدیک اُن کا شبہ بجا ہے۔ بلا خوف اب جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ خراسان میں فارسی ادب، بالخصوص فارسی نظم کو دسویں صدی کے نصف اوّل اور خاصکر سامانی شہزادے نصر دوم (۹۱۳ - ۹۴۲ ع) کے عہد حکومت میں بہت کچھ فروغ ہو چکا تھا۔ یہ مدت تقریباً ایک ہزار سال پر پھیلتی ہے۔ اس عرصے میں فارسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷)
یہ نسخہ پہلے جون بارتھ ایلیٹ کی ملکیت تھا۔ اس سے نے تھے نی ال بلینڈ نے مستعار لیکر کتاب کے عنوانات اور حد موضوع کو جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (۱۸۴۶، جلد نہم صفحہ ۱۱۱ - ۱۲۶ میں بیان کیا، نیز دیکھو "فہرست کتبخانہائے شاہ اودھ" مرتبۂ اسپرنگر صفحہ ۱ - ۶ —

* مثلاً دیکھو ڈاکٹر ایتھے کا مضمون "رودکی کے پیشرو اور معاصر" (جو مجلہ تحقیقات شرقیہ سنہ ۱۸۷۳ میں شائع ہوا تھا) نیز دیکھو مضمون "ادبیات جدید فارسی" جو کتاب "فارسی زبان کی اصلیت" دیکھو گیگر جلد دوم صفحہ ۲۱۸ میں شامل ہے —

† مثلاً قاضی محمد کا دیوان "مطبوعہ بمبئی" صفحہ ۸ - ۹ —

زبان پر تبدیلی کا رنگ اس قدر ہلکا چڑھا کہ آج رودکی کا کلام ایک ایرانی کے لئے ایسا ہی آسان ہے' جیسا کہ شکسپیر کا ایک انگریز کے لئے - باقی شعر کی ابتدا پر مدعیان ادب نے جو کچھہ خیال آفرینی کی ہے وہ تنقید پر ایک افسانہ بن کر رہ جاتی ہے اور بے وقعتی میں اُس کا مرتبہ وہی ہے' جو طبری (متوفی سنہ ۹۲۳ ع) اور مسعودی (متوفی سنہ ۹۵۷ ع) جیسے محتاط مورخین کے اِس خیال کا کہ دنیا کی سب سے پہلی نظم جناب آدمؑ کا مرثیہ ہے' جو انھوں نے ہابیل کے قتل پر بزبان سریانی موزوں کیا تھا - ان حضرات نے اپنی اپنی تصنیفات میں اِس مرثیہ کا منظوم * ترجمہ بھی دے ڈالا ہے : —

تغیرت البلاد و من علیہا
و وجہ الارض مغبر قبیح
تغیر کُل ذي طعم و لون
و قل بشاشۃ الوجہ الملیح
فوا اسفی علی ہابیل ابنی
قتیل قد تضمنہ الضریح
وجاورنا عدو لیس ینسی
لعین لا یموت فنستریح

---

* دیکھو تاریخ طبری جلد اول صفحہ ۱۳۶ - مروج الذہب مسعودی (مرتبۂ بارلی ایبر ڈے می نارڈ) جلد اول صفحۂ ۶۵ - ۶۷ قصص الانبیا ثعلبی (مطبوعۂ قاہرہ سنہ ۱۳۰۹ ھ) صفحہ ۲۹ - ۳۰ اور دولت شاہ (مرتبہ براؤن) صفحہ ۲۰

"دنیا اور دنیا کی سب چیزیں بدل گئیں زمین کی سطح پر خاک اڑتی ہے اور اس پر افسردگی چھائی ہے چیزوں کا مزہ اور رنگ پھیکا پڑگیا اور اس خوبصورت چہرے کی خوبیاں مٹ گئیں۔ پیارے بیٹے ہابیل کی موت پر افسوس وہ نہ رہا، قتل ہوا اور زمین کا پیوند ہو گیا۔ وہ نابکار درگاہ ایزدی سے مردود اور ہمارا پڑوسی ہے نہ تو ہمیں اسے بھول سکتے ہیں، نہ وہ مرتا ہے نہ ہم کو چین آئے"۔

جب ابلیس نے یہ سنا تو تڑپ کر جواب دیا :—

تنح عن البلاد و ساکنیها
ففی الفردوس ضاق بک الفسیح
و کنت زوجک الحوّاء فیها
و آدم من اذی الدنیا مریح
فما زالت مکائدتی و مکری
الی أن فاتک الثمن الربیح
فلولا رحمة الرحمن اضحی
بکفک من جنان الخلد ریح

(مسعودی، جلد ۱:۲۱)

"دنیا اور اہل دنیا سے دور ہوک، میں نے تجھ کو بہشت سے نکالا جہاں تو اور تیری بیوی حوا آرام سے مقیم تھے، تیرا دل بہک گیا تھا، تو نے دنیا کے آلام کی پروا نہ کی اور میرے دام میں آگیا۔ میں نے تجھ سے وہ گوہر نایاب چھین لیا، جس پر تجھ کو ناز تھا۔ خدا کی رحمت نے تم کو بچا لیا

ورنہ باغ خلد کی بجائے تم باد بدست ہوتے"

مقالات بالا سے قطع نظر کر کے ہم ایک اور روایت کی طرف آتے ہیں - عجب نہیں کہ فارسی نظم کی ابتدا پر اِس سے کچھہ روشنی پڑے ' یہ روایت بار بد ترانہ گو کی بابت اور اِس لائق ہے کہ اُس پر متانت کے ساتھہ غور کیا جاے- اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ ساسانی عہد میں فارسی نظم وجود میں آچکی تھی - روایت بار بد کو ہم دو سبب سے اہم سمجھتے ہیں ' ایک تو یہ کہ اُس کا ذکر معتبر قدما* نے پے درپے کیا ہے اور دوسرے یہ کہ بار بد کا نام

بار بد مطرب ساسانی سنہ ۵۹۰- ۶۲۷ ع

---

* عربی تصانیف میں بہلبد کا قدیم ترین حوالہ راقم نے خالد بن فیاض (قریب ۷۱۸ ع) کی ایک نظم میں دیکھا ہے ' جسے ہمدانی ' یا قوت اور قزوینی نے نقل کیا ہے اور جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بابت جنوری ۱۸۹۹ ع صفحۂ ۵۹ - ۶۰ میں ترجمہ ہوا ہے ' اُس کا کم و بیش حال ذیل کے ارباب قلم نے لکھا ہے:-

(۱) ابن قتیبہ (المتوفی ۸۸۹ع) عیون الاخبار (نسخۂ موجودۂ ایشیاٹک میوزیم سینٹ پیٹرس برگ نمبر ۴۹۱)—

(۲) جاحظ (متوفی ۸۹۹ع) کتاب الحیوان (نسخۂ موجودۂ کیمبرج ڈبل کیو ۲۲۳)—

(۳) ہمدانی (صاحب کتاب البلدان) (قریب ۹۰۳ ع) مرتبۂ ڈ خویہ (صفحہ ۱۵۸ و ۱۵۹) —

(۴) جو غالباً بیہقی ہے مصنف کتاب المحاسن والاضداد (قریب ۹۲۵ع) (مرتبۂ فان فلوٹن صفحہ ۳۶۳-۳۶۴) طبع مصر سنہ ۱۳۲۴ ' صفحہ ۲۳۶) —

(۵) ابن عبد ربہ (متوفی ۹۴۰ع) جلد اول صفحہ ۱۹۴ یا دوسرے اڈیشن کا ص ۱۸۸

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

عربی اور فارسی میں جس فرق کے ساتھ لکھا ہوا ملتا ہے، اُس کی توجیہ اِس کے سوا مشکل سے ہو سکتی ہے کہ اِسی نام کی عربی اور فارسی دونوں صورتیں پہلوی صورت سے منقول ہیں۔ روایت یوں ہے کہ خسرو پرویز ساسانی (سنہ ۵۹۰ - سنہ ۶۲۷ ع) کے ارباب کمال میں اک مطرب تھا، جس کو ایرانی بار بد اور عرب بہلبذ، بلہبذ یا فہلبذ لکھتے ہیں۔ عربی کی پہلی اور تیسری صورت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فارسی کی اصل صورت پہلبت پیدا ہوگئی۔ بہلبذ اور بار بذ کو عربی میں لکھیں تو دونوں لفظ الگ معلوم ہوتے ہیں، لیکن پہلوی خط میں لکھیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱)

(۶) ابو فرج اصفہانی (متوفی ۹۵۷ ع) کتاب الاغانی طبع ہانی جلد ۵ صفحہ ۵۴) —

(۷) یاقوت (متوفی ۱۲۲۹ع) جلد سوم صفحہ ۲۵۰ وغیرہ

(۸) قزوینی (متوفی ۱۲۸۳ع) آثار البلاد (صفحات ۱۵۴ ۱۵۵-۲۳۰-۲۳۱-۲۹۵-۲۹۷) —

فارسی لکھنے والے اہل قلم میں اِن صاحبوں نے بہلبذ کا ذکر کیا ہے :—

(۹) شریف مجلدی (تاریخ مشتبہ، مذکور چہار مقالہ نظامی عروضی، سمرقندی —

(۱۰) فردوسی (المتوفی قریب ۴۱۵ ھ) شاہنامہ —

(۱۱) نظامی گنجوی (المتوفی قریب ۱۲۰۳ ع) خسرو و شیریں —

(۱۲) نظامی عروضی سمر قندی (متوفی قریب ۱۱۶۰ ع)

(۱۳) محمد عوفی (قریب ۱۲۲۸ ع) —

(۱۴) حمداللہ المستوفی قزوینی (قریب ۱۳۴۰ ع، تاریخ گزیدہ —

اس کے بعد والے نوٹ میں ہم نے جس مضمون کا نام درج کیا ہے اُس میں حوالہ جات بالا میں سے اکثر منقول ہیں۔ ان کی طرف ہماری توجہ بیرن فان روزن (سینٹ پیٹرز برگ) نے مبذول کی، جس کے لئے ہم صاحب موصوف کے ممنون ہیں۔

تو دونوں کی صورت میں کوئی فرق نہ ہے گا، کیوں کہ پہلوی میں اول تو (الف) اور (ہ) اِن دونوں کی آوازوں کے لئے ایک ہی حرف ہے اور دوسرے (ر اور ل) کے لئے بھی دو مختلف حروف نہیں ہیں - پہلوی حروف تہجّی نے اِن دو آوازوں میں کوئی امتیاز نہیں رکھا، اس لئے (بار بد) کو پہلوی میں (بار بد) بھی پڑھ سکتے ہیں اور (بہلبد) بھی - پس فارسی بار بد اور عربی بہلبد کا باہمی فرق (یعنی باربد میں جہاں (ا - ر) ہے وہاں بہلبد میں ہ، ل، ہے) ایک زبردست ثبوت ہے کہ فارسی اور عربی کی دونوں صورتوں کا اصل ماخذ پہلوی لفظ ہے، جو فارسی و عربی میں دو مختلف ہیئتیں اختیار کرلیتا ہے - اب یہ کہدینے میں کوئی دشواری نہ ہوگی کہ عربی اور فارسی میں بار بد کی بابت جتنی روایتیں درج ہیں، وہ ایک دوسرے سے ماخوذ نہیں ہیں، بلکہ وہ ہم کو پیچھے دھکیل کر کسی ایسی پُرانی کتاب کی طرف لے جاتی ہیں جو یا تو خود پہلوی میں، یا زمانۂ تصنیف کے لحاظ سے دور پہلوی کی تصنیف ہوگی - اس بار بد (سہولت کے لئے ہم نے اس نام کی موجودہ فارسی صورت اختیار کرلی ہے مگر جہاں عربی کا حوالہ آئیگا وہاں عربی صورت درج کرینگے) اور رودکی میں جیسا کہ ہم کسی اور مقام پر دکھا چکے ہیں، اِس قدر مشا بہت * پائی جاتی ہے

* ہمارا مضمون جو سنہ ۱۸۹۹ع میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے جنوری نمبر میں چھپا تھا اُس کو صفحہ ۳۷ - ۶۹ میں دیکھو - یہ مضمون ذیل کے عنوانات پر تھا - "دولت شاہ کے ماخذ" "ایران کی تاریخ ادبیات کے لئے کیا کیا مواد موجود ہے" - اور "باربد، رودکی پر ایک نظر" -

کہ خیال کو حیرت ہوتی ہے - رودکی دسویں صدی ہجری کے آغاز میں گزرا ہے اور تخت سامانیہ سے وابستہ تھا - طبقۂ قدیم کے ایک شاعر شریف مجلدی گرگانی نے بھی اِن دونوں کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے وہ کہتا ہے : —

ازاں چندیں نعیم جاودانی
کہ ماند از آل ساسان و آل سامان
ثنائے رودکی ماند است و مدحش
نوائے باربد ماند است و دستان

"خاندان ساسان اور آل سامان نے جس قدر یادگاریں چھوڑیں، اُن میں سے آج کے دن کچھ بھی باقی نہ رہا، مگر رودکی کے قصیدے اور باربد کے ترانے اور افسانے -"

رودکی کے حالات زندگی، متعدد تذکروں میں ملتے ہیں اور ہر ایک تذکرے میں تسلیم کرلیا گیا ہے کہ رودکی کا سہناز ترین کارنامہ وہ ترانہ ہے، جس کو اُس نے امیر نصر بن احمد سامانی کے سامنے برجستہ موزوں کیا اور رھبیں گا کر سنایا - اِس کی وجہ تصنیف یہ ہے کہ امیر نصر چار سال سے ہرات اور اُس کے گرد و نواح میں پڑا ہوا شادابی ملک کے مزے لوٹ رہا تھا اور اپنے وطن بخارا کو واپس جانے کا نام تک نہ لیتا تھا - رودکی سے سپاہ نے انعام کے وعدے پر فرمائش کی کہ وہ بادشاہ کو چلنے پر اُبھارے - اشعار کی سادگی اور عدم حسن و ترصیع پر ہر ایک نقاد سخن کی نظر پڑی ہے - بعض تو (جیسے نظامی، عروضی، سمرقندی)

اِن کو قابل ستائش کہتے ہیں اور بعض لائق مذمت اور حیرت کرتے ہیں کہ اِس قدر سادے اور پھیکے الفاظ نے امیر پر کس طرح جادو کر دیا - فی الحقیقت یہ ترانہ ایک سادہ گیت ہے؛ اُس کو اُس نظم سے کوئی نسبت نہیں، جس کا انداز بیان تصنع آمیز ہوتا تھا اور اسلامی علوم کے انحطاط کے زمانے میں جس کو دولت شاہ نے دیکھا تھا، سرمایۂ کمال سمجھا جاتا تھا - چنانچہ دولت شاہ ناراض ہوتا ہے کہ " اگر سلاطین اور اُمراء کے دربار میں رودکی کے انداز پر کوئی نظم سنائیے تو چاروں طرف سے نفرین کی بوچھاڑ ہو جائے "- اِس میں شک نہیں کہ سادگیٔ سخن میں رودکی نے اپنی خوش الحانی اور کمال موسیقی سے بڑی گرمی پھونکدی ہوگی - نظم یہ ہے :—

بوئے جوئے مولیاں آید ہمی　　یاد یار مہر بان آید ہمی
ریگ آموی و درشتیہائی او　　پائے مارا پرنیان آید ہمی
آب جیحون باشگر فیہائے او　　خنگ شہ راتاعناں آید ہمی
اے بخارا شاد باش و شادزی　　شاہ نزدت شاد مان آید ہمی
شاہ ماہ ست و بخارا آسمان　　ماہ سوے آسمان آید ہمی
شاہ سروست و بخارا بوستان　　سرو سوئے بوستان آید ہمی

نظامی عروضی جو اس روایت پر سب سے قدیم سند ہے، بیان کرتا ہے کہ "جب رودکی آخری شعر پر پہنچا تو امیر سامان کا تخیل بھڑک اُٹھا، وہ تخت سے فوراً اُتر پڑا، پہرے والے کا گھوڑا لیا اور گھوڑے کو اس زور سے بخارا کی جانب دوڑایا کہ خدام دو فرسنگ (یعنی بروند) تک اُس کے موزے

ہاتھ میں لئے دوڑتے رہے- بروقت پر اسیر سوزے پھنکر پھر چلا اور بخارا پہنچکر دم لیا - رود گی کو سپاہ نے بجائے پانچ ہزار معہودہ کے دس ہزار دینار انعام میں دیے ''—

یہ روایت بتاتی ہے کہ رودگی نہ صرف شاعر تھا بلکہ حاضر گو، بر بط نواز اور ڈراساز بھی تھا - ایران میں اس قماش کے قوال آج تک موجود ہیں جو شاعری بھی کرتے ہیں اور گاتے بجاتے بھی ہیں - کوئی بزم عیش ایسی نہیں ہوتی جہاں ان کی '' تصانیف '' یعنی واقعات حاضرہ کے مخصوص ترانوں سے کان محظوظ نہ ہوتے ہوں- رودگی، جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے، ایام سامانی کے اُس بار بد یا بہلبد سے بھی مشابہ ہے جس کی شخصیت پردۂ قدامت میں دھندلی سی نظر آتی ہے - بار بد اُن اصحاب عشرہ میں تھا جو خسرو پرویز کے دربار سے متعلق اور بخیال اہل عجم اپنے اپنے فن میں ید طولی رکھتے تھے - اس کا اصل کہاں یہ تھا کہ جب پرویز سے کوئی بات کہنی ہوتی، جس کو خشم سلطانی کے خوف سے زبان پر لاتے ہوے درباریوں کی روح کانپتی تھی تو بار بد اُس کو بڑے حسن کے ساتھ گیت کے پردے میں بادشاہ کو سنا جاتا - چناں چہ روایت ہے کہ پرویز کا ایک گھوڑا تھا شبدیز نام، حسین و ذہین، بادشاہ کو اُس سے محبت نہ تھی، عشق تھا اور اُس نے عہد کیا تھا کہ جو شخص مجھے اُس کی موت کی خبر سنائیگا اُس کا سر قلم کردوں گا - اتفاق سے گھوڑا مر گیا میر اسپ بہلبد کے پاس آیا اور اُس سے بمنت التجا کہا کہ وہ اس خبر کو بادشاہ کے کانوں تک پہنچادے - بادشاہ نے راگ

بھی استعمال ہوا - مثلاً ماہ کوفہ، ماہ بصرہ، ماہ نہاوند*—

تاریخ میڈیا کے ماخذ

شومیٔ بخت سے ایرانیوں کے برعکس اہل میڈیا نے اپنے کارناموں کا کوئی قلمبند سرمایہ نہ چھوڑا - اس لئے اُن کی بابت جو کچھ بھی لکھا جائیگا اُس کا دار و مدار دوسری قوموں کی تاریخ پر ہوگا، بالخصوص آسوری، یہودی اور یونانیوں کی تاریخ پر جن کو اس قوم کا علم بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ —

آسوری حوالہ

تُلگت پلاسر (قریب سنہ ۱۱۰۰ قم) کے ایک کتبے میں درج ہے کہ میڈیا کا پایہ تخت ہمدان (امدانہ) ایک محکوم شہر† تھا - اس کا ذکر حضرت عیسیٰ سے نوسو سال پیشتر کے ایک اور کتبے میں بھی آیا ہے، سلمناسر سرجون (سنہ ۷۳۱ - سنہ ۷۱۳ قم) بھی ایک مقام پر فخر کے ساتھ کہتا ہے کہ میں نے دور و دراز میڈیا میں اپنا سکہ بٹھا دیا تھا - سرجون کا جا نشین سنحریب اور اُس کے علاوہ ایسر ہدون (سنہ ۶۸۰ - سنہ ۶۶۹ قم) بھی میڈیا کا ذکر کرتا ہے —

یہودی حوالہ

۲ سلاطین ۱۷ - ۶ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوسیع (سنہ ۷۲۲ قم) کے فہم

---

* مگر ۱۷۰۰ عیسوی میں ماہ اور فارسی مادہ کا ایک لفظ ہونا ثابت ہوچکا تھا - اس تحقیقات کا شرف وہیلاک کے شاگرد اور کیمبرج کے مشہور عالم ڈاکٹر ہائڈ کو حاصل ہوا، جو بعد میں اوکسفورڈ یونیورسٹی میں عبرانی معلم لاتین پروفیسر عربی اور بوڈلین لائبریری کا مہتمم مقرر کیا گیا — دیکھو "تاریخ مذہب" مرتبہ ۱۷۶۰ صفحہ ۴۱۴

† اینشی کل ایران قدیم کے مقالات ج دوم ص ۲۳۶ —

سن جلوس میں تاجدار آسوری نے شہر سوروں پر قبضہ کیا اور بنی اسرائیل کو گرفتار کر کے اپنے ملک میں لے گیا - وہاں پہنچکر اُن کو دریائے جوزان کے کنارے خلخ اور خابور میں اور میڈیا کے شہروں میں بسایا - اس واقعے کا اعادہ سلاطین کے باب ۱۸ آیت ۱۱ میں ۱ بھی کیا گیا ھے —)

یونانی حوالہ — ھرودوتس - تی سیاز

یونان کے تین مشہور تاریخ نگاروں میں جو اِس دور کے خاص ماخذ ھیں' سب سے پہلے ھرو دوتس کا ذکر کرنا چاھئے ' کیونکہ اول تو یونانی کتابوں سے اُس کی صحت نگاری کی شہادت ملتی ھے ' دوسرے اِس وقت صرف اُسی کی تاریخ پوری موجود ھے - ھرو دوتس کے بعد تی سیاز کا نمبر ھے' جو پانچویں صدی قبل مسیح میں موجود اور اردشیر ثانی سن کا حکیم تھا - اُس کا بیان ھے کہ میری معلومات کا ماخذ ایران کی خاص سرکاری تحریریں ھیں - اِس بیان سے کم از کم یہ سراغ لگ جاتا ھے کہ ایرانی دربار میں اِس قسم کی تاریخی مرقومات موجود تھیں' جن کا حوالہ کتاب آستر باب ۶ آیت ۱ میں بھی آیا ھے کہ بادشاہ آخسویرس کی نیند اچاٹ ھوگئی تھی اور اُس نے شاھی تاریخ ناموں کو منگواکر (باب ۲ آیت ۲۳) بگتانا اور ترش کی سازش کا حال اپنے روبرو قلمبند کرایا - سازش آخسویرس کے قتل کے لئے کی گئی تھی' لیکن اِسے مردکی نے طشت ازبام کردیا تھا - تی سیاز کی

---

۱ نولدکے کے "تاریخ ایران" پر مضامین (لیپ زگ ۱۸۸۷ ع صفحہ ۵) —

تاریخ پر یہ الزام لگائے جاتے ہیں کہ وہ ایرانی نوشتوں کو اچھی طرح سمجھتا نہ تھا یا وہ سمجھتا تھا لیکن اُس نے دیدۂ و دانستہ اُن کو بدلدیا یا یہ کہ وہ خود محرف اور غلط تھے۔ (تحریف و غلط بیانی کی نظیریں موجودہ زمانے میں بھی پائی جاتی ہیں اس لئے وہ قرین قیاس ہوسکتی ہے) اِن میں سے خواہ کوئی خیال صحیح ہو اور کوئی غلط لیکن اس کی تاریخ کی نسبت عام بے اعتباری پھیلی ہوئی ہے اور وہ ہے بھی ٹکڑے ٹکڑے' جو مورخین متاخر مثلاً فوتی اس (۸۲۰-۸۹۱ع) کی کتاب میں ملتے ہیں—

بروسس

تیسرا بروسس ہے جو ایک کلدانی کاهن تھا۔ اس نے سکندر اور اُس کے قریبی جانشینوں کا زمانہ دیکھا تھا۔ شام کے فرمانروا انطیاخس کے ایماء سے اُس نے اپنے ملک کے حالات یونانی زبان میں ترجمہ کیے تھے۔ مگر اُس کا ترجمہ بھی پارہ پارہ ہوگیا۔ جو کچھ بچا اُس کو حضرت عیسیٰ؈ کے ایک صدی پہلے کے تاریخ نگاروں "پولی ہستور" اور "اپولودورس" نے اپنے ہاں نقل کیا اور اُن سے "یوسی بی اس" اور "یسن کی لس" تک پہنچا—

دیوکسیز

ہرو دوتس کے بیان کے مطابق سب سے پہلی قوم جس نے ۵۲۰ برس محکوم رہنے کے بعد آسوری تاج سے آزادی حاصل کی وہ اہل میڈیا تھے۔ یہ واقعہ سنہ ۷۰۰ قم کا ہے۔ اِس کے ایک یا دو سال بعد "دیوکسیز" نے جو "ہرو دوتس" کی ترتیب کے مطابق اول کے چار میں پہلا بادشاہ ہے' میڈوی تاج سر پر رکھا۔ سنہ ۷۱۵ قم کے ایک آسوری بیان میں ہے کہ

"ایک شخص دیکّو (= ڈیوکسیز) اسیر کرلیا گیا تھا اور سنہ ۷۱۳ قم میں آسور کے بادشاہ سرگون نے ڈیوکسیز کی مملکت پر تسلط کیا"۔ سنہ ۷۴۶ قم فر اور تیز (فر اورتیش، قدیم کتبات عجم میں) جا نشین تخت ہوا - اُس نے اپنے ملک میڈیا کو قبضے میں کیا اور سلطنت کو اتنی وسعت دی کہ اہل فارس پر بھی چھا گیا۔ اس کے بعد سنہ ۶۲۵ قم میں سیاکرزیز (هوخشترہ) تخت کا وارث ہوا - اُس نے شاہ بابل کے ساتھہ ملکر سنہ ۶۰۷ قم میں نینوا کو تاراج کیا اور لیڈیا پر بھی حملہ کر دیا، مگر دوران جنگ میں دفعۃً اُس سال ۲۸ مئی کو کامل سورج گرہن واقع ہوا اور محاربین نے یہ سمجھکر کہ گرہن خدا کی علامت ناراضگی ہے سنہ ۵۸۹ قم میں باہم صلح کرلی - غالباً اسی سال سیاکرزیز دنیا سے رخصت اور اِس کے بعد اِس کا بیٹا ایستیاجیز تخت آرا ہوا جسے سنہ ۵۵۰ قم میں هخامنشی سائی رس نے بے تاج و تخت کردیا، اور عنان سلطنت اہل میڈیا یعنی مغربی ایرانیوں کے ہاتھہ سے نکل کر جنوبی ایرانیوں یعنی اہل فارس کے قبضے میں آ گئی لیکن یہاں فتوحات میڈوی سے ہمیں چنداں بحث نہیں، ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اُن کی زبان کیا تھی اور اُن کا مذہب کیاتھا؟ کیونکہ ہمارے موجودہ زاویۂ نظر سے یہی مسائل اصل مسائل ہیں - اس بارے میں جس رائے نے آج کل زیادہ زور پکڑا کہا ہے، وہ یہ ہے کہ (اس ملک کے باشندے ایرانیوں میں سے تھے اور اُن کی زبان بھی ایک ایرانی زبان تھی جو فارسی قدیم سے بہت ملتی جلتی تھی- راقم الحروف کو بھی اِس سے ایک گونہ اتفاق

اہل میڈیا کی زبان

ہے - نوبلڈکے بھی یہی کہتا ہے)اور دولت میڈیا سے بحث کرتے کرتے جب وہ اپنی تقریر کو ختم کرتا ہے تو یہ کہہ کہہ کر کہ*:-

" جب ھمدان کے گرد و نواح کو اچھی طرح دیکھا جائیگا یا زمین کو کھود کر اُس کے دفینوں کی پڑتال کی جائیگی تو شاید اس قدیم زمانے کے قیمتی آثار ھاتھہ لگ جائیں اور اگر کہیں سلاطین میڈیا کے سکّے نکل آے تو کیا بات ہے - میرا ذھن گواھی دیتا ہے کہ اُن سکوّں کی زبان اور خط دونوں شاھان فارس کی زبان اور خط کے مانند ھوں گے"-

ڈارمشتیٹر جسکی راے پر مفصل تنقید ھم آیندہ کریں گےوہ نوبلڈکے کے بیان پر بھی قناعت نہیں کرتا بلکہ اس سے چند قدم آگے بڑھ کر اعلان کرتا ہے(کہ (آوستا) کی زبان جو عام طور سے ژند کہلاتی ہے " میڈیا کی زبان یامیڈوی زبان" ہے)اپنے خیال کا ثبوت پیش کرنے کے بعد وہ لکھتا ہے کہ† :-

---

* تاریخ فارسی پر مضامین (لیپ زگ ۱۸۸۷) صفحہ۱۲-

† دیکھو " ایرانی علوم" از ڈارمشتیٹر جلد اول صفحہ۲ او۱۳ ایم ڈے ھارلسیز (" زبان اوستا ...... ۱۸۸۲ ...... اور مطالعۂ مذھب اوستا مزدین کا مقدمہ ۱۸۸۱ صفحہ ۳۵ وغیرہ") بھی اس راے کا موئد ہے اور لکھتا ہے: " ھمارا خیال ہے' ھم نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ اوستا میڈیا سے منسوب ھونی چاھئے اور اس کی زبان مجوسیوں سے' لیکن چونکہ یہ امر ھنوز مسلمہ نہیں اس لئے پارسیوں کی طرح ھمیں بھی چاھئے کہ (اوستا کی زبان کے لئے) لفظ "اوستائی" جو ھر ایک غلطی سے پاک ہے برابر استعمال کرتے رھیں - اسی طرح" قدیم باختری ' کے مقابلے میں " ژند" قابل ترجیح ہے' کیونکہ یہ لفظ عام طور پر مروج ہے اور اس کے استعمال میں تعصب و نفرت کی گنجائش نہیں —

"پارسی روایات اور خود آوستا کے بیانات، جنکی
تائید خارجی شہادتوں سے بھی ہوتی ہے، دین زرتشت
کے مرکز اور اُس کے نمو و ترقی کا مقام میڈیا
میں یا تو (آذر بائیجان) یا (رے) بتاتے ہیں اور
جہاں تک میرا خیال ہے (آذر بائیجان) کو مرکز قرار
دینا صحت سے قریب تر ہے - یہی وہ مقام ہے
جہاں سے دین زرتشت اُٹھا تھا اور مغرب سے
مشرق کی جانب پھیلا - بہر کیف اس مذہب
کی اصل میڈری ہے اور آوستا (موبدان) میڈیا
کی تصنیف ہے .... نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ
خارجی شہادت یعنی مرقومات قدیم اور داخلی
شہادت یعنی کتب زندی اور روایات ملکی کی
رو سے اوستا مجوسیوں کی تصنیف ہے اور ژند
میڈیائے قدیم کی زبان ہے، لہذا اگر ہم یہ دعویٰ
کریں کہ ژندی زبان کا نام ژند رکھنا غلط ہے اس کی
جگہ " میڈوی زبان " ہونا چاہیے - تو ہمارا یہ
دعویٰ صحیح سمجھنا چاہیے " -

آپرٹ کی رائے کہ اہل میڈیا تو رانی تھے —

ایک اور رائے جس کا ذکر کئے بغیر آگے بڑھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا
محقق (آپرٹ) کی ہے - جو اُسکی کتاب موسومہ " اہل میڈیا
و زبان میڈیا " میں تفصیل کے ساتھ درج ہے - یہاں تک
تو مسلم ہے کہ ہخامنشی دور کے کتبے تین زبانوں میں لکھے
ہوئے ہیں جن میں پہلی زبان فارسیء قدیم ہے اور تیسری

آسوری' رهی دوسری جو اپنی اصل نسل میں نہایت مشتبہ ہے اُس کی بابت آپرٹ کا خیال ہے وہ "میڈوی" ہے اور اُس کو کسی آریائی زبان سے مطلق علاقہ نہیں' بلکہ وہ تورانی ہے - اس انوکھے اور بالکل متضاد خیال کے ثبوت میں وہ دلائل بھی عمیق و عجیب پیش کرتا ہے - خود نام میڈیا (مادہ) کی تشریح وہ ایک سمیری لفظ (مدہ) سے کرتا ہے' جس کے معنی (ملک) ہیں' اور سلاطین میڈیا کے جو نام ٹی سیاز نے اپنی تاریخ میں لکھے ہیں' وہ اس کے نزدیک " آریا شدہ" تورانی اسماء (جنھیں ہرو ڈوٹس نے لکھا ہے اور جو قدیم کتبات میں ملتے ہیں) کے آرین مترادفات ہیں -مثلاً وہ کہتا ہے کہ تاریخ ہرو ڈوٹس میں پہلے میڈوی بادشاہ کا نام دو جدا جدا لفظوں ، دیہ) (= دوسرا) اکُوّ (=قانون) سے مرکب ہے جس کی آریائی یافارسی صورت غالباً (دائیکہ) تھی اور معنی "ممالک کو دوبارہ متحد کرنے والا"- اس مرکب لفظ کا مرادف فارسی یاآریائی جو ٹی سیاز نے استعمال کیا ہے' وہ آرتائیوس ہے جس سے فارسی کے (آرتایو) (ارتہ سے مشتق ہے) بمعنی "قانون" اور (آیو بمعنی دوبارہ متحد کرنا) کی طرف اشارہ نکلتا ہے' میڈیا کی چھ قوموں کے ناموں کو جنھیں ہروڈوٹس نے اپنی تاریخ میں (کتاب اول باب ۱۰۱)درج کیا ہے آپرٹ تسلیم کرتا ہے کہ آریائی ہیں' مگر اِس کے بعد وہ کہتاہے کہ اِن میں سےکم از کم دو یعنی بوسائی اور سٹرک سان نیس اصل تورانی ناموں کے آریائی ترجمے ہیں'

جنھیں سے ایک کے معنی "ملک کے اصل باشندے" اور دوسرے کے "ساکنان خیمہ" ہوتے ہیں - افسوس ہے کہ ایسی قابلیت کے آدمی بہت کم ہیں، جو ایم آپرٹ کی تحقیقات کا از سرنو تفحص کرکے تفصیل میں اُس کے استدلالات پر مجتہدانہ رائے قایم کرسکیں، لیکن آپرٹ کی کتاب مذکورالصدر پر تبصرہ کرتے ہوے اُس کے عام استدلالات و نظریات پر دار مستیتر نے اپنے خلاصۂ اعتراضات کے آخر میں جو کچھہ لکھا ہے اس سے ہمیں اتفاق ہے * :-

دار مستیتر کا اعتراض

"لہذا اس مروجہ خیال کے ترک
کرنے کی ہمارے پاس کوئی وجہ
نہیں کہ میڈیا کی زبان آریائی زبان
تھی - یہ خیال ایسا ہے کہ اِس کی
تائید بلا واسطہ استرابو کے بیان
سے ہوتی ہے اور با لوا سطہ
ہروڈوٹس کے بیان سے - علاوہ ازیں
ایک اور نہایت قوی ثبوت یہ ہے
کہ ژند اوستا کا مقام تصنیف
اور ژند کی پیدائش کا اصل
میڈیا کا ملک ہے" -)

---

* دیکھو " ابحاث ایرانیہ " جلد دوم صفحہ ۱۴ اول اول یہ اعتراضات ریو یو کدر ٹیک سنہ ۱۸۸۰ جون ۲۱ میں شایع ہوے تھے --

بہر کیف جبتک کوئی جدید خیال نہ
اسی مسلک پر قائم رہنا چاہئے (کہ اہل میڈیہ
تھے اور ان کی زبان ایرانی تھی جو فارسی سے د
درجہ مشابہت رکھتی تھی)

اُوپر بیان ہوچکا ہے کہ ہخا منشی خاندان کے برعکس شاہ میڈیا نے اپنے کارناموں کا تحریری حال نہیں چھوڑا ہے' اُن کی زبان کی بابت بعض محققین مثلاً نو بالڈ کے کایقین ہے کہ گو مزید تفحص ایک نہ ایک دن اُس کے نمونے ڈھونڈ

اوستا

نکالیگا لیکن اِس وقت ایک بھی موجود نہیں۔ بعض محققین مثلاً آپرٹ کو اطمینان ہے کہ اُس کے نمونے موجود ہیں اور وہ درجۂ دوم کے پیکانی کتبوں پر ثبت ہیں - ایک اور جماعت جس کا رکن رکین دارمشتیٹر ہے اِن دونوں بیانات سے اختلاف کرکے بتاتا ہے (کہ یہ نمونے کثرت کے ساتھ زرتشت کی قدیم آسمانی کتاب ژند اوستا میں پائے جاتے ہیں- اِن سے میڈیا کی نہ صرف زبان بلکہ اُس کے علم ادب کا صحیح صحیح حال معلوم ہوتا ہے - یہ امر کہ اوستا کی زبان ایرانی ہے اور فارسی قدیم سے اُس کا رشتہ ماں یا بیٹی کا نہیں بلکہ دونوں آپس میں دو بہنیں ہیں' یہاں تک ثابت ہوچکا ہے کہ اب شبہ کی گنجائش باقی نہیں - لیکن یہ کہ وہ کس حصۂ ملک کی زبان ہے ایک ایسا مسئلہ ہے جو ہنوز متنازعہ فیہ چلا آتا ہے - کیونکہ ایک طرف تو جیسا کہ اوپر آچکا ہے دار مشتیٹر اوستا کی زبان کو میڈیا کے ساتھ مخصوص کرتا ہے' اور دوسری طرف محققان جرمنی کہتے ہیں کہ وہ باختر

ہ جرمنی میں عموماً اُس کا دوسرا نام
دی" اور "مشرقی ایرانی" رکھہ لیا گیا ہے)
ر نے اِن محققوں کی تردید کی ہے' لیکن تردید سے
وہ اپنے صاف اور مختصر انداز میں ان کے دلائل کا خلاصہ
درتا ہے' جو ذیل میں درج ہے*:—

جرمنی تحقیق

(۱) ژند پرشیا کی زبان نہیں ہے —
۲) باختر ہی وہ مقام ہے' جہاں بموجب روایات زرتشت نے اپنے مذہب کی پہلی مہتم بالشان فتح حاصل کی' یعنی شاہ گشتاسپ کو زرتشتی کیا -
(۳) اوستا میں صرف اُن مقامات کا ذکر آیا ہے' جو مشرقی ایران میں واقع ہیں۔

دارمشتیٹر کی تنقید

دلیل اول صحیح تو ہے مگر منفی ہے' مثبت نہیں - مانا کہ اس کے بموجب پرشیا (یعنی صوبہ فارس) الگ ہو جاتا ہے' لیکن باقی ایران تو کہیں نہیں گیا -

دوسری دلیل کہ باختر میں گشتاسپ نے دین زرتشت قبول کیا' ٹھیک ہے' لیکن اس سے بجز اس کے اور کیا ثابت ہوتا ہے' کہ وہاں زرتشتیوں نے بڑے پیمانے پر جد و جہد کی - ایران و توران میں جنگا

---

* "ابحاث ایرانیہ" جلد اول صفحہ ۱۰-۱۲

جغرافی حیثیت سے قدرتی مصاف باختر ہے' میدان کار زار گرم ہوا - تورانی بت پرست تھے اور ایرانی امت زرتشت - جبکہ بت پرستوں اور اہرمزد کے پیروؤں میں خونریزیاں ہو رہی ہوں تو ضرور تھا کہ حامیان ملت زرتشت کے ذہنوں میں باختر کی یاد موجود ہوتی اور اُن کی برکتوں کو لے کر باختر پہنچتے جہاں اہرمزد کے پوجنے والے دیو پرستوں کے مقابلے میں جانبازیاں دکھا رہے تھے - پس یہ قصے کہ سرزمین باختر میں زرتشت کا کلمہ اس سرے سے اُس سرے تک پھیل گیا اور وہیں گشتاسپ بھی اُس کا شکار ہوا' غالباً اُس کامیابی کی تاریخی کڑیاں ہیں جو زرتشت کو مشرق میں ہوئی - ان قصوں میں کوئی نشان ایسا نہیں ملتا جو باختر کو زرتشت کا جنم بھوم اور اُس کے مذہب کا گہوارہ ثابت کردے - پارسیوں کی روایتیں متعدد طور پر پکارتی ہیں کہ ہمارے پیغمبر اور اُس کے آئین کا مولد و منشا مشرق اور باختر نہ تھا بلکہ مغرب اور آذربائجان تھا اور نہ صرف پارسیوں کی روایت ہی بلکہ خود اوستا بھی تسلیم

کیونکہ تیسرا خیال کہ اوستا میں جو مقامات درج ہیں وہ صرف مشرق میں واقع ہیں غلط ہے، مشرقی کے علاوہ شمالی اور مغربی بلاد کا بھی اُس میں ذکر ہے۔ "وینددیداد" کا پہلا باب دیکھو اس میں ایران کے اول حصوں کے نام آئے ہیں جن سے مصنفین "وینددیداد" واقف تھے۔ پہلا نام 'ایران ویج' ہے جس کے کناروں سے دائیتہ جی ٹکراتی تھی (باب اول - ۳) اور ایران ویج آذربائیجان کی سرحد پر ہے' اور دائیتہ وہی ندی ہے جس کا دوسرا نام 'ارکسیز'* (قزل ارباق) ہے اسی طرح اوستا شمالی ایران سے بھی واقف ہے کیونکہ اُس میں 'رھے گے' جو یونانیوں کی زبان پر 'راگائے' بنا اور آج کل رے کہلاتا ہے خطۂ میڈیا میں بیان کیا گیا ہے —

---

* یہ راے عام طور پر مسلم نہیں مثلاً گائیگر ایریانہ ویجوہ یا ایران ویج کو سلسلہ پامیر میں بتاتا ہے' گائیگر کے مطابق ویندیداد کے پہلے باب میں جو کچھہ معلومات قلمبند ہیں اُس کے لحاظ سے اوستا کا انتہائی مغربی علاقہ دھرکانہ (ھرکینہ موجودہ گرگان یا جرجان) تھہرتا ہے اور رنگہ (راگاے یا رے نزد طھران موجودہ پاے تخت) اور 'ورنہ' (چوگوشہ) کو گائیگر مشرقی حصہ مازندران میں بتاتا ہے —

ڈارمشٹیٹر نے اس ثبوت میں کہ اوستا کی زبان وہی ہے جو میڈیا کی زبان تھی لسانیات کی ایک شہادت بھی پیش کی ہے کہ فارسیء حال کا لفظ "سگ" (کتا) دلالت * کرتا ہے کہ فارسیء قدیم میں اس کی صورت "سکہ" ہوگی (گو قدیم زبان کی مرقومات میں اس لفظ کا کہیں نشان نہیں ملتا) - مگر اُس مواد کی جس پر ہماری معلومات زبان قدیم کا دار و مدار ہے، مقدار ہی کیا ہے - بخلاف اس کے ہروڈوٹس کہتا ہے (اول - ۱۱۰) کہ میڈیا کی زبان میں کتے کا نام "سپاکا" تھا جو زیادہ تر اوستا کے لفظ "سپن" (سنسکرت "سون" یونانی کیوآں) سے ملتا ہے اور تعجب کی بات ہے کہ یہی لفظ بصورت "اِسپہ" بعض ایرانی مثلاً "قوھرود" (نزد کاشان اور نطنز کی بولیوں میں ابتک موجود ہے † - جرنل ایشیاٹک ‡ میں کلیمان ہوار کے متعدد دلچسپ مضامین نکلے - ان کا موضوع ایرانی بولیاں تھا مثلاً یزد و سیوند کی بولی اور اُس عجیب و خاص کتاب کی زبان جس کا نام

---

* مذکورالصدر کتاب ڈارمشٹیٹر صفحہ ۱۳—

† دیکھو ہماری کتاب "ایرانیوں میں ایک سال" صفحہ ۱۸۹ اور پولک کی کتاب "پرشین" جلد اول صفحہ ۲۶۵—

‡ جرنل ایشیاٹک بابت سنہ ۱۸۸۵ جلد ششم صفحہ ۵۰۲ - ۵۴۵ "رباعیات بابا طاہر" ایضاً بابت ۱۸۸۸ع جلد یازدہم صفحہ ۲۹۸ - ۳۰۲ نوٹ "یزد کی دری" ایضاً بابت ۱۸۸۹ جلد چہاردہم صفحہ ۲۳۸ - ۲۷۰ "اسلامی پہلوی" ایضاً بابت ۱۸۹۳ جلد اول ۲۴۱ - ۲۶۵ "سیوند کی بولی"—

هورت اور دار مستیٹر کی تائید

جاودان کبیر ہے اور جو پندرھویں صدی کے بدعت طراز فرقہ صروفی * کا صحیفہ ہے ' ان مضامین میں هوار نے خاص جدت دکھائی ہے اور دار مستیٹر کی راے کو بڑی تقویت بخشی ہے - اس نے تمام تر کوشش اِس امر کے ثابت کرنے پر صرف کردی ہے کہ متعدد زبانیں جو اس وقت ایران کے دور اورکوهستانی اضلاع بالخصوص مغرب یعنی میڈیا میں بولی جاتی ہیں وہ نسلاً اوستا کی اولاد ہیں ' اور وہ ان کا نام ' جدید میڈوی ' یا ' اسلامی پہلوی ' † تجویز کرتا ہے - اُس کی بحث یہ ہے کہ دیگر اختلافات سے قطع نظر اوستا کی زبان میں جس فعل کے معنی ' کرنا ' بنانا ہیں اُس کے ساتھ مادہ ' کر ' ہر صیغے میں لگا رہتا ہے ؛ حالانکہ فارسی قدیم میں (جدید میں بھی) اس فعل کے مضارع اور امر کے صیغوں میں کُن آتا ہے - دوسرے جس مادے کے معنی بولنا ' کہنا ہیں وہ اوستا میں ' اوج ' وچ ' ہے اور فارسیء قدیم میں 'گوب' ہے - اچھا اب فارسیء جدید میں (جیسے ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ وہ براہ راست فارسیء قدیم کی نسل سے ہے) کردن (صیغۂ امر کن) کرنا کے لئے

---

* رائل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل بابت ۱۸۹۸ نمبر جنوری صفحہ ۶۱ تا ۹۴ میں ہمارا مضمون ''ادبیات و اصول فرقہ صروفی''۔

† فی الحقیقت یہ زبانیں عموماً آج کل کیا چودھویں صدی کے ایرانیوں میں بھی پہلوی کے لقب سے مشہور تھیں - مثلاً حمداللہ مستوفی قزوینی نے بھی انکو پہلوی لکھا ہے - مقابلہ کرو پولک کے مقام مذکور سے ---

آتا ھے اور گفتن (صیغۂ امر گو' گوے) کہنا کے لئے- بر خلاف اس کے اول زبانوں میں جن کا مجموعی نام ھوار نے 'جدید میڈوی' رکھا ھے مادہ ' کر ' ھر ایک صیغہ میں باقی رھتا ھے (چنانچہ اس کا مضارع بجاے ' کنم ' کے ' کرم ' آتا ھے علیٰ ھذا) اور بولی یا بولنا کے لئے جو الفاظ مستعمل ھیں وہ مادہ ' واج یا اِس ھی قسم کے لفظ سے مشتق ھیں جو اوستا کے ' اوج وچ ' کے مطابق ھے- یہ معیار جس کے ذریعہ ھوار کسی ایک زیر بحث بولی کو میڈوی یا پرشین (ایرانی) قرار دیتا ھے ' اس دقیق خیال کے رو سے گویا اوستا کی زبان ایران میں آج تک موجود ھے اور اس کی قائم مقام وہ متعدد بولیاں ھیں جن میں بابا طاھر کی رباعیات (شروع گیارھویں صدی) اور جاویدان کبیر (پندرھویں صدی) لکھی گئی ھے اور جو فی زماننا قوھرود اور سیونڈ کے علاقوں اور یزد و کرمان کے زرتشتیوں میں بولی جاتی ھیں - یہ نکتہ بھی بیان کے قابل ھے کہ بریزین * کی تحقیق کے مطابق ' قالش ' بولی میں ' من ' کے لئے ' از ' آتا ھے جو بظاھر اوستا کے ' ازم ' (فارسی قدیم میں ' ادم ') کا بقیہ ھے- جو زبانیں کہ اس وقت تک ایران کے مختلف اطراف و جوانب میں رائج ھیں ان کا کیا حقہ حال (باوجودیکہ ژکووسکی †

---

* " ایرانی بولیوں کی تحقیقات " (قازان ' ۱۸۵۳ صفحہ ۳۱ وغیرہ) —

† " سواد (گاشان ' وانی شون ' قوھرود ' کش اور ظیفر کی بولیاں) سینٹ پیٹرز برگ ۱۸۸۸ —

نے کمال جانفشانی سے بیش بہا مواد جمع کیا اور جزوی طور پر اس کو شائع بھی کرادیا ہے) ابھی تک پس پردہ ہے ' تاہم امید کرسکتے ہیں کہ اہل فن کی تدقیق و کاوش اس مسئلہ پر ضرور روشنی ڈالیگی - ڈارمشٹیٹر اپنی ایک دوسری کتاب (" مشہور افغانی گیت " صفحات مقدمہ ۶۲--۶۵) میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ زبان اوستا کی باقی ماندہ شاخوں میں سے افغانستان کی زبان پشتو یا پختو خاص شاخ ہے ' مگر بظاہر یہ قیاس اس کے پہلے قیاس کی تکذیب کرتا ہے جس کو وہ اپنی تصنیف " ابحاث ایرانیہ " میں قائم کرچکا ہے ' گو یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں قیاسات بجائے خلاف ہونے کے ایک دوسرے کے مؤید ہوں ' پھر ہم کو یہ کہنا پڑے گا کہ ---

(۱) زر تشت میڈوی قوم کے مجوسی (مگوش) تھے اور وہ اپنی تعلیمات کو شمال مغرب بعید یعنی آذر بائجان سے شمال مشرق بعید یعنی باختر لے گئے جہاں انہوں نے سب سے اول شاہ گشتاسپ کو رام کیا ---

(۲) آذربائجان اور باختر بلکہ پورے شمالی ایران میں جتنی زبانیں بولی جاتی تھیں وہ ایک دوسرے سے انتہا درجہ مشابہ تھیں اور جیسا کہ ڈے ھارلے نے اشارہ کیا ہے ---

(۳) اوستا میں گاتھا کی بولی باختر کی بولی کا نمونہ ہے اور وبندیداد میں عام اوستائی زبان آذربائجان کی بول چال کی یادگار ہے ' تاہم یہ باتیں سب خیالی تکے ہیں اور سرتاسر میں ایک خوشنما قیاس سے زیادہ نہیں ---

قدیم ایران کا مذہب اور زوراسٹر

میڈوی زبان کی ترکیب غلطی اور ناسمی نے ہم کو الجھنوں میں [illegible] ہنوز غیر کے شکوک میڈوی مذہب کی [illegible] خص میں پاؤں کے چھالے بنے ہوئے ہیں اور قطع مسافت میں قدم قدم پر گرائے دیتے ہیں حتیٰ کہ آج تک یہ بھی نہ معلوم ہوسکا کہ دور (ہندا منشی کے لوگ جو میڈیوں کے جانشین ہوئے تھے زرتشت کے بتائے ہوئے طریق پر خدا کا نام لیتے تھے یا ان کا قبلہ کوئی اور تھا - خود زرتشت کی نسبت کہ وہ کون تھے ' کہاں سے آئے تھے اور اُن کا زمانہ کیا تھا رائے کے خلاف رائے موجود ہے- بعض کو ان کے تاریخی وجود ہی سے انکار ہے' بعض کو ان کی شخصیت اور وجود گاتھا میں صاف نظر آتا ہے اور وہ یقین کرتے ہیں کہ گاتھا کے احکام میں خود ان کے الفاظ نہیں تو کم از کم ان کے قریبی جانشینوں کے الفاظ ضرور موجود ہیں- ایک گروہ اس کے زمانے کو زمانہ وید بتاتا اور ۱۸سوسے ۲ ہزاربلکہ ۶ ہزار قبل مسیح پیچھے لے جاتا ہے اور دوسرا گروہ مسیح سے سات سو برس قبل کا زمانہ معین کرتا ہے' بعض ان کی جائے پیدائش جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے باختر قرار دیتے ہیں اور بعض آذر بائیجان- یہی حال ان کے نام پر مٹنے والوں کی روحانی کتاب اوستا کا ہے جس کے کم از کم ایک حصے کو ڈار مشتیٹر نے اپنے " ترجمہ جدید"["سرمایہ تاریخ" گیمے میوزم جلد ۲۱-۲۴ پیرس ۱۸۹۲-۱۸۹۳] میں بڑی کد وکاوش کے بعد قدیم الایام سے کھینچ کر مسیحی صدیوں میں لا ڈالا ہے - کچھ خیالات ہی کا یہ حال نہیں کہ ان میں آراء کی گونا گوں موجیں اٹھتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں'

تعصب نے اوستا کو بھی سب تھا دیا ہے - بلکہ هالیوی کا (جو اپنے
امید کرسکتے ہیں اور سیاحت عالم میں مرد ثابت ہوچکے ہیں)
ضرور ہے اس نے راقم الحروف سے ایک گفتگو میں بیان کیا کہ
نسلی مناقشوں اور قومی عداوتوں نے سائنس کی خاموش مملکت
پرپرورش کرتی ہے میں اور وہ ساتھ تھے اور دونوں دارمشتیٹر
کی کتاب بالا پر جو اوس ہی زمانہ میں چھپکر شائع ہوئی تھی
بحث کر رہے تھے کہ میں نے بصد استعجاب کہا دار مشتیٹر نے
ستم کیا ہے کہ وہ اوستا کو اس قدر قریب زمانہ کا بتاتا ہے۔
کیا وہ ان کاملین فن کے پاس جو اس کو نہایت ہی قدیم عہد کی
تصنیف سمجھتے ہیں اوستا کی قدامت پرکوئی دلیل نہیں۔
"دلیلیں تو کافی ہیں" هالیوی نے جواب دیا "کیا ان کی نفرت جو
اُن کو سامی قوموں کے ساتھ ہے کچھ کم دلیل ہے اور کیا ان کی
نخوت جوان کو اپنے آرین نسل ہونے پرہے کچھ بودی وجہ ہے
یہ ان کی نفرت نہیں تو کیا ہے کہ وہ آرین قوم کے مقابلے میں
یہودیوں کی نہ تو قدامت کو گوارا کر تے ہیں اور نہ ان کی
برتری و افضلیت کو -- وہ حضرت موسی (ع) کوگھٹا کر زرتشت
کو بڑھانا چاهتے ہیں اور جہان وہ ایک هاتھ سے توریت کو زمین
پر پھینکنے کی کوشش کررہے ہیں وهاں دوسرے هاتھ سے
اوستا کو آسمان کی طرف اٹھارہے ہیں" - نہایت افسوس کا
مقام ہے اگر یہ سچ ہے تو گویا وہی مذموم نسلی تعصب جو هزارها
جرائم کا ذمہ دار رہ چکا ہے علوم کے پاک مطلع کو بھی ناپاک کرنے
لگا ہے ، جہاں نفسا نفسی کا کوئی دخل نہیں ہونا چاہئے —
خیر زرتشت اور اُن کے قوانین الہامی پر کونا گوں

خیالات کا طومار بندھا ہوا ہے جو ہماری بحث سے خارج ہے کیونکہ ہمارا مقصود نظر دور اسلامی کی علمی اور ذہنی ترقیاں ہیں اور یہ میدان اس درجہ وسیع اور ہنوز غیر متحقق ہے کہ ایک نہایت اولوالعزم اور نہایت محنتی شخص کی تسکین ہوس کے لئے کافی ہے - نیز یہ دور بہ نسبت قدیم کے اس لحاظ سے قابل ترجیح بھی ہے کہ اس کے حالات معلوم ہیں- اس کی تاریخیں ایسی نہیں کہ ان میں صدیوں کا اختلاف ہو اور نہ اس کے مناظر ایسے کہ ابھی باختر میں تھے کہ دفعتاً آذر بائیجان میں نظر آنے لگے - تاہم بے انتہا واجب‌التعظیم ہیں وہ لوگ جو قدیم ویرانوں میں سرگردانی کر رہے ہیں' کہ اپنی جانکاہ محنتوں اور بے نظیر ذہانتوں سے افسانوں سے تاریخ اور انتشار و ابتری سے نظام پیدا کر رہے ہیں - ہمیں چاہئیے کہ ان محققین میں سے ایک آدہ کو انتخاب کر کے اپنا رہنما بنائیں تا کہ وہ ہم کو قدیم عہد اور اُس داستان پاستان کا حال سناتا رہے جس کے معلوم کرنے کو ہمارا جی تو بہت چاہتا ہے لیکن جو ہمارے دائرۂ مقصد سے خارج ہے - رہنماؤں میں سب سے زیادہ معقول اور سب سے زیادہ ہوشیار "اے - وی - ویلز جیک سن" پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی ہے - جیکسن وہ فضل و تجربہ رکھتا ہے جو جرمنوں کا خاصہ ہے' وہ صفائی استدلال جو فرانسیسی علوم کی ادائے دلربا ہے اور وہ انصاف پسندی و قوت فیصلہ جو اینگلو سیکسن قوم کا مایۂ ناز ہے - اس کے بلند پایہ مضامین امریکن اورینٹل سوسائٹی کی روئداد اور امریکہ کے رسالۂ لسانیات وغیرہ

میں شائع ہوے ہیں جن میں اس نے متذکرۂ بالا مشکل مسائل اور ملت زرتشت کی تاریخ و عقائد سے بڑی کامیاب بحث کی ہے اور بالآخر اس نے ایک فاضلانہ اور قابل دید کتاب موسوم "قدیم ایران کا پیغمبر زوراسٹر" (مطبوعہ نیویارک سنہ ۱۸۹۹ع) میں اپنے خیالات کا خلاصد لکھہ دیا ہے اور اهم نتائج جو اُس نے استخراج کئے ہیں یہ ہیں:--

پروفیسر جیکسن کے نتائج

(۱) زرتشت واقعی تاریخی انسان اور فرقۂ مجوس میں سے میڈوی قوم کے ایک فرد تھے--

(۲) اُن کا زمانہ حضرت مسیح سے تقریباً ساڑھے چھہ سو سال پہلے کا تھا یعنے اُس وقت میڈیا کی سلطنت قائم تھی اور هخامنشی خاندان کا وجود نہ ہوا تھا - ستتر برس کی عمر کو پہونچ کر تقریباً سنہ ۵۸۳ قم میں وفات پائی--

(۳) اُن کا وطن تو مغربی ایران (آذر بائجان یا میڈیا) تھا لیکن پہلی اور عظیم‌الشان کامیابی ان کو باختر (بلخ) میں ہوئی جہاں انھوں نے شاہ وشتاسپہ (گشتاسپ) کو اپنے حلقہ میں داخل کیا--

(۴) 'گاتھا' جو مسلم طور پر اوستا کا سب سے پرانا حصہ ہے اُن کی بلندی

تعلیم و تلقین کی اهم باتوں پر شامل هے۔

(٥) باختر سے اُن کا مذهب به سرعت تمام سارے ایران میں پهیل گیا اور بعد کے هنحا منشی اورنگ نشپنوں کے عهد میں خطهٔ فارس میں بڑا زور پکڑ گیا تها - لیکن ٹهیک پته نهیں چلتا که اُس کا قدم فارس میں کب آیا اور وهاں کے مالکان تاج و تخت اور رعایا کو اپنا کلمه گو کب بنایا ــ

هر چند که یه استدلالات هر ایک محقق کے نزدیک مسلم نهیں مگر راقم کی راے میں شهادت زیادہ تر ان هی کی جانب مائل هے، بالخصوص فتوحات اسلامی کے بعد هی جو روایات که ملک میں پهیلی هوئی تهیں اور جن کا ماخذ دور ساسان کی روایات تها ان استدلالات کی حامی اور مصدق هیں ــ

استدلالات بالا کہاںتک معقول هیں

اس مقام پر اِتنا لکھدینے میں کوئی هرج نهیں معلوم هوتا که جس اسکول سے جیکسن کا تعلق هے چونکه وہ اس امر کا عادی نهیں که قطع و برید کے بعد واقعات کو بیان کرے اس لئے به گمان ظاهر یه غالب نهیں که اس اسکول کے حامی زوراستر کے زمانے کو غایت درجه قریب کا زمانه تجویز کریں۔ رها یه پهلو که اُن کا مذهب میڈیا کنی خاک سے پیدا هوا اس کی بابت گائیگر کو دار مشٹیٹر اور جیکسن سے اتفاق راے هے که اگرچه اوستا کی زبان شمال و مشرق ایران یعنے باختر کی زبان هے لیکن جیسا

کہ ھر ایک پارسی روایت سے ثابت ھے باختر میں اُس کے اصول و عقاید میڈیا سے آئے اور اُن کے لانے والے آتھروں یا (آذربان) آتش پرست پجاری تھے جو بلا اختلاف شمال و مشرق کے صحرا نورد مبلغان مذھب بیان کئے جاتے ھیں مگر جن کا وطن رے اور میڈیا کہا جاتا ھے - اس مسئلے کے سلسلے میں ڈارمشٹیٹر* ایک پر لطف نکتہ کی طرف متوجہ کرتا ھے کہ لفظ ' موغو '

اوستا میں لفظ مجوسی کا معنی خیز استعمال

کو دیکھو (جس سے مجوسی سے نکلا ھے)کہ یہ اوستا (ملسنا ۴۴-۲۵) میں صرف ایک مقام پر آیا ھے اور وہ بھی مرکب یعنی ' موغوط بش ' کی صورت میں جس کے معنی " مجوسیوں سے نفرت کرنے والا یا ان کا ستانے والا " ھے - اس سے یہ پتہ چلتا ھے کہ ایران خاص کے باشندے ان لوگوں کے خون کے پیاسے اس لئے نہ تھے کہ وہ آتھروں یعنی تعلیم زرتشت کے منادی کرنے والے تھے بلکہ اُن سے اس لئے خار کھائے ھوے تھے کہ وہ میڈوی قوم کے مجوسی تھے جن کی حکومت کے کھنڈروں پر اھل فارس کی حکومت قائم ھوئی اور جن کے علم بغاوت نے ابتدائی ھخامنشی دور میں اھل فارس کا ناک میں دم کردیا تھا' خصوصاً مجوسی (مغوش) گوماتہ کے انحراف نے جو اپنے آپ کو سائرس کا بیٹا بردیہ (سمرتیز) مشہور کرکے تخت ایران کا دعویدار بن بیٹھا تھا اور جس کو خود دارا نے اپنے ھاتھ سے قتل کیا تھا ؛ یہ واقعہ

---

* دیکھو مشرق کی کتب مقدسہ میں اوستا کا ترجمہ جلداول صفحات مقدمہ ۵۱ تا ۵۲ ' (اوکسفورڈ ۱۸۸۰ع)

✓ فرضی سمرڈیز

دارا بادشاہ نے بے ستون پر کندہ کرایا جس کے الفاظ یہ ہیں:—

" کہتا ہے بادشاہ دارا کہ اس کے بعد ایک شخص ہوا، مجوسی گو ماتہ نامی، وہ "پی‌سی آوادا سے" اُٹھا جو وہاں کے ایک پہاڑ سے ہے

کتبۂ دارا کا حوالہ

جو آرکدرس کہلاتا ہے۔ ویخنہ کا مہینہ تھا اور چودھویں تاریخ، تب وہ اُٹھا۔ اُس نے لوگوں کو بہکانا شروع کیا کہ میں، بردیہ ہوں سائرس (کورو) کا بیٹا اور 'کم بی سیز' (کمبوجیہ) کا بھائی۔ اُس پر لوگوں نے 'کم بی سیز' کے خلاف بغاوت کی، فارس اور میڈیا، اور ہر ایک صوبے کے باشندے اُس کے پاس جمع ہوگئے۔ اُس نے تخت چھین لیا: یہ ماہ گرم پدا کا نواں دن تھا جب کہ اُس نے تخت چھینا، اس پر کم بی سیز نے خود کشی کرکے اپنا کام تمام کرلیا—

کہتا ہے بادشاہ دارا کہ یہ تخت جو گوماتہ نے کم بی سیز سے لے لیا تھا یہ تخت قدیم سے ہمارے خاندان میں چلا آتا تھا۔ پس گوماتہ مجوسی نے کم بی سیز سے فارس، اور میڈیا اور دیگر صوبے لے لئے۔ ان کو اُس نے غصب کر لیا اور بادشاہ

بن بیٹھا —

کہتا ہے بادشاہ دارا کہ نہ تو فارس میں نہ میڈیا اور نہ ہمارے خاندان میں کوئی ایسا شخص تھا جو گوماتہ مجوسی سے تخت کو بہ زور شمشیر واپس لے سکتا : لوگ اُس سے ڈرتے تھے کیوں کہ اُس نے بہت سے لوگوں کو جو اُس کو پہلے سے جانتے تھے قتل کردیا تھا ، قتل کا سبب یہ تھا کہ کہیں وہ اُس کو پہچان نہ لیں کہ وہ سائرس کا بیٹا بردیا نہیں ہے - اس گوماتہ مجوسی کی نسبت کوئی شخص ایک حرف منہ سے نہیں نکال سکتا تھا یہاں تک کہ میں کھڑا ہوا - پھر میں نے 'اہورمزد' سے استعانت چاہی- اہورمزد نے میری مدد کی : باگہ یادش ' مہینہ کی دسویں دن میں نے چند آدمیوں کو لے کر گوماتہ مجوسی اور اُس کی جان نثاروں کو تہ تیغ کردیا - میڈیا میں ایک قلعہ ہے سیکھتووش نام ' نسایہ کے اضلاع میں : یہیں میں نے اُس کو قتل کیا : میں نے بادشاہت کو اُس سے واپس لے لیا اور اہرمزد کے فضل سے میں بادشاہ بن گیا ؛ اہر مزد نے مجھ کو بادشاہت عطا کی —

کہتا ہے بادشاہ دارا جو سلطنت کہ

ھمارے خاندان سے نکل گئی تھی اُس کو میں
نے واپس لےلیا، اس کو اُس کی جگہ قائم کیا
اورجیسی تھی ویساھی کردیا: عبادت گاھیں
جن کو گوماتہ مجوسی نے تاراج کیا تھا
انہیں میں نے لوگوں کو دوبارہ سپرد کیا،
بازار، مویشیوں کےگلے اور مکانات جو گوماتہ
مجوسی نے چھین لئے تھے وہ قبائل وار
اُن کے مالکوں کو واپس پہنچائے - میں نے
باشندوںکو اُن کے سابق وطنوں میں آباد کیا،
یعنی فارس میڈیا اور دیگر صوبوں میں-اِسی
طرح میں نے ھر شے کو جو غصب کرلی گئی
تھی ، اُس کی جگہ پر پہلی حالت میں
پہنچایا - اھورمزد کے فضل سے میں نے یہ
کام انجام دیا ، میں اس وقت تک جد وجہد
کرتا رھا جب تک کہ میں نے اپنی قوم کو
اس کی گزشتہ عظمت پر نہ پہنچا دیا -
پس اھورمزد کے فضل سے میں نے قوم کو اُس
کی سابق حالت پر پہنچایا جب کہ گوماتہ
مجوسی نے ابھی اس کو ھڑپ نہ کیا تھا -
کہتاھے بادشاہ دارا یہ ھے جو کچھ کہ میں
نے کیا جب کہ میں بادشاہ ھوا —

اھل میڈیا اور ایرانیوں کی پولیٹکل خصومت کی صرف
یہی مثال نہیں تو (۹) مدعیان تخت میں سے جن کو دارانے ۱۹

لڑائیوں میں شکست دیکر اسیر کیا گوماتہ مجوسی پہلا مدعی

مدعیان دیگر

تھا مگر اکیلا یہی نہ تھا - فراورتیش نے بھی اہل میڈیا کو جنگ و سرکشی پر ابھارا مگر رے میں پکڑا گیا اور قطع اعضا کے بعد ھمدان میں جو میڈیا کا قدیم پایۂ تخت تھا صلیب پر چڑھا دیا گیا ' فراورتیش کا دعوی تھا کہ میں ھووخشترہ [جسکو ھرودوٹس نے سیاکریس اور میڈیا کا تیسرا فرمانروا لکھا ھے] کی نسل سے ھوں 'اسی طرح چترتخمہ نے سکوبتا میں سر کشی کا جھنڈا بلند کیا مگر گرفتار ھوا اور اربیل [اربیرہ] میں صلیب پرجان دی - ھم اس سے انکار نہیں کرتے کہ سپہ سالاران افواج میڈیا نے دارا کے میدان لڑے اور نمک حلالی کا ثبوت دیا' تاھم یہ ماننا پڑتا ھے کہ اس زمانے میں اھالیان میڈیا و ایران کے درمیان کچھہ ایسی ھی پرخاش تھی جو ایڈورڈ بادشاھوں کے عہد حکومت میں انگریزوں اور اسکاٹ لینڈ کے باشندوں کے مابین تھی - گو قومیت اور زبان کے اعتبار سے یہ دونوں ایک تھے اور غالباً مذھب بھی ایک تھا لیکن دلوں کا سیاسی بیر اوس زمانے میں تاریخی انقلاب کا باعث اعظم ھوا' اور ڈارمشٹیٹر کی رائے کے مطابق جنوب ایران کے ایرانی جہاں اھل میڈیا کو بحیثیت پجاریوں کے ادب و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے بلکہ مذھبی رسوم کو ٹھیک طور پر ادا کرنے میں اُن کا وجود ناگزیر سمجھتے تھے وھاں ان کے خلاف نفرت و خصومت بھی اسی قدر شدید رکھتے تھے —

بیدی دور سے قبل کے تاریخی حالات ملتے ہیں

بیان کرچکے ہیں کہ ہمارا اصل موضوع ایران میں اسلامی دور کی علمی اور ذہنی ترقیات یا بالفاظ دیگر علم و ادب کی وہ تاریخ ہے جو گزشتہ ایک ہزار سال پر مشتمل ہے اور اس سے قبل کے صرف وہ حوالجات جو تصریح موضوع کے لئے ضروری ہوں - لہذا جن ازمنۂ سابقہ پر ہم یہاں بحث کر رہے ہیں ان کی تفصیل دور از محل ہوگی - اِس باب میں ہم کو دولت میڈیا کے آغاز [سنہ ۷۰۰ ق م] تک جانا پڑا ہے جہاں سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایران کا تاریخی دور شروع ہوتا ہے لیکن اس کا امکان ہے کہ قدامت کی تاریکیوں میں اس سے بھی پہلے زمانے کے حالات معلوم کئے جاسکیں - جیسا کہ اسپی گل نے اپنی نایاب کتاب " ایران قدیم کے حالات " [سہ جلد مطبوعہ لیپزگ سنہ ۱۸۷۱-۱۸۷۸ع] میں کئے ہیں - اس متنازعہ فیہ مسئلہ کو ایک طرف ڈالدیں کہ آرین ایک اصلی قوم تھی اور وہ اپنے عام مرکز سے بکھر کر ادھر اُدھر پھیل گئی' اور پھر دیکھیں تو کم از کم اتنا وثوق کے ساتھہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں ایرانی اور ہندی دونوں ایک متحدہ قوم تھے اور پنجاب کے کسی حصے میں آباد تھے - اِن کی علیحدگی اور انتشار کے اسباب پر میکس ملر* نے جو قیاس کمال جدت کے ساتھہ پیش کیا تھا وہ ہمارے خیال میں عام طور پر مسترد کردیا گیا ہے لیکن یہ قیاس اس درجہ دلکش ہے کہ یہاں اس کو قلم انداز کرنا ستم ہے-

* دیکھو منتخب مضامین از میکس ملر' جلد دوم صفحہ ۱۲۳-۱۳۴ لندن (۱۸۸۱ع)

میکس ملر کا قیاس

مختصراً میکس ملر کا قیاس وید اور اوستا کی چند مذہبی اصطلاحات پر دار و مدار رکھتا ھے یہ اصطلاحیں اگرچہ اشتقاق کے لحاظ سے ایک ھیں لیکن معانی کے لحاظ سے ان میں زمین آسمان کا فرق ھے - سنسکرت میں لفظ "دیو" (منور) کے معنی دیتا ھے اور "دیوان ذکوز" یا "ھستیان منور" ھندوؤں کے دیوتا ھیں- برخلاف اس کے اوستا میں "دیوا" فارسیء جدید میں 'دیو' کے معنی شیاطین کے آئے ھیں' چنانچہ جب ایک پارسی اقرار ایمان کرتا ھے تو کہتا ھے کہ "میں دیووں کی پرستش ترک کرتا ھوں"؛ وہ ان دیووں یا ھندو دیوتاؤں کو خیرباد کہتا ھے اور ھرمزد کا بندہ بن جاتا ھے - فن اصوات کی تحقیق یہ ھے کہ فارسی کی 'ہ' سنسکرت کا 'س' ھے' (مثلاً ایرانی جس کو ھند کہتے تھے وہ سنسکرت کا سندھ ھے اور یہی حصۂ ملک تھا جس سے قدرتی طور پر ایرانی خوب واقف تھے) پس اوستا کا "اھورہ" سنسکرت کا "اسورہ" ھے جس کے سنسکرتی معنی ارواح خبیثہ ھیں- صرف ان دو چھوٹے چھوٹے لفظوں سے میکس ملر نے زرتشت کی ایک زندہ تصویر کھڑی کردی کہ وہ مصلح تھا' پیغمبر تھا اور جب کہ ھنوز ایرانی اور ھندو دو حصوں میں تقسیم ھو کر منتشر نہ ھوے تھے تو وہ مبعوث ھو چکا تھا' نیز اس نے کثرت و اشیا پرستی کی مبتذل حالت کے خلاف' جس نے رفتہ رفتہ قدیم و پاکیزہ تر خیالات کی جگہ لے لی تھی' صدا بلند کی - غرض مخالفت میں آکر زوراستر نے ھندو دیوتاؤں کو جنھیں وہ ستانا چاھتا تھا'

اپنے نظام مذہب کا شیاطین بنا ڈالا اور بالآخر کسی قدیم سن (ہجرہ) میں "سخت گردن پرستاران دیواں" سے جدا ہوا اوراپنے متبعین جان نثار کو ہمراہ لے کر مغربی اضلاع میں آنکلا جن کا نام ہم نے ایران رکھہ لیا ہے اور یہیں بود و باش اختیار کرلی - یاد رکھنا چاہئے کہ اس قیاس کا بہت کچھہ انحصار اس خیال پر ہے کہ زوراستر کا وطن باختر میں ہے اور یہ خیال وہ ہے جو ویندیداد کے فروگرد اول پر قائم کیا گیا تھا اور عرصۂ دراز تک خاص کر جرمنی میں مسلط رہا —

اوستا کی تالیف و ترتیب کے متعلق بعض حالات ہم کسی اور مقام پر بیان کریں گے - اس موقع پر یہ بیان کرنا کافی ہوگا کہ "ویندیداد" اوستا کا وہ حصہ ہے جس میں احکام شریعت اور مذہبی روایات درج ہیں' یہ حصہ توریت کے پہلے پانچ حصوں کے مثل اور ۲۲ فروگرد یا بابوں پر مشتمل ہے - پہلا باب اہرمزد کی مخلوقات اور انگراميینیو (اہرمن - شیطان) کی مخالف مخلوقات سے بحث کرتا ہے اور مندرجۂ ذیل ۱۶ ممالک کا حال بتلاتا ہے جن کو اہرمزد نے پیدا کیا ہے :-

(۱) "ایریئنیہ ویجو' نزد با برکت دریاے دائیتا" (اس کا ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ کہاں ہے تاہم اس حصے کو دور ساسان کا دریاے ارک زیز یعنی موجودہ آذر بائیجان شناخت کیا جاتا ہے)—

(۲) "سغدہ" (سغدیانہ' سغد) —

(۳) "مورو" (مرجیانہ' مرو) —

(۴) "باخدی" (باختر' بلخ) —

(۵) ''قسایه'' (پارتھیه کا دارالحکومت یعنی موجوده نسا واقع خراسان جو سرخس سے ۲ اور مرو سے ۵ دن کی مسافت ھے)۔

(۶) ''هرویو'' (هرات)۔

(۷) ''وے کرتیه'' (پہلوی شرح میں اس نام کو کابل شناخت کیا گیا ھے)۔

(۸) ''اُروا'' (کہتے ھیں کہ طوس کا نام تھا)۔

(۹) ''ویہرکانه'' (موجوده گرگان یا جرجان)۔

(۱۰) ''هره وائتی'' (اراخوتوس) اور

(۱۱) ''ھے تومنت'' (دونوں دریاے هیلمند کے قرب و جوار میں ھیں)۔

(۱۲) ''رگه'' (رے موجوده پایه تخت طہران کے قریب)

(۱۳) ''چخره'' (غالباً ابن خوردادبه* کا شرغ یا جرغ ھو' بخارا سے چار فرسنگ پر ھے)۔

(۱۴) ''چوگوشه وریشه'' (غالباً البرز کے گرد و نواح سے مراد ھے)۔

(۱۵) ''هپت هیندو'' یا هفت دریا (پنجاب)۔

(۱۶) ''وه حصه جو دریاے رنھه کی طغیانیوں کے نزدیک ھے اور جہاں کے باشندے بے سردار کے زندگی بسر کرتے ھیں''۔

---

* مرتبه دے خویه (جلد ششم جغرافیات عرب) صفحه ۲۵ اور ۲۰۳۔

گائیگر اور دیگر محققین خیال کرتے ہیں کہ یہ فہرست مقامات قدیم ایرانیوں کا سفر نامہ ہے گویا جب وہ ابتداءً ہند - ایرانی گروہ سے ' جن کا وطن پامیر کا علاقہ تھا ' جدا ہوے اور ایران میں داخل ہوے تو انہوں نے اُن اُن مقامات میں نقل مکان کیا - تارکان وطن کی پہلی جماعت مغرب کی جانب سغد ' مرو ' بلخ ' نسا اور ہرات میں پھیل گئی ؛ دوسری جماعت نے جنوب اور جنوب. مغرب میں پنجاب ' کابل اور اضلاع ہلمند کا رخ کیا ' جو ذرا دلیر تھے وہ مغرب کی طرف بڑھتے چلے اور 'جرجان ' و ' رے ' میں آباد ہوگئے - لیکن یہ ترتیب مقامات چوں کہ اپنے ساتھ جغرافیائی ثبوت نہیں رکھتی اس لئے وثوق کے لائق نہیں ہے - بظاہر اس کا امکان ہے کہ یہ فہرست مقامات ایرانیوں کے ملکی فتوحات نامہ کی بجاے مذہبی اشاعت نامہ ہو اور اگر ' ایریانہ و یجو ' زیادہ یقینی طور پر ' آذربایجان ' کا قدیم نام ثابت ہوجاے تو ہمارے اس خیال کو نہایت تقویت پہنچ جاے گی اور جس نظریہ کو ہم قرین قیاس کہہ چکے ہیں اُس کے صحیح ہونے میں کوئی حجت باقی نہیں رہے گی ' یعنی یہ کہ دین زرتشت کا اصلی جنم بھوم شمال مغرب بعید ہے اور اس کی اشاعت کا سب سے پہلا مقام شمال مشرق بعید - تاریخ شاہد ہے کہ اکثر بانیان مذہب کو اپنے وطنوں میں کامیابی نصیب نہیں ہوئی - اگر مزید ثبوت کی ضرورت ہو تو اسلام کی تاریخ دیکھئے ' گویا بلخ ' زرتشتی مذہب کے لئے مدینہ کا درجہ رکھتا تھا —

آسوری اثرات | ہند-ایرانی اور قدیم ایرانی دوروں کے بعد ایران پر اثر ڈالنے والا ایک اور زمانہ ہے جسکو محقق اشپیگل * نے کمال دقیقہ سنجی سے دریافت کیا ہے اور اس پر بحث بھی کی ہے ' یہ آسوری دور ہے اور اشپیگل اس کا آغاز ایک ہزار برس قبل مسیح بتاتا ہے - آنکھوں کو اس زمانے کا اثر ہخامنشی دور کے کتبات و کندات میں صاف نظر آتا ہے بلکہ اشپیگل کی تحقیق کے مطابق ایران کے متعدد آئین مذہب ' روایات اور افسانوں میں بھی پایا جاتا ہے اور اس کو آرین کی بجاے سامی قرار دینا صحت سے زیادہ قریب ہے۔ عجیب بات ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں سامی اثر ایران پر بغایت چھایا ہوا ملتا ہے ' اواخر ساسان اور دور اسلام میں عربوں کا اثر تھا ' اوائل ساسان اور اواخر پارتھیہ میں آرامی اور اس سے قدیم تر ازمنہ میں آسوریوں کا - یہ امر اس درجہ روشن ہے کہ اس کے تسلیم کرانے کے لئے زیادہ اصرار کی ضرورت نہیں؛ اس کے باوجود لسانی و نسلی تعلقات کو ادبیات و مذہب کے قوی تر اثرات کے مقابلہ میں زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے! اس کا باعث وہ نقطۂ نظر ہے جو خالص لسانی تحقیقات سے پیدا ہوا ہے اور جس نے فارسی زبان کے مطالعہ میں گوناگوں غلطیاں پھیلا دی ہیں - انگلستان میں عبرانی کی تعلیم کم ہے اور اسکو یونانی زبان کی وسیع تعلیم سے کوئی نسبت نہیں' لیکن ملٹن کی نظم تو در کنار' اسکاٹ لینڈ کے ایک

---

* ایران قدیم کے حالات جلد اول صفحہ ۱۴۲۶ تا ۱۴۸۵ " ایرانی استقلال کا آغاز - سامیوں کے ساتھ میل جول کا پہلا موقعہ "۔

"کووے نیین تر "(پابند عہد)" یا انگلستان کے ایک پیوری تن" (پابند شرع) کے محرکات و طرز عمل کو سمجھنے کے لئے انجیل کی معلومات اسی قدر ضروری ھے جس قدر کہ یونانیوں کے ادبیات قدیم (کلا سکس) کی واقیفت - ایران کی قسمت بھی جہاں علم و ادب اور آئین و مذھب کے لحاظ سے سامی اثرات نے بڑے پیمانے پر تسلط جمایا یہ قول زیادہ صیح طور پر صادق آتا ھے - اگر خیالات و ادبیات عجم کے مطالعہ کی غرض سے ضروری سامان فراھم کرتے وقت ھمارے سامنے یہ سوال پیش کیا جائے کہ اس کام کی استعداد کے لئے سامی اور آرین زبانوں میں تم کس زبان پر کا تبحر زیادہ پسند کروگے تو ھم فوراً صرف اس خیال کی بنا پر جو ابھی بیان ھوچکا ھے السنۂ سامی کو بلا تامل ترجیح دیں گے - کیونکہ پہلوی کی تحقیق کے واسطے آرامی زبانوں کا علم لازمی ھے اور ایران کے ما بعد اسلامی خیال و ادب کا نتیجہ خیز تفحص عربی کتابوں کو چاٹے بغیر نا ممکن ھے - بخلاف اس کے ان دونوں اغراض کے لئے سنسکرت کا جاننا عملاً بے سود ھے بلکہ اوستا کی شرح و وضاحت میں بھی اس زبان کو روک تھام کے اور پہلوی روایات کا پورا لحاظ کر کے استعمال کرنا چاھئے—

خلاصۂ کلام

اس تمہیدی باب کو ختم کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ھوتا ھے کہ تاریخ ایران کے ان مختلف دوروں کو بشکل عنوانات پھر دھرا دیں—

(۱) ھند - ایرانی (انڈوایرین) دور—
(۲) قدیم ابتدائی دور—

(۳) آسوری اثرات کا دور (ایک ہزار قبل مسیح یا اس سے بھی پہلے کا؛ دیکھو صفحہ بالا ۲۰) —

(۴) میڈوي دور (سنہ ۷۰۰ قبل مسیح)—

(۵) قدیم ایرانی (ھنحا منشی) دور (سنہ ۵۵۰ قم) —

(۶) وقفہ یعنی سکندر کے حملے سے ساسانی عروج تک کا زمانہ (سنہ ۳۳۰ قبل مسیح سے ۲۲۶ عیسوی تک) —

(۷) ساسانی دور (۲۲۶ – ۶۵۲ع)—

(۸) اسلامی دور یعنی ساسانیوں کے زوال سے آج تک —

ان میں سے آخري دور ھمارا خاص مطمح نظر ھے اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ھوگا اس دور میں سے اور بہت سی اھم شاخیں نکلتی ھیں، مگر اس پر قلم اُٹھانے سے پہلے ادبیات فارسیء قدیم، اس کا انکشاف اور چند دیگر مسائل متعلقہ کی بحث آئندہ باب میں ختم کردینی ضروري ھے—

باب دوم

ایران قدیم کے کتبات اور مرقومات کا انکشاف،
اُن کے معانی و مطالب کا تعین
اور دیگر مسائل زبان

یورپ اور علوم مشرقیہ

اس باب میں مختصر طور پر ھخما منشی کتبوں کی "فارسیء قدیم" "زبان اوستا" اور "دور ساسانیہ کی پہلوی" سے بحث کی جائے گی لیکن یاد رکھنا چاھئے کہ یورپ میں ان تینوں زبانوں کے معمات حل کرنے سے بہت پہلے جدید یا ما بعد اسلامی فارسی کو دلچسپی اور مطالعے کا موضوع بنا لیا گیا تھا؛ یہ صورت قدرتی اقتضا اور عملی ضرورت پر مبنی تھی مگر فارسی جدید سے بھی پہلے عربی تعلیم کا رواج ھو چکا تھا اور ارباب علم و فضل اس زبان کے لئے فارسی سے کہیں زیادہ اشتیاق و توجہ ظاھر کرتے تھے، سبب یہ تھا کہ اس میں اھل یونان خاص کر ارسطو کا فلسفہ محفوظ تھا اور مغربی یورپ اول اول اسی کے ذریعے سے یونانی علم و حکمت سے پورے طور پر مانوس ھوا۔ عربی

سے یورپ کی زبانوں میں جو تراجم ہوے وہ بارھویں صدی کے شروع میں سب سے پہلے اُن مور اور یہودی لوگوں نے کیئے تھے جنھوں نے دین مسیح اختیار کر لیا تھا، ان کے بعد ترجمہ کا کام

بارھویں صدی

خود اہل یورپ نے سنبھالا، سب سے پہلا مترجم جرارڈ قرمونی (ولادت سنہ ۱۱۱۴ع) تھا۔ دوسرا البرٹس میگنس (ولادت سنہ ۱۱۹۳ع) جو عربی لباس پہن کر پیرس میں فارابی، ابن سینا اور الغزالی کی تصنیفات کی مدد سے ارسطو کی تعلیم پر لیکچر دیا کرتا تھا۔ تیسرا میکائیل اسکاٹ، اس کی عربی تعلیم غالباً سنہ ۱۲۱۷ع میں بمقام طلیطلہ ہوئی تھی۔

---

* قدیم مستشرقوں کے متعلق دلچسپ اور مبسوط معلومات جن کتابوں میں ملتی ہیں وہ یہ ہیں :-

(۱) "گے لھا اوریینٹ تے لس" مصنفہ پال کلومے (ایپرا، ہیمبرگ سنہ ۱۷۰۹، صفحات ۱-۲۷۲)

(۲) "تاریخی حالات" یہ حالات نہایت عمدہ ہیں، گستاوتوگا نے اپنی مفید کتاب "مستشرقون یورپ، ۱۲ تا ۱۹ ویں صدی" (پیرس ۱۸۹۸ع) میں ان کو شامل کیا ہے، ہم نے کتاب مذکور سے اس حصے میں بہت کچھ استفادہ کیا ہے —

(۳) موسیو یورداں کا رسالہ جس میں مسائل ذیل کی ناقدانہ تحقیق کی گئی ہے۔ کتب ارسطو کے تراجم لاطینی کا زمانہ کیا تھا اور مترجمین کون تھے اور کون کون سی یونانی اور عربی شروح جو نصاریٰ کے علماء متکلمین کے درمیان متداول تھیں

تیرھویں صدی

تیرھویں صدی میں راجر بیکن اور ریمنڈ لل نے اھل یورپ کو سمجھایا کہ فلسفے اور سائنس کے لئیے مشرقی زبانوں کا سیکھنا نہایت ضروری ھے۔ سنہ ۱۳۱۱–۱۳۱۲ ع میں پوپ کلیمنٹ پنجم نے یہ فرمان نافذ کیا کہ عبرانی، کلدانی* اور عربی کی تعلیم کے لئیے روما، پیرس، بولون، آکسفورڈ اور سلمنکا میں انتظام اور

چودھویں صدی

پروفیسروں کا تقرر کیا جاے، لیکن تیرہ برس نہ گزرنے پاے تھے کہ سنہ ۱۳۲۵ ع میں کلیسا نے اس پر شدید نگرانی شروع کردی کہ مبادا مسیحی اعتقادات کو صدمہ پہنچے۔ ان پانچ تعلیم گاھوں میں ھر جگہ دو دو پروفیسروں کی منظوری تھی جن کی تنخواھیں حکومت یا کلیسا کے ذمے تھیں اور جن کا کام یہ تھا کہ وہ ان زبانوں کی مشہور و بہترین تصنیفات کا لاطینی زبان میں صحیح ترجمہ کریں اور اپنے شاگردوں کو اغراض اشاعت عیسویت کے لئیے ان کا بولنا سکھائیں—

سولھویں صدی

لیکن معلوم ھوتا ھے کہ یہ مستحسن تجاویز ابتداءً کامیاب نہ ھوئیں اور تعلیم عربی میں کوئی معتد بہ ترقی نہ ھو سکی جب تک کہ فرانسس پنجم نے سنہ ۱۵۳۰ ع میں "کالج دے فرانس" کے نام سے ایک درسگاہ قائم نہ کی۔ ھر چند کہ آرمے گنڈ مون پی لیے†

* آرامی—

† مصنف لکھتا ھے: جہاں تک مجھے معلوم ھے فرانسیسوں

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

نے سنہ ۱۲۷۴ع میں مصنفات بو علی سینا اور ابن رشد کے بعض اجزا کا ترجمہ لاطینی میں کیا تھا مگر ایم توگا کی یہ راے ہے کہ ولیم پوستل* پہلا فرانسیسی تھا جو "مستشرق" کے معزز لقب کا مستحق ہے اور بظاہر یہی وہ شخص ہے جس نے پہلے پہل عربی ٹائپ ایجاد کیا - سنہ ۱۵۸۷ع میں ہنری سوم نے کالج دے فرانس میں عربی پروفیسر کی اسامی قایم کی۔ اس کے چند سال بعد سیویر دے بریو فرانسیسی سفیر ہو کر قسطنطنیہ گیا - سیویری کو علوم مشرقیہ کا خاص ذوق تھا، اس نے مشرق میں عمدہ ٹائپ بنوائے اور انھیں پیرس لے گیا، جب وہ مرا تو ٹائپ کا یہ تمام سامان جس میں عربی، سریانی، فارسی، ارمنی اور حبشی ٹائپ شامل تھا سیویری کے عربی، ترکی، فارسی اور شامی مخطوطات سمیت لوی سیزدہم نے پادریوں کی مالی امداد سے خرید لیا اور شاہی مطبع کے حوالے کر دیا —

سترھویں صدی

لیکن فنون مشرقیہ کی تکمیل سترھویں صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہے اور اُس وقت سے اب تک ترقی مسلسل و مستقل چلی جاتی ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۷)

میں آرمے گلنس پہلا شخص ہے جس نے السنۂ مشرقیہ کی تعلیم حاصل کی - طبیب تھا اور فلپ ابن سینٹ لوئی کے عہد ۱۲۰۰ میں ہوا ہے —

* ۹۵ یا ۹۶ برس کی عمر پاکر سنہ ۱۵۸۱ع میں فوت ہوا، دیکھو گیلیہ اوریئنٹ لیبلس صفحہ ۵۹ تا ۶۶ —

مثلاً اس صدی میں سرطامس ایڈمز اور آرچ بشپ لاڈ کی کوششوں سے تعلیم عربی کی دو اسامیاں ایک تو کیمبرج (۱۶۳۲ع) اور دوسری اکسفورڈ (۱۶۳۶ع) میں قائم ہوئی۔ اکسفورڈ میں علامہ پاکاک کا تقرر کیا گیا اور کیمبرج میں علامہ ابراهیم وھیلاک کا جس کے متعلق عربی اور انگلو سیکسن کی تعلیم کے علاوہ یونیورسٹی لائبریرین کی خدمت بھی تھی۔ وھیلاک کے شاگردوں میں مشہور علامہ طامس ھائڈ تھا جو

طامس ھائڈ

بعد میں بمقام اکسفورڈ عبرانی و عربی کا پروفیسر ھوا۔ ھائڈ کی تالیف "قدیم اھالیان عجم و پارتھیه و میڈیا کی تاریخ مذھب" کو، جو مؤلف کی وفات سے* کچھ بعد ایک سال پہلے سنه ۱۷۰۰ع میں طبع بھی ھو گئی تھی، سترھویں صدی کے اختتام میں اس موضوع پر علماء کے انتہائی مبلغ علم کا ایک نمونه سمجھنا چاھئے بلکه اس کے بعد تک کا۔ کیونکه آنکتیل ڈے پیرون کے فوائد علمیه جن سے ایک نیا دور شروع ھوتا ھے سنه ۱۷۶۳-۷۱ میں شائع ھوئی۔ لہذا مناسب معلوم ھوتا ھے که ھم اس موضوع کی ابتدا ھائڈ کے خیالات سے کریں کیونکه اس کی محنت و دقیقه سنجی، علم و تبحر اور کمالات لسانی کی بدولت اس کی کتاب اُس زمانے کی معلومات کے لحاظ

* ھائڈ نے ۱۷۰۱ع میں بوڈلین کے عہدۂ لائبریرین سے سبکدوشی حاصل کی اور ۱۸ فروری سنه ۱۸۰۲ع میں رحلت کی، یہاں جس کتاب کا حواله دیا گیا ھے وہ "تاریخ مذاھب..." (مطبوعه ۱۷۶۰) طبع ثانی ھے—

سے جامع و مکمل ہے؛ ھائڈ کو ایک سہولت یہ بھی تھی کہ وہ بوڈلین کا مہتمم کتب خانہ تھا، اُس نے قدما کی جن کتابوں سے استفادہ کیا وہ ذیل میں درج کی جاتی ھیں :—

(۱) " سہ کتب " (مطبوعہ پیرس ۱۶۳۰ از بر نابی ڈے بریسون ' اس کتاب کے ماخذ خالص طور پر یونانی اور لاطینی مصنفین کے بیانات ھیں —

(۲) " مذھب پارسیاں * " سنہ ۱۶۳۰ ع از ھنری لارڈ —

(۳) " موجودہ ایران " از سانسون —

(۴) سفر نامہ پیڈرو ٹیکسرا (سنہ ۱۶۰۴ ع)—

(۵) سفرنامہ پیرو گبریل ڈے شی نوں (سنہ ۱۶۰۸ - ۱۶۵۰ ع)—

(۶) سفر نامہ ٹے ورنیو (سنہ ۱۶۲۹ - ۱۶۷۵ ع)—

(۷) اولی اے ری اس (سنہ ۱۶۳۷ - ۱۶۳۸ ع)—

(۸) سفرنامہ تھوے نو (سنہ ۱۶۶۴ - ۱۶۶۷ ع)—

(۹) سفر نامہ شارڈاں (سنہ ۱۶۶۵ - ۱۶۷۷ ع)

(۱۰) سفر نامہ پیٹی ڈے لاکرا (سنہ ۱۶۷۴ - ۱۶۷۶ ع)—

---

* یہ ایک رسالہ ہے کیوں کہ اس کے کل صفحے ۵۳ ھیں ' پورے نام کے لئے دیکھو ضمیمہ کتاب ھذا - مصنف نے اپنا سرمایہ معلومات ایک پارسی سے جو کمپنی میں ملازم اور اوسط درجہ کی انگریزی جانتا تھا فراھم کیا تھا - اس کتاب میں پارسیوں کے اعتقادات کی نسبت جو کچھ لکھا ھے وہ بہت کم ھے اور ژند و اوستا کی بابت تو اتنا بھی نہیں کہ براہ راست تو درکنار بالواسطہ واقفیت پرھی مبنی ھو —

(۱۱) سفر نامہ سیموئل فلوور (سنہ ۱۶۶۷) —

ان کے علاوہ متعدد عربی، فارسی، ترکی، عبرانی، اور سریانی زبانوں کے مخطوطات تھے جن کو ھائڈ نے ایسے حسن لیاقت سے استعمال کیا ھے کہ ذھن عش عش کرتا ھے - اس نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے دوستوں کے ذریعہ جو اُس وقت ھندوستان میں موجود تھے وھاں کے پارسیوں سے زبانی طور پر مزید حالات دریافت کرکے اپنے گلزار معلومات کو آراستہ کیا - مختصر یہ کہ اُس کی تالیف علم و فضل کی ایک یادگار ھے اور جب ھم اس زمانے کی مشکلات اور ذرائع تحقیقات کی کمی پر نظر دوڑاتے ھیں تو اس کتاب کی جامعیت پر رشک آتا ھے - مصنف کی براقی طبع کا یہ عالم تھاکہ بعض باتوں کو جن کی تصدیق و توثیق مدتوں بعد ھوئی اس نے اپنی پیش بینی سے پہلے ھی جان لیا تھا - چنانچہ اس نے عربی " ماہ " سے جو بعض مقامات کے ناموں کے ساتھ لگا دیا جاتا تھا لفظ " میڈیا " کا تعلق دریافت کرلیا تھا (صفحہ ۴۲۱) ' وہ با خبر تھا کہ ایران کے پارسیوں میں ایک عجیب "گبری" بولی رائج ھے (صفحہ ۳۶۴ - ۴۲۹) ' اُسے معلوم تھا کہ فرقۂ حروفی مانوی مذھب کی جدید صورت ھے (صفحہ ۲۸۳) ' اُس نے البنداری کے نایاب عربی ترجمہ شاھنامہ کو خوب کھنگالا ' پارسیوں کے آخر زمانے کی تصنیفات مثلاً " زر تشت نامہ " " صددر " اور فارسی ترجمہ " ارداہ وراف " وغیرہ کا مطالعہ کیا بلکہ " صددر " کا پورا لاطینی ترجمہ بھی اپنی کتاب میں شامل کردیا ھے ' اس کے سوا وہ " ژند " کے

رسم الخط* سے بھی واقف تھا—

ڈاکٹر ہائڈ کی قدیم فارسی زبانوں سے واقفیت	ڈاکٹر ہائڈ کی لیاقت و ذہانت کا تو یہ حال تھا مگر وہ پہلوی یا اوستا کی زبان سے بالکل نا بلد تھا،

ژند اوستا یا اوستا و ژند کے معنوں کو بالکل غلط سمجھا اور اس نے ثابت کرنا چاہا ہے کہ قدیم ایرانی کتبے کوئی تحریر نہیں بلکہ محض عمارتی نقش و نگار ہیں - آنکتیل ڈوپیرون نے بھی اپنی کتاب کی تمہید صفحہ ۴۸۹، ۴۹۸ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہائڈ فارسی کی پرانی زبانوں میں سے ایک بھی نہ جانتا تھا بلکہ اوس کا سوءظن یہاں تک دوڑتا ہے کہ ہائڈ کی تصنیف میں اول سے آخر تک ژندی حروف گویا فارسی جملوں کا لباس ہیں جو پارسیوں کے بعد کے مرقومات سے لیکر نقل کردئیے گئے ہیں - لیکن آنکتیل کا یہ حملہ بےجا ہے اور اس کا ثبوت غیر ضروری، کیونکہ ہائڈ کے پاس اوستا کا ایک قلمی حصہ واقعی موجود تھا اور اس نے "یاسنا" کے اُس

---

* سر ڈبلیو جونس نے ایک خط میں جس کا حوالہ بعد میں آئے گا (صفحہ ...) یہ لکھا ہے کہ ڈاکٹر ہائڈ نے جن "ژندی" حروف کا نمونہ اپنی کتاب میں درج کیا ہے اُس کا سانچہ اپنے ذاتی استعمال کے لئے تیار کرا لیا تھا، یہ سانچہ نہایت عمدہ تھا اور جو سانچہ اوستا کی سب سے آخری طبع میں (باهتمام گیلڈنر) استعمال ہوا ہے اُس سے کہیں خوبصورت ہے—

قلمی نسخے* کو بھی دیکھا تھا جس کو سترھویں صدی کے وسط میں ایک انگریز تاجر موتی نے کیمبرج کے عمانویل کالج میں تحفے کے طور پر دیا تھا ' مگر وہ ان کو سمجھتا نہ تھا' کیوں کہ وہ خود اقرار کرتا ھے کہ میں پڑھ سکتا تو ان بیش بہا مرقومات سے کام لیتا - اب یہ صاف ھوگیا کہ بجز حرفوں کے جنھیں ھائڈ نے استعمال بھی کیا ھے وہ قدیم فارسی زبان سے نا اشنا تھا - زرتشتی کتاب الہامی کے نام کی بابت اُس نے فرض کرلیا تھا کہ وہ غیر زبان کا دوغلہ لفظ ھے جس کا ایک جزو " ژند " بمعنی چقماق عربی ھے اور دوسرا 'اِشدا' بمعنی آتش ' عبرانی -

---

* دیکھو ھائڈ کی کتاب موصوف الصدر صفحہ ۳۴۴ وغیرہ - عمانویل کے نسخہ پر آجکل نمبر ۳ – ۲ – ۹ پڑے ھوے ھیں اور انگریزی میں یہ لکھا ھے " اس کتاب کا نام ' اِجاسلے' (یاسنا) اور اس کی زبان ' جیں وستا ' (ژند اوستا) اور اس کا موضوع قدیم مذھب پارسیاں ھے " - اس کے ساتھ ایک ردی کاغذ بھی ھے جس پر بزبان جرمن یہ تحریر ھے کہ یہ کتاب یاسنا کا نسخہ ھے غیر مکمل ' صرف دو باب ۵۰ سطر ' (ویسترگارڈ) تک جاتا ھے یعنی آخری چوتھا حصہ اس میں سے غایب ھے ؛ اس نسخے پر کوی تاریخ بھی نہیں ' غالباً سترھویں صدی کے وسط کا ھو - گو کہ یہ نسخہ خود تو قدیم نہیں مگر ھے کسی اچھے نسخہ کی نقل - اس کی عبارت مستند نسخوں سے ملتی ھے مگر کامل طور پر ایک نسخے سے بھی نہیں ملتی- نسخہ ک – ۱۱ سے بہت ھی مطابق پایا جاتا ھے ' املا درست ھے - چونکہ یہ بھی بجاے خود ایک مستقل قلمی نسخہ ھے اس لئے متن قائم کرنے کےلئے خاص اھمیت رکھتا ھے —

کلدانی (کتاب ھائڈ صفحہ ۳۳۵ و بعد)۔رھے قدیم فارسی کتبات ان کو وہ فضول چیزیں تصور کرتا ھے اور کہتا ھے کہ ان کو دیکھکر لوگوں کو استعجاب ضرور پیدا ھوا ھے مگر بجز اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ ان پر توجہ مبذول کی جاے (صفحہ ۵۱۴۹) ۔ الغرض وہ نہایت شد و مد کے ساتھہ یہ بیان کرتا ھے کہ کتبے نہ تو کتبے ھیں اور نہ ان کی عبارت فارسی قدیم (۵۱۴۷) بلکہ وہ اصل معمار کے اختراعی نقش و نگار ھیں (۵۵۹ - ۵۵۷)—

نقش رجب پر دوسری عبارتوں کے قریب جو پہلوی سطریں کندہ ھیں اُن کے خط کو بھی وہ کسی قسم کا فارسی خط تسلیم نہیں کرتا ، نیز ساسانی پہلوی کے کتبے نمبر ایک اور چار کی بابت وہ خامہ فرسائی کرتا ھے کہ "یہ حروف قدیم فارسی کے حروف نہیں ھو سکتے، قدیم فارسی کی قدیم کتابیں ھمارے پاس موجود ھیں اور یہ حروف ان کتابوں کے حروف سے بالکل مختلف ھیں" صفحہ (۵۱۴۸) —

آنکتیل دوپیرون ۱۷۵۴ - ۱۷۷۱ ع	سنہ ۱۷۵۴ ع تک ایران کے متعلق معلومات کی یہ حالت تھی جو مذکور ھوئی، اوستا کے خیالات سربستہ کو زیادہ سمجھنے

کی کوئی مزید کوشش نہیں ھوئی تھی حالانکہ اس وقت تک اُس کے دو ایک نسخے انگلستان پہونچ چکے تھے مثلاً وندیداد کی ایک جلد جس کو جارج بوث شیر (باؤ شیر) نے ھندوستان کے پارسیوں سے سنہ ۱۷۱۸ ع میں حاصل کیا تھا اور ریچرڈ کاب نے سنہ ۱۷۲۳ ع میں انگلستان پہونچا کر بوڈلین لائبریری

میں پیش کیا جو اب تک وہاں موجود (ہے بوڈلین نمبر ا ۳۲)؛ اور یاسنا کے دو نسخے جن کو فریزر نے سورت میں خریدا تھا، فریزر نے بعض پارسی دستوروں سے خواهش بھی کی تھی کہ وہ اُس کو پہلوی اور اوستا کی زبانیں سکھا دیں مگر وہ اس خواهش میں تشنہ کام رہا - آخرش سنہ ۱۷۵۴ ع میں وینڈیڈاد کے بوڈلین والے نسخہ کے چار صفحوں کی نقل ایک نوجوان فرانسیسی آنکتیل دو پیرون کے هاتھہ لگ گئی جس کا سن اس وقت بیس سے زیادہ نہ ہو گا، ورقوں کو دیکھکر اس نو جوان سے جس کے پہلو میں سچا فرانسیسی دل تھا، نہ رہا گیا، تحقیق و طلب علم کے جوش نے گدگدایا اور وہ اپنے ملک و وطن کے واسطے شرف دوام حاصل کرنے کو کھڑا ہو گیا، اس نے عزم بالجزم کیا کہ اس قدیم مذهب کے دفینوں کو پارسی دستوروں کے قبضہ سے نکال کر علمی دنیا کے سامنے آئین زرتشت کا ایک ایسا جامع حال پیش کرنا چاہئے جو غیر پارسی یا موجودہ زمانے کی پارسی تحریروں سے ماخوذ نہ ہو بلکہ خود قدیم اور الہامی کتابوں پر مبنی ہو۔ علمی شوق اور جوانی کی اُمنگ نے سفر کے لئے اُس کو اس قدر بے چین کر دیا تھا کہ سلطنت کی جانب سے مالی امداد اور سامان سفر کا وعدہ تھا مگر اُس کو تاب انتظار نہ ہوئی اور وہ فوراً فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی میں بہ حیثیت ایک معمولی سپاهی کے بھرتی ہو گیا تاکہ جلد سے جلد هندوستان جا پہنچے: اُس کا ارادہ اس قدر پختہ اور اس کا جوش اس قدر سچا تھا کہ با وجود مشکلات و مایوسی، مخالفت و بے اعتنائی، صعوبت

و بیماری، آفات بحر اور خطرات جنگ کے وہ سات برس چھہ ماہ تک اپنی دھن میں لگا رہا حتیٰ کہ ۱۵ مارچ سنہ ۱۷۶۲ع کو طویل و پر خطر جلا وطنی کے بعد اپنے وطن پیرس پہنچا اور اپنی فوق البشر کاوشوں کے جواہرت یعنی قیمتی نسخوں کو شاہی کتب خانہ (بب لیوتھک ڈورائے) کی گود میں لا ڈالا۔ لیکن اُس کی جد و جہد یہیں ختم نہیں ہوتی، ترتیب مضامین اور تنقید مسائل میں اُس کو دو برس تک صبر و خاموشی کے ساتھہ اور دماغ سوزی کرنی پڑی - باالآخر سنہ ۱۷۷۱ع میں اُس کی مساعی کا آخری مگر مدلل کارنامہ تین ضخیم جلدوں میں تیار ہو کر اس طولانی نام کے ساتھہ دنیا کے سامنے آیا:—

> ژند اوستا یا کتاب زوراسٹر جس میں اس مقنن کے مذہبی، مادی اور اخلاقی خیالات اور اُس کی قائم کردہ مذہبی رسوم درج ہیں جن میں ایرانیوں کی قدیم تاریخ کے مضامین فرانسیسی ترجمے و حواشی کے ساتھہ شامل ہیں اور جس میں چند ایسے رسالے بھی داخل کر دئے گئے ہیں جو کتاب کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں—

یہ تالیف یورپ میں کامل طور پر دور آفریں یا بقول جرمنوں کے " راہ تراش" کتاب تھی۔ آنکتیل نے جس کام کا بیڑا اُٹھایا اس کو بوجہ احسن پورا کر دکھایا - رہی تفصیل کی چھان بین یہ اُس کے جانشینوں کا کام تھا - آنکتیل کی کتاب اس عنوان کی پہلی کتاب تھی اس لئے قدرتی طور پر اس میں

غلطیوں * کا ہونا ضرور ہے تاہم اس کتاب کا پایہ نہایت بلند ہے ' اُس وقت سے آج تک زرتشتی مذہب اور زبان کی بابت جس قدر ادبی ' لسانی ' قومی اور فلسفیانہ انکشافات ہوے ہیں وہ سب آنکتیل کی کاوش کا طفیل ہے —

آنکتیل کی اُلوالعزمیاں

آنکتیل کی تفصیل سفر کے لئے یہ مقام موزوں نہیں' اس کا جامع حال خود اُس کی کتاب جلد اول (صفحہ ۱ — ۴۷۸) میں ملے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صفحات صرف اس کے ذاتی حالات سے بھرے ہوے ہیں جن کا حذف کردینا شاید ایسا ہی مفید ہوتا جیسا ان کا اندراج' بہر حال اس میں کچھہ کلام نہیں کہ ان حالات کی بدولت اس کتاب کو تحقیر و ملامت کا نشانہ بنانے میں اس کے دشمنوں کو بہت آسانی ہوئی ' گویہ تحقیر جو اس کتاب کو نصیب ہوئی صرف عارضی تھی - بہر کیف اس کے سفر کی اجمالی کیفیت یہ ہے کہ اُس نے تھوڑا سامان لیا جس میں چند کتابوں کے علاوہ دو قمیصیں ' دو رومال اور ایک جوڑہ جراب کا تھا ' بھائی کے سوا جو اخفاے حال کا پابند کرلیا گیا تھا کسی کو کانوں کان خبر نہ کی اور ۷ نومبر سنہ ۱۷۵۴ ع کو اپنی پلٹن کے ساتھہ جس کے افراد کو وہ ناپسند کرتا تھا اور جن کو وہ " یہ وحشی " کہہ کر یاد کرتا ہے اور پیرس سے لوریاں

---

* مثال کے لئے دیکھو ہوگ کی کتاب " پارسیوں پر مضامین " مرتبہ ویسٹ (دوسری ایڈیشن لندن ۱۸۸۴ ع) صفحہ ۲۴ —

(" مشرق ") کی جانب روانہ ہوا - ۱۶ نومبر کو جب یہاں پہنچا تو اُس کو سرکاری اطلاع موصول ہوئی کہ شاہ فرانس نے بطور مراحم خسروانہ پانسو فرانک کا وظیفہ اور فرانس سے ہندوستان تک فرسٹ کلاس کا کرایہ منظور فرمایا ہے - اس کے بعد ۷ فروری سنہ ۱۷۵۵ ع کو وہ جہاز میں سوار ہوکر ہندوستان روانہ ہوا اور چھہ ماہ کی مسافت کے بعد ۹ اگست کو پانڈیچری پہنچا جہاں گوپل کمانڈر فرانسیسی افواج نے تپاک کے ساتھہ اُس کا خیر مقدم کیا - پہنچتے ہی اُس نے فارسی شروع کردی جو بعد میں پارسی دستوروں اور اُس کے درمیان تبادلۂ خیالات کا ذریعہ بنی ' تین سال سے زیادہ کے بعد یکم مئی سنہ ۱۷۵۸ ع کو وہ سورت آیا جو اُس وقت تو فرانسیسوں کے قبضہ میں تھا مگر مارچ سنہ ۱۷۵۹ ع میں ان کے ہاتھہ سے نکل کر انگریزوں کے مقبوضات میں داخل ہوگیا - اس اثنا میں آنکتیل نے اپنے مقصد کے لئے جو کچھہ کیا وہ کچھہ نہ تھا ' بظاہر اس تعویق کا باعث کچھہ تو یہ ہوا کہ وہ پورے ہندوستان کے مذاہب ' رسوم ' السنہ ' اور نوادر و عجائبات کے معلوم کرنے میں لگ گیا (کیوں کہ اُس کی اصل تجویز میں پورا ہندوستان شامل تھا) اور کچھہ یہ کہ اُس زمانے میں سیاسی پیچیدگیوں کا جال سا پھیلا ہوا تھا - تاہم گونا گوں دشواریوں کا مقابلہ کرتا ہوا وہ تاریخ مذکور کو سورت آیا اور یہاں دو پارسی موبدوں سے جن میں سے ایک کا نام داراب اور دوسرے کا کاؤس تھا ربط‌ضبط پیدا کیا - تین ماہ کی تھگ بازیوں اور لیت و لعل کے بعد ان پارسیوں

نے آنکتیل کو وینڈیداد کا ایک نسخہ دیا اور کہا کہ یہ بالکل صحیح اور مکمل نسخہ ہے مگر آنکتیل نے بنظر احتیاط ایک دوسرے نسخے کی فکر کی اور اس کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔منوچہر جی ایک اور دستور تھا' فروعی اختلافات مذہبی کے سبب داراب اور کاؤس سے اُس کا دل صاف نہ تھا ' ان کی ضد پر اُس نے فرانسیسی محقق کو ایک دوسرا قدیم اور عمدہ نسخہ وینڈیداد کا لاکر دیا - آنکتیل نے اُس کو پہلے سے ملایا تو اُس کو جلد پتہ چل گیا کہ پہلے حضرات نے دیدہ و دانستہ اُس کو ناقص نسخہ دے دیا تھا - آنکتیل نے اُن سے اس حرکت کی شکایت کی اور قائل معقول کیا''اب یہ دونوں ذرا زیادہ کھل گئے اور دھوکے کی باتوں سے بچنے لگے ' آنکتیل کو نئی نئی کتابیں لاکر دیں ' مثلاً داستان سنجان ' جس کا خلاصہ اس نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۱۸ - ۳۲۴ میں دیا ہے ' داستان سنجان میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں وینڈیداد اور اُس کی پہلوی تفسیر کے جس قدر نسخے موجود ہیں وہ سب ایک فارسی کے اصل نسخے کی نقلیں ہیں جس کو ایک موبد مسمی اردشیر چودھویں صدی عیسوی کےقریب سیستان سے لایا تھا ' اس کے علاوہ ان تعلقات کی تفصیل بھی درج ہے جو وقتاً فوقتاً ہندی اور ایرانی پارسیوں کے درمیان قائم رہے—

آنکتیل کی تصنیف

۲۴ مارچ سنہ ۱۷۵۹ ع کو آنکتیل نے لغت " پہلوی فارسی " کا ترجمہ پورا کیا اور اس کے چھہ روز بعد وینڈیداد کا ترجمہ شروع کردیا ' دوران ترجمہ میں اس کتاب کے دونوں نسخوں کو مطابق

کرتا جاتا تھا ' آخرش ۱۶ جون کو اسے بھی ختم کیا ۔ پھر علالت نے آدبوچا ' اسی حالت میں اس کے ایک ہم‌وطن نے اس پر وحشیانہ طریق سے حملہ کیا اور پانچ ماہ تک اسے کام کا ہوش نہ رہا ۔ صحت پائی تو ۲۰ نومبر کو پھر اپنی دھن میں مصروف ہوا ۔ دستور داراب بھی برابر مدد دیتا رہا ۔ اس اثنا میں بعض انگریزوں نے بھی اس کی حفاظت و اعانت کی ' خاص کر مسٹراسپنسر نے جس کی تعریف میں وہ رطب‌اللسان ہے (صفحہ ۳۲۹) اور ارسکن نے ۔ جب آنکتیل یاسنا ' وسپیرو ' ویند یداد ' پہلوی بندھش ' سی روزہ ' روایات وغیرہ کے ترجموں سے فارغ ہوا تو اس نے آتش‌کدہ میں جاکر " آتش پاک " کو دیکھا اور دخموں کی سیر کی مگر اس کی بیماری عود کر آئی اور اس مرتبہ اس کو اندیشہ پیدا ہوا کہ مبادا اوس کی جانکاہیوں کا قیمتی ثمر تلف نہ ہوجائے اس نے اور سفروں کا خیال جس میں سفر چین بھی شامل تھا دل سے نکال ڈالا اور سورت سے بمبئی کا عزم کیا ۔ سفر میں انگریزوں نے پھر اس کی مدد کی حالانکہ انگلستان اور فرانس میں جنگ چھڑی ہوئی تھی لیکن آنکتیل ذرا نہ جھجکا اور ان سے مدد چاہی جن کو وہ مقدمہ کتاب صفحہ ۴۳۱ میں " عالی‌ظرف " کے لقب سے یاد کرتا ہے ' بمبئی پہونچکر ایک ماہ سے زیادہ قیام کیا ۔ ۲۸ اپریل سنہ ۱۷۶۱ ع کو برسٹل جہاز میں اپنے قیمتی نسخوں کو جو تعداد میں ایک سو اسی (۱۸۰) [دیکھو ان کی فہرست

جلد اول صفحہ ۵۲۹ – ۵۳۱ پر] تھے ۱۸۰۱ء خود سوار ہوا اور اسی سال ۱۷ نومبر کو پورٹس متھہ پہنچ گیا ' یہاں ایک پریشانی اس کی منتظر تھی ' جونہی بندرگاہ پر اُترا اس کے مسودات اور نسخے تو چنگی کی تحویل میں چلے گئے اور وہ خود معہ دیگر فرانسیسوں کے جنگی قیدی بن کر وکہم میں داخل ہوا - لیکن چونکہ وہ انگریزی حفاظت میں بسر کر رہا تھا اور صحیح معنوں میں اسیر جنگ نہ تھا لہذا اس کو بہت جلد فرانس جانے کی اجازت مل گئی - تاہم اگرچہ طویل بے وطنی کے بعد وطن کا شوق اس کے پہلو میں موجزن تھا اور سب سے بڑھکر یہ کہ وہ اپنے بیش بہا اور مشکل یاب مرقومات کو جن کا خیال اس کے دل میں سمایا ہوا تھا ' سلامتی کے کنارے پر پہنچانے کے لئے بےچین تھا لیکن اوکسفورڈ کی مختصر زیارت اور اوکسفورڈ کے نسخہ جات اوستا کا مطالعہ کئے بغیر وہ انگلستان سے ہلنا نہیں چاہتا تھا - اس نے ایک مقام پر (صفحہ ۴۵۴ خود بیان کیا ہے :-

"میں نے صاف صاف کہدیا کہ چونکہ
انگریزوں نے مجھکو خلاف قاعدہ قید کیا
اس لئے جب تک کہ میں اوکسفورڈ کی
سیر نہ کر لوں گا اس وقت تک انگلستان
سے نہ جاؤں گا - یورپ کو واپسی کے وقت
مجھے انگلستان کی راہ مجبوراً اختیار
کرنی پڑی ' مجبوریوں میں ایک بات یہ

بھی تھی کہ میں اپنے نسخوں کو اس مشہور
یونیورستی کے نسخوں سے مقابلہ کرنا
چاھتا تھا '' —

الغرض تعارفی خطوط کافی تعداد میں لےکر ١٧ جنوری سنہ ١٧٦٢ع کو اکسفورت پہونچا ' یہاں دو دن قیام کیا اور وکہم پورتس متھہ اور لندن ہوتا ہوا گریوسینڈ گیا جہاں سے ١۴ فروری کو جہاز میں بیتھہ کر آستلق چلا آخرکار ١۴ مارچ سنہ ١٧٦٢ ع کو پیرس پہنچ گیا اور دوسرے دن اپنے قیمتی نسخوں کو شاھی کتب خانے میں داخل کردیا —

تصنیف آنکتیل کی نا مقبولیت

آنکتیل نے اپنی کتاب کو سنہ ١٧٧١ع میں شایع کیا لیکن اس کے ذریعہ سے اوس نے علم و فن کی جو اھم خدمت انجام دی تھی وہ علمی دنیا کے ذہن نشین نہ ہوسکی۔ زرتشت کے عمیق فلسفی خیالات کی قدر ھمیشہ سے ھوتی چلی آئی تھی حتی کہ یونان و روم بھی ان کا ثناخواں تھا لہذا اس کتاب سے علما و شایقین کو امید تھی کہ وہ عقل و دانش کا ایک مرقع ھوگی لیکن اس کی بجاے انہوں نے طفلانہ خرافیات ' خشک اعتقادات' تھکا دینے والے مکررات اور مضحک احکام کا ایک لا یعنی انبار دیکھا تو ہر طرف مایوسی کا عالم طاری ھوگیا ' آنکتیل بھی اس حالت سے آگاہ تھا بلکہ اُس نے مقدمے کے صفحہ ١-٢ میں اس امر کی پیشین گوئی بھی کر دی تھی

مگر یہ مایوسی سر ولیم جونس کے مشہور خط میں بلاے بے درماں کی طرح نمودار ہوئی - سر ولیم اس زمانے میں آکسفورڈ کے ایک نو جوان* گریجویٹ تھے - یہ خط جو فرانسیسی زبان اور والٹیر کے لہجے میں ہے اُن کے کلیات (لندن ۱۷۹۹ع) کے آخر میں جلد چہارم صفحہ ۵۸۳ تا ۶۱۳ پر ہے' ۱۷۷۱ کا نوشتہ ہے اور یہ وہی سال ہے جبکہ آنکتیل کی کتاب شایع ہوئی تھی' اس کا طرز بیان جس قدر شستہ اور پر زور ہے اُسی قدر اس کے مطالب غضب آلود اور حقیقت سے دور ہیں - جونس نازک مذاق ادیب تھا اور آنکتیل کی عبارت میں طوالت بہت' اور حسن بیان مفقود تھا' پہلے تو جونس یوں برہم ہوا' اس پر آنکتیل نے کتاب میں جہاں حالات سفر لکھے ہیں وہاں ذرا خود ستائی سے بھی کام لیا ہے پھر انگریزوں کو بالعموم اور آکسفورڈ کے فضلا کو بالخصوص مذمت کا نشانہ بنایا ہے' اس انداز کو دیکھکر جونس کے تن بدن میں آگ لگ گئی' بلکہ ان خیالات نے اُس کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ وہ مبتذل ہجو و دشنام پر اُتر آیا اور اس کے حریف نے جو کچھہ انکشافات کئے تھے اُن کی زبردست اہمیت حتی کہ اُن کی حقیقت سے قطعاً انکار کر دیا حالانکہ یہ انکشافات اس پایہ کے تھے کہ آنکتیل کی سخت تر لغزشوں کی تلافی کرسکتے تھے - ڈارمشتیٹر نے اس موقع پر خوب کہا ہے کہ " ژند اوستا

---

*جونس کو بی - اے پاس کئے تین برس ہوئے تھے - عمر پچیس سال کی تھی - یونیورسٹی کالج کا فیلو تھا - ۴۸ برس کی عمر پاکر سنہ ۱۷۹۴ ع میں مرا —

کو اپنے پیش کرنے والے کے قصور کا خمیازہ بھگتنا پڑا ' آنکتیل کی بدولت زوراسٹر کی پوری قدر نہ ہوئی—

آنکتیل کی حمایت

حقیقت یہ ہے کہ اُس زمانے میں انگلستان و فرانس مصروف پیکار تھے' فرانسیسی ہمارے ہاتھہ سے زک اُتھا چکے تھے' آنکتیل کو با وجود جنگی قیدی نہ ہونے کے ہمارے حدود میں قید کر لیا گیا تھا ' اگر ہم انگریزوں کے متعلق آنکتیل کی تحریر کو ان حالتوں کی عینک سے دیکھیں تو وہ انتہا درجے معقول اور مناسب نظر آئے گی بلکہ بحیثیت مجموعی وہ ہمارے لئے باعث مسرت و ناز ہو سکتی ہے - ثبوت میں اُس کی وہ پر جوش تعریف موجود ہے جو اس نے مستر اسپنسر کے لئے قلمبند کی (تمہید صفحہ ۳۴۹)' وہ الفاظ موجود ہیں جو اُس نے انگریزوں کی عالی ظرفی کے متعلق لکھے ہیں کہ یہ لوگ ایک مصیبت زدہ بلکہ دشمن قوم کے مصیبت زدہ شخص کے ساتھہ مہربانی کا سلوک کرتے ہیں (تمہید صفحہ ۱۴۳)' وہ بیان موجود ہے جس میں اُس نے مہماں نوازی اور نزاکت احساس کا اعتراف کیا ہے' اور اسی قسم کی اور تعریفیں - رہا یہ کہ وہ آکسفورڈ کے ایک دو عالموں اور ڈاکٹر سوئٹن کے ڈیل ڈول اور سہ گوشہ ٹوپی پر منہ آیا یا اُس نے ڈاکٹر ہنٹ کے بے موقع مزاح اور ڈاکٹر بارٹن کے مغرور اور مجسٹریٹ نما تیوروں کی تحقیر کی' یہ باتیں فی نفسہ مضرت و عناد سے پاک ہیں - مختصر یہ کہ آنکتیل کی کتاب میں کوئی مقام ایسا نہیں کہ جونس کی شدید تضحیک یا رکیک الفاظ کا سزاوار ہو سکے

اور یہ تو کسی عنوان جائز نہ تھا کہ جونس نے اس کتاب کی اہمیت اور علمی حیثیت سے انکار کر دیا اور اس ماہ نو پر خاک ڈالنے کی کوشش کی جو ایسے غیر متوقع اور یقینی طور پر تاریخ و زبان علم اللسان اور دینیات مقابلی کے اکثر مسائل کو روشنی میں لانے والا تھا۔ ذیل میں چند نمونے درج کرتے ہیں جن سے اُس کے خط کا عام لب و لہجہ معلوم ہو جائے گا:—

سروليم جونس کے خط کے اقتباسات

"اے جناب، ایک اجنبی کا خط موصول ہونے پر تعجب نہ کیجئے گا۔ یہ اجنبی سچی قابلیت کی قدر جانتا ہے اور آپ کی قیمت بھی دریافت کرنے سے قاصر نہیں، اجازت دیجئے کہ ہم آپ کو آپ کے گراں قدر انکشافات پر مبارکباد دیں؛ آپ نے اکثر موقعوں پر اپنی جان گرامی کو خطرے میں ڈالا، متلاطم سمندروں کو کاٹا، پہاڑوں کو جن میں شیروں کی کثرت تھی، طے کیا، جیسا کہ آپ نہایت صفائی اور انکسار کے ساتھ خود بیان کرتے ہیں آپ کی رنگت سوسن آزاد اور گل گلاب کی طرح سرخ و سفید تھی، آپ نے اس رنگت کو بگاڑا بلکہ اِن مصیبتوں سے بھی زیادہ آپ نے سخت مصیبتیں برداشت کیں اور یہ محض علم و ادب اور ان لوگوں کی خاطر جو آپ

کے مثل ہونے کی نادرالوجود مسرت رکھتے ہیں —

آپ نے وہ دو قسم کی قدیم زبانیں حاصل کیں جن سے یورپ آشنا نہ تھا اور فرانس میں وہ کتابیں پہنچائیں جو آپ کی محنتوں کا ثمر اور زورو آسٹر کی تصانیف ہیں ' آپ نے اپنے دلچسپ ترجمے سے اہل علم کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے ' آپ نے اپنی ہوس کے منتہا ' اپنی پر جوش تمناؤں کے مقصد کو پالیا اور آپ جمعیت کتبات کے رکن بن گئے ہیں —

جیسا کہ ہمارا فرض ہے ہم اس ممتاز اور عالی مرتبہ جمعیت کی عزت کرتے ہیں لیکن ہمارا خیال ہے کہ آپ اس جمعیت کی رکنیت سے بھی زیادہ معزز لقب کے مستحق ہیں .... کادموس سے بھی بڑے سیاح ہیں اور کادموس کی مثل آپ نے نئے نئے اشخاص اور نئے نئے دیوتاؤں سے ہمیں روشناس کرایا ہے ۔ سچ پوچھئے تو آپ کو کم از کم مجوس اعظم یعنی گبروں کا لاٹ پادری بنا دینا چاہئے ' زیادہ تر اس وجہ سے کہ اس جدید عہدے پر مقرر ہونے کے بعد آپ اپنی تحریروں میں گرمی بیان کو قدرے بیشتر

کام میں لانے کا موقع پائیں گے —

آپ ایک سیاح ہیں ، فاضل ہیں ، محقق نوادر ہیں ، ہیرو ہیں ، ہجو باز ہیں ، غرض وہ کون سا خطاب ہے جس کے آپ مستحق نہیں —

اب جناب! آپ ہمیں صحیح صحیح کہنے کی اجازت دیں کہ آپ کی اولوالعزمی، آپ کے سفر و سیاحت ، آپ کی تین مجلدات اور آپ کے علم و تبحر کی نسبت ، جس کا آپ نے جی کھول کر اظہار کیا ہے ، ارباب فضل کیا خیال کرتے ہیں - ہر شخص کو چاہئے کہ وہ حقیقی علم و فضل کا اعتراف کرے لیکن ہر چیز اس قابل نہیں کہ اُس کا حال معلوم کیا جائے - سقراط نے جب ایک جوہری کی دکان کی کھڑکی دیکھی تو بولا "کس قدر چیزیں ایسی ہیں جن کی مجھے حاجت نہیں " اسی طرح جس وقت ہم مدعیان فضل و کمال کی تصانیف پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ "کس قدر باتیں ایسی ہیں جن کے حاصل کرنے کی ہمیں پروا نہیں ؛ اگر آپ اس آخری بات پر غور فرما لیجئے تو آپ ان لاطائل فضول معلومات کو ہم تک پہنچانے کے لئے موت کا مقابلہ

نہ کرتے.............. اگر یہ دلائل کامل طور پر غلط نہیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آپ کا مقصد نہ تو پاکیزہ تھا اور نہ اہم ' مہذب یورپ کو آپ کی ژند وستا کی مطلق ضرورت نہ تھی ' آپ نے اس کا ترجمہ فضول کیا اور آپ نے ۱۸ سال میں خواہ مخواہ وہ وقت ضائع کیا جو آپ کے لئے انتہا درجہ قیمتی ہوگا —

کس قدر بے وقعت ہے اُس بات کا جاننا جسے کوئی شخص نہ تو جانتا ہے اور نہ جاننا چاہتا ہے۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ آپ یورپ کے ہر ایک عالم سے زیادہ ژند کے الفاظ جانتے ہیں یا بالفاظ دگر سخت اور ثقیل اور وحشیانہ الفاظ کا ذخیرہ جو آپ کے ذہن میں محفوظ ہے اوروں سے زیادہ ہے' کیا آپ کو خبر نہیں کہ زبانوں کی ذاتی قیمت کچھ نہیں ..... علاوہ ازیں' کیا آپ کو واقعی یقین ہے کہ آپ نے ایران کی قدیم زبانیں سیکھی ہیں؟ آپ کی اجازت سے ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ایران کی بولیاں زوروآسٹر کی صرف ان مفروضہ کتابوں ہی میں محفوظ ہیں اور جو علاوہ اور عیوب کے مکررات

لاطائل سے پر ھیں تو ھمارے لئے ممکن نہیں
کہ اُن زبانوں کو کبھی حاصل کر سکیں ---

لیکن شاید آپ کہیں گے "تو پھر کیا
تمہارا یہ شبہ ھے کہ میں نے لوگوں کو دھوکا
دینا چاھا ھے" - نہیں جناب ھمارا خیال یہ
نہیں ھے، بلکہ تم خود دھوکے میں ھو - اس
وقت تک ھم کو آپ سے اس کے سوا اور کوئی
شکایت نہیں کہ آپ نے ھم کو سلا دیا اگرچہ
سلانا بجائے خود کوئی جرم نہیں، کیونکہ
جو لوگ ان خواب آور بخارات سے ڈرتے
ھیں اُن کے لئے آسان صورت یہ ھے کہ وہ
اس کتاب کا مطالعہ نہ کریں جس میں سے
یہ بخارات اُٹھتے ھیں یا مطالعہ کریں تو اسے
بھلا دیں؛ پرھیز بھی ایسا ھی اچھا ھے جیسی
کہ دوا قدرتی ھے - آپ کے طرز بیان کے متعلق جو
ٹھوس، پست، ناشستہ، ثقیل، موضوع سے
عموماً نا مربوط، انمیل اور بہر حال ناگوار
ھے، ھم کچھ کہنا نہیں چاھتے......... البتہ
آپ کی تحریر کے آخری حصے کی نسبت
کچھ کہنا باقی ھے........ آپ کے زوروآسٹر
صاحب نے نا شکر گزاروں کی کیا سزا رکھی
ھے؟- انہیں بیل کا پیشاب کسقدر پینے پر
مجبور کیا جاتا ھے؟ - جناب کو مشورہ

دیا جاتا ھے کہ جناب بھی اس پوتر اور پوترساز عرق کی ایک خوراک استعمال فرمائیں —

بندہ نواز! ڈاکٹر هنت کی ملاقات کا همیں بھی شرف حاصل ھے اور ان کی تعظیم پر هم کو ناز ھے' وہ کسی شخص کو دھوکا دینے کے ناقابل ھیں؛ ڈاکٹر موصوف نے نہ تو هم سے اور نہ آپ سے کبھی یہ دعوی کیا کہ وہ ایران قدیم کی زبانیں جانتے ھیں' ھماری طرح اُن کا بھی خیال ھے کہ ایران کی زبانیں کوئی شخص نہیں جانتا اور جب تک وہ تمام تاریخیں' نظمیں اور مذھبی کتابیں جن کو خلیفہ عمر اور ان کے سپہ سالاروں نے سخت عناد کے جوش سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر برباد کیا دوبارہ دستیاب نہ ھو جائیں اُس وقت تک کوئی شخص اُن کو جان بھی نہیں سکتا' اس بنا پر دنیا کی خاک چھان کر اپنی پھول سی رنگت کو تباہ کرنا فضول حرکت ھے۔ درحقیقت ڈاکٹر موصوف کو ان زبانوں کی لاعلمی کا ذرا افسوس نہیں ؛ وہ اس نعمت کو غنیمت سمجھتے ھیں کہ اُنھیں موجودہ فارسی میں کمال حاصل ھے' وہ فارسی جو سعدی' کاشفی

اور نظامی کی زبان ہے اور جن کی کتابوں
میں نہ تو 'برسوم' اور نہ 'لنگم' آیا ہے نہ
مضحک رسوم اور نہ وھمیات کا ذکر ہے
بلکہ نا سپاسی اور دروغ بافی کی سخت
مذمت کی گئی ہے —

جناب کو اس بات پر فخر ہے کہ ڈاکٹر
ھائڈ ایران کی قدیم زبانوں سے واقف نہیں؛
لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں........ آپ نے
ڈاکٹر ھائڈ پر اعتراض کیا ہے کہ وہ
'پانچ گاھوں' کے معنی "دن کے پانچ حصے"
سے نا آشنا ھیں؛ 'نوں' کی بجائے 'نو'
کہتے ھیں اور وہ اس بات سے بے خبر ھیں
کہ اھرمن' جو آپ کے ایرانی شیطان کا
نام ہے' انگری مینیوش جیسے خوش آواز
لفظ کا مخفف ہے اور یہ محض اس وجہ
سے کہ آپ کے نزدیک انگري اھر سے اور
مینیوش من سے بدل کر اھرمن بن گیا ہے -
اسی طرح ھم یہ بھی تو کہہ سکتے ھیں کہ
انگری کو ڈي اور مینیوش کو آبل سے
بدل کر لفظ ڈي آبل (شیطان) بنا لیا
گیا ہے" —

اس کے بعد سر ولیم آنکٹیل کے ترجمے کا خاکہ اُڑاتا ہے'
لیکن یہ مشکل ھی کیا ہے' ایک ایسی کتاب کا ترجمہ جو

ہمارے نزدیک اُن مزخرافات سے لبریز ہو جیسی کہ ہر ایک قوم کی ابتدائی تصنیفات میں کسی نہ کسی حد تک ضرور ہونی چاہئیں، آنکتیل کے ترجمے سے بہتر بھی ہو، تو بھی اُس پر اعتراض وارد ہو سکتے ہیں، سر ولیم نے اپنے دلائل کی تلخیص اس طرح کی ہے:—

"یا تو زوروآستر میں معمولی عقل بھی نہ تھی یا اُس نے وہ کتاب ہی تصنیف نہیں کی جو تم اُس سے منسوب کرتے ہو؛ اگر وہ معمولی عقل سے بھی محروم تھا تو عامۃ الناس کی صف اور تاریکی میں اُس کو چھوڑ دینا چاہئیے تھا؛ اگر یہ تصنیف ہی اُس کی نہیں تو اُس کے نام سے اس کو شائع کرنا بے شرمی ہے۔ لہذا تم نے یا تو مزخرافات پیش کر کے اپنے ناظرین کے ذوق کی توہین کی یا کذب فروشی سے انہیں دھوکا دیا: دونو حالتوں میں تم اُن کی تذلیل و نفرت کے مستحق ہو"—

آنکتیل کو بدلہ مل گیا

جونز کے خط نے اگرچہ آنکتیل کی فیروزمندی اور جائز فخر میں مشکلات پیدا کیں اور اس سے زیادہ یہ کہ بعض ماہران فن اور اہل علم کو اُس کی تحقیقات کی اصل قیمت سمجھنے سے قاصر بھی رکھا مگر اب خود اُس خط کی کیا قدر رہ گئی؟۔ اس سے زیادہ نہیں کہ وہ اس موضوع کی تاریخ میں ایک

دلچسپ کڑی ھے - زمانے نے جہاں آنکتیل کو اُس کی جانکاھی کی یہ داد دی کہ ھر لائق مصنف اس کی کتاب کو اعلیٰ پایے کی کتاب تسلیم کئے بغیر نہیں رھتا وھاں اُس نے جونز کو اُس کی تیزیوں کا مزہ بھی چکھا دیا - یا تو جونز کا یہ عالم تھا کہ وہ آنکتیل کی پیش کردہ ژند اوستا سے ناک بھوں چڑھاتا تھا یا ایسی ٹھوکر کھائی کہ ایک سرتاپا غلط جعلی کتاب کو صحیح دساتیر سمجھ بیٹھا - اس انوکھی کتاب کی اصل جلد اُس نے دیکھی نہ تھی کیونکہ لے دے کے اُس کے صرف ایک نسخے کا پتہ چل سکا ھے اور اگرچہ اُس کو مُلّا کاؤس ۱۷۷۳ع میں ایران سے ھندوستان لے آیا تھا مگر کتاب کو شائع اس کے بیٹے مُلّا فیروز نے سنہ ۱۸۱۸ع میں کیا تھا* - جونز نے دساتیر کے حالات ایک

---

* اس کتاب کا پورا نام یہ تھا : ”دساتیر یعنی ایران کے قدیم پیغمبروں کے ملفوظات مقدسہ : بہ زبان اصلی معہ قدیم فارسی ترجمہ و تفسیر از ساسان پنجم : باھتمام و نگرانی تمام ملا فیروز بن کاؤس جس نے فارسی مصطلحات اور متروکات کے معنی درج کئے ھیں : کتاب میں اصل متن و تفسیر کا انگریزی ترجمہ بھی شامل ھے - دو جلدوں میں“- (بمبئی سنہ ۱۸۱۸ع) اس نادر نسخے کی تفصیل مقدمہ جلد دوم صفحہ ۷ میں موجود ھے - محقق دے ساسی نے کتاب کا معائنہ کیا ھے اور یورنال دے سوانت ھائڈ برگ کی سالیانہ فہرست مطبوعات (صفحہ ۱۹ - ۳۱ اور ۶۷-۷۹) بابت جنوری و فروری سنہ ۱۸۲۱ع میں اس کے دعووں کی قلعی کھول دی ھے - نیز دیکھو Heidelberger Fahrbucher

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

عجیب مگر بالکل جدید فارسی کتاب ' دبستان مذاهب '
میں پڑھے تھے جو وسط سترھویں صدی * میں هندوستان میں لکھی
گئی تھی' تاهم جونز هی وہ پہلا شخص هے جس نے یورپ میں
علما کی توجہ اس (" دبستان ") کی جانب سب سے پہلے
مبذول کی اور اس لحاظ سے وہ هماری تحسین کا مستحق هے -
مگر سنہ ۱۷۸۹ ع † میں اُس نے دبستان کی تعریف جن الفاظ
میں کی هے وہ مبالغہ سے چھلکتے هیں اور یہ هیں :—

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۳)

H. E. G. Paulus از جلد اول بابت ۱۸۲۳ der Litteratur
نمبر ۹' ۱۲' ۱۳' ۱۸ اور ۲۰ اور ارس کن کی کتاب جلد دوم میں
" روئداد انجمن علوم بمبئی "— اس کتاب کی اصلیت کے متعلق
ایس گویار نے اپنے قابل قدر مضمون " امام اعظم اسماعیلین "
(مطبوعہ جرنل ایشیاٹک بابت ۱۸۷۷) طبع علیحدہ صفحہ
۹۱ - ۹۲ میں جو کچھہ رقم کیا هے وہ بدرجہ غایت قرین قیاس معلوم
هوتا هے یعنی یہ کتاب اسماعیلیوں کی تالیف هے اور اس میں
اسماعیلی فرقے کے عقائد و اصول درج هیں —

* " فہرست نسخہ جات قلمی فارسی موجودہ برٹش میوزیم "
صفحہ ۱۴۱ - ۱۴۴ مرتبہ ریو - اس کتاب کی ایشیائی ایڈیشن
کئی ایک هیں اور ایک انگریزی ترجمہ بھی از شی وٹرائر (مطبوعہ
پیرس سنہ ۱۸۴۳ ع " برائے فنڈ مشرقی تراجم ") موجود هے —

† اس نے ایشیاٹک سوسائٹی ' کلکتہ ' ۱۹ فروری سنہ ۱۷۸۹ ع
کے ایک جلسے میں " ایرانیوں پر چھٹے سالانہ لکچر " میں اس
کا ذکر کیا هے (کلیات جلد اول صفحات ۷۳ - ۹۴)

سر ولیم جونز کی خوش اعتقادی اُن کی تشکیک کے برابر برابر اور بے محل ہے

ایک عجیب انکشاف ہوا ہے، اس کے متعلق میر محمدحسین ہندی کی مہربانی سے، جو ہندوستان کے ایک نہایت ذہین مسلمان ہیں، ہم کو سب سے پہلے علم ہوا۔ اس انکشاف نے تاریک مطلع کو دفعتاً منور کردیا اور قدیم ایران بلکہ بنی نوع انسان کی تاریخ کا ایک ایک ورق ہمارے سامنے کھول کر رکھہ دیا ہے، ہم اس تاریخ کی طرف سے بالکل مایوس ہوچکے تھے اور معلومات کے آفتاب کی بھی کسی دوسری سمت سے طلوع ہونے کی توقع نہیں رہی تھی"—

سرولیم جونز کا دساتیر اور دبستان کی بابت مبالغہ آمیز خیال

یہ نایاب مگر دلچسپ رسالہ بارہ مذہبوں کے حالات پر مشتمل اور ایک کشمیری مسلمان سیاح محسن فانی کی تالیف ہے۔ اس کا پہلا باب عجیب‌وغریب ہے۔ شروع کا بیان یہ ہے کہ زرتشتی مذہب سے ایک مدت پہلے ہوشنگ کا مذہب رائج تھا جو ابتدا سے مؤلف کتاب کے زمانے تک تعلیم یافتہ ایرانیوں کا خفیہ مذہب رہا؛ ملت کبوی اور اس میں بڑا اختلاف تھا، شاہانِ ایران نے اس کے بعض ممتاز پیروؤں

پر بڑے ستم توڑے اور وہ لوگ ہندوستان
کی طرف چلے آے؛ یہاں آکر انہوں نے بہت سی
کتابیں لکھیں جو اب ناپید ہیں مگر
جن کو محسن نے دیکھا ہے بلکہ وہ ان کے
مصنفین میں اکثر سے بخوبی شناسا بھی
ہے؛ ان سے محسن کو معلوم ہوا ہے کہ
کیومرث کی تخت نشینی سے ہزاروں
سال پہلے ایران میں سلاطین کا ایک
سلسلہ گزرا ہے جنہیں ماہ آبادیاں
کہتے تھے' اس کی وجہ تسمیہ آگے بیان
کی جائے گی' ان میں سے اکثر تاجداروں
نے دولت ایران کو انتہائی معراج پر پہنچا
دیا تھا' سات آٹھ کے نام و بستان
میں بھی مذکور ہیں' انھی میں ایک کا نام
ماہ بُل یا ماہ بلی ہے - اگر ہم محسن
کے بیان کو جو راقم کے نزدیک مستند ہے'
یقین کے لائق سمجھ لیں تو یہ ثابت ہوتا ہے
کہ ایران کی سلطنت دنیا میں سب سے زیادہ
پرانی سلطنت ہے - البتہ یہ پہلو مشتبہ
رہ جائے گا کہ اس سلسلے کے پہلے بادشاہ
نسلاً عرب تھے یا ہندو یا تاتاری یا ان
سب سے جدا : ہمارا خیال ہے کہ یہ شبہ
اُس وقت رفع ہوسکتا ہے جب کہ ہم قدیم ایران

کے علم و ادب، السنہ و مذہب، فلسفہ و حکمت اور ضمنی طور پر علوم و فنون پر عبور حاصل کرلیں'' —

قدیم تاریخ عجم پر جونز کے خیالات

"اب میں عجمی السنہ و حروف پر چند اچھوتے اور اہم خیالات پیش کرنا چاہتا ہوں، ان میں بعض بیانات ایسے ہوں گے جن کو میں سر دست ثابت نہیں کرسکتا لیکن ناظرین سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ ان پر اعتبار کریں گے کیونکہ یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اس بحث میں ناظرین کے سامنے جستہ جستہ الفاظ کا اعادہ اور مضمون کی بجائے فہرست الفاظ پیش کر کے ان کی توجہ پر بار ڈالا جائے؛ لیکن چونکہ میں کوئی علیحدہ نظام قائم نہیں کرنا چاہتا اور نہ میں نے اپنی قوت فیصلہ کو اپنے تخیل کے ہاتھ سے دھوکے میں پڑنے دیا ہے (کیونکہ میری عادت ہے کہ میں شہادت کے بل پر اشخاص و اشیا کے متعلق رائے قائم کیا کرتا ہوں - اجتماعیات کی بنیاد اسناد پر قائم ہوتی ہے جیسے طبیعیات کی بنیاد تجربے پر)؛ اور چونکہ میں نے مسائل زیر بحث پر عمیق نظر

قال ای هے اس لئے مجھے یقین هے که آپ
میری شہادت پر شبہ نه کریں گے اور
نه یه سمجھیں گے که میں صحیح جادہ سے
متجاوزهورها هوں' خصوصاً ایسی حالت میں
جب که میں آپ کو یقین دلاتا هوں که
میں کسی ایسی چیز کا دعویٰ نه کروں گا
جسے میں پورے طور پر ثابت نہیں
کرسکتا " —

ولیم جونز کی غلطیاں

ان بیانات سے صاف ظاهر هوتا هے که سر ولیم جونز اثبات و انکار میں مکابرہ سے کام لیتا تها اور بدبختی سے بارها دونوں صورتوں میں بر سر غلط هوتا تها - وہ به تیقن اور " بلا خوف تردید " سائی رس، اور شاهنامے کے غیر تاریخی کیخسرو (کاوہ هسروہ یا هسروقه مذکور اوستا) کو ایک هی شخص اور غیر تاریخی سلاطین پیشدادی کو شاهان آسور سمجھتا هے۔ کم بی سیز (قدیم عجمی کتبوں پر کمبوجیا) کو فارسئی حال کے " کام بخش'' سے مشتق اور بجاے نام کے خطاب شاهی ٹهیراتا هے' اسی طرح زرکسیز کو (جسےکتبوں میں خشیارشا لکھاهے) شیروئی سے مشتق بیان کرتا هے (اور لطف یه هے آنکتیل نے اهرز کو اثرہ میثیوش سے مشتق کیا تو اس صحیح اشتقاق کو نفرت کے ساتھ رد کردیا اور اس کے بعد یه خیال پیش کرتا هے): وہ اس غلط گمان پر برابر جما رها که ژند اور پہلوی میں کوئی اصلی کتاب باقی نہیں ' دلیل یه که دبستان

کے وسیع‌النظر مصنف کا بیان ہے کہ زراتشت کی تصنیف ناپید ہوچکی ہے اور اس کی جگہ ایک نئی تالیف گھڑلی گئی ہے؛ وہ اس راے کا حامی تھا کہ ایران کی سب سے پرانی زبانیں جو آج تک دریافت ہوسکی ہیں وہ کلدانی اور سنسکرت ہیں، نیز جب یہ دونوں ساقط الرواج ہوئیں تو کلدانی سے پہلوی اور سنسکرت سے ژند نکال لی گئی اور پارسی زبان یا تو ژند سے پیدا ہوئی یا براہ راست برھمنوں کی زبان سے - ایرانیوں کی طرح اس کا بھی خیال تھا کہ جمشید (جو اوستا میں یمہ اور ہندؤں کی کتھاوں میں یمہ کے نام سے مذکور ہوا ہے اور جو ایک ظلی سی ہستی ہے جو ہند - آریائی روایات میں مشرقی طور پر مذکور ہے) وہی شخص ہے جس نے پرسی پولس (استخر) کو بسایا؛ ہنحا منشی کتبے جو اس وقت پرسی پولس میں پائے جاتے ہیں ان کی نسبت اس کی راے تھی کہ ان کے نقش ونگار اگر حقیقت میں زبان کے حروف ہیں تو وہ مقدس نشانات اور اسراری علامات یا محض رموز ہیں جن کی کلید مطالب شاید مذہبی پیشواوں کے قبضہ میں تھی- آخر میں سر جونز جعلی دساتیر کو اصلی تسلیم کرتا ہے، اس کی زبان کو آسمانی زبان کہتا ہے (حالانکہ در حقیقت بعد تحقیق ثابت ہوتا ہے کہ وہ کوئی زبان ہی نہیں بلکہ لایعنی کلمات کا مجموعہ اور مروجہ فارسی کا ایک ناقص چربہ ہے جس میں "تفسیر" قلمبندی ہے) اور اُس کے معانی و مطالب کو دور قدیم کے ایسے بیش بہا تاریخی واقعات بتاتا ہے جن سے آرین قوم کی اصلیت پر بالکل نئی روشنی پڑتی ہے اور یہ ثبوت بہم

پہونچتا ھے کہ " کیومرث کی تخت نشینی سے قبل ایران کا مذھب برھمنوں کا مذھب تھا ...... اور اھل ایران کیومرث کو تعظیماً سب سے پہلا انسان مانتے تھے اگرچہ وہ اس کے بھی قائل تھے کہ کیومرث کے عہد سے پیشتر ایک " طوفان عالمگیر" بپا ھوچکا تھا " - در حقیقت آنکتیل کو پورا بدلہ مل گیا اور یہ مزخرفات اس قانون کی ایک روشن مثال ھے کہ " نا واجب شک اور ناواجب زود اعتقادی " ان دونوں کا ساتھ چولی دامن کا ھے —

سر ولیم جونز کی راے کا اثر

سر ولیم جونز نے اگرچہ قدیم ایران کی تاریخ و زبان کے متعلق فاش غلطیاں کیں لیکن پبلک زندگی میں وہ ایسا ممتاز ھوچکا تھا، معاملات میں وہ ایسا وسیع‌القلب اور غیر متعصب مانا جاتا تھا، علم و ادب میں ایسا فاضل اور تحقیق و تفحص میں ایسا پاکیزہ طبع سمجھا جاتا تھا کہ اس کی راے بالخصوص اس کے وطن میں انتہا درجہ وزن رکھتی تھی —

چنانچہ ھم دیکھتے ھیں کہ اصلی اوستا کے بارے میں اس کا شک آواز بازگشت بن کر انگلستان میں سر جان چارڈین اور رچرڈسن، (فارسی کا مشہور لغت نویس)، جرمنی میں مائنڈر اور ٹائخ زین کے منہ سے نکلا، لیکن آخرالذکر بعد میں آنکتیل کا نہایت سر گرم حامی بن گیا تھا اور جس شخص نے ابتداھی سے آنکتیل کی حمایت میں جوش دکھایا وہ جرمنی کا فاضل کلیوکر تھا - اس نے آنکتیل کی کتاب کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا اور اس کے ساتھ کئی ضمیمے لگائے، تاھم انگلستان میں

اُس وقت سر ولیم جونز کی رائے کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکی اور آنکتیل کا ترجمہ " ایک جعلی اور ناقابل توجہ شے کی طرح الگ پھینک دیا گیا * " بر خلاف اس کے فرانس میں ابتدا سے اس کو قدر و منزلت کا وہ رتبہ بخشا گیا جو آج عالمگیر طور پر اُس کا حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس قدر شناسی کے تدریجی مدارج کی تفصیل معلوم کرنا اس کتاب کے مقصد سے خارج ہے، اس لئے ہم صرف چند موٹی موٹی باتوں کا تذکرہ کریں گے۔ جن صاحبوں کو پوری تفصیل کی تلاش ہو وہ ہوگ اور دارمشتیٹر کے بیانات ملاحظہ کریں جن کا حوالہ اس صفحہ کے حاشیہ میں درج ہے، فیز گیلڈنر کا مضمون " کتب متعلقہ اوستا " جلد دوم صفحہ ۱ - ۵۳، خصوصاً صفحہ ۴۰ تاریخ تحقیق اوستا) جو گیگر و کوہن کی " اساس لسانیات عجم " (ستراس برگ ۱۸۹۶) میں طبع ہوا ہے —

دےساسی اور آنکتیل

آنکتیل کی حمایت میں جس شخص نے سب سے پہلے قلم اُٹھائی وہ اُس کا ممتاز ہمعصر ایس دے ساسی تھا، اُس نے سنہ ۱۷۹۳ ع میں " رسالہ علما " میں قدیمیات اہل ایران پر پانچ مشہور مضامین شایع کئے جن میں خصوصیت کے ساتھ آل ساسان کے پہلوی کتبوں پر بحث

---

* " اہل ایران " از ہوگ صفحہ ۱۶ - ۵۳، مرتبہ ویسٹ، طبع سوم، اور مقدمہ ترجمۂ اوستا از دارمشتیٹر جو میکس ملر کے صحائف مقدسہ " مطبوعہ اوکسفورڈ (۱۸۸۰) جلد چہارم صفحہ مقدمہ ۱۳ - ۲۵، میں طبع ہوا ہے، کتاب کے اس حصے میں ہم نے ان دونوں کتابوں سے بہت استفادہ کیا ہے —

کی گئی ھے - تےساسی نے کتبوں کے پڑھنے اور سمجھنے میں یونانی تراجم کے علاوہ ' جو بعض کتبوں کے ساتھہ شامل ھیں ' آنکتیل کی فہرست الفاظ (مشمولۂ جلد سوم ۴۳۲-۵۲۹)سے خاص طور پر استفادہ کیا ھے - دارمشتیتر کا قول ھے کہ " اس طرح تحقیقات کی ترقی کا باعث ھوکر آنکتیل کی تصنیف نے اپنا انتقام خوب لیا کیوں کہ یہ صورت تردید هزاروں دلائل سے بہتر ھے "- اوستا کے کہنہ ترین نسخے جو اب تک معلوم ھوسکے ھیں ' چودھویں صدی عیسوی تک کے ھیں اور دور ساسانی کے کتبے ' تیسری صدی تک کے ' اس لئے اُن کا فرضی ھونا ایک لمحے کے لئے بھی گوارا نہیں کیا جاسکتا' اگر آنکتیل کی فہرست الفاظ ان کتبوں کی کنجی ثابت ھوئی تو اس کے صاف معنی یہ ھیں کہ آنکتیل نے جو پہلوی اپنے دستوروں سے سیکھی تھی وہ ساسانی عہد کی اصلی زبان تھی اور نیز یہ کہ اس میں سامی الفاظ مثلاً ملکا (بادشاہ) شنت (سال) اب (باپ) شمسا (سورج) لا (نہیں) کا اختلاط ایک امر واقعہ ھے ' اس کی صحیح توجیہہ خواہ کچھہ ھو تاھم سرولیم جونز نے ان الفاظ کو عربی* سمجھہ کر (گو بعد میں اُس نے اُن کو کلدانی† تسلیم

* خط بنام جناب الف............ باشندہ پ کے .... صفحہ ۴۱۰ :— جب ھم یہ دیکھتے ھیں کہ عربی کے یہ بگڑے ھوے الفاظ ژند و پہلوی کے الفاظ بیان کئے گئے ھیں تو ' ھم ڈنکے کی چوٹ کہہ سکتے ھیں کہ اس مکار (یعنی مقدس داراب) نے آپ کودھوکا دیا اور ' آپ اپنے ناظرین کو دھوکا دینا چاھتے ھیں —

† سر جونز کی تصنیفات کی جلد اول صفحہ ۸۱ —

کرلیا) دعوی کیا تھا کہ یہ الفاظ اپنی عبارت کی نسبت عدم قدامت کی شہادت دیتے ھیں اور ثابت کرتے ھیں کہ آنکتیل کا ان کی عبارت کو قدیم سمجھنا ایک زود اعتقادی حماقت تھی اور اس کے معلم دستوروں نے اُس کو دھوکا دیا تھا مگر آنکتیل کو تو کیا دھوکا دیا گیا تھا جونز نے خود ھی دھوکا کھایا - چنانچہ تائخ زین بھی نہایت شد و مد کے ساتھہ اس کی تائید کرتا ھے:—

> یہ امر اس بات کا ثبوت ھے کہ پہلوی آل ساسان کے عہد میں رائج تھی کیونکہ یہی وہ سلاطین ھیں جنھوں نے یہ کتبے کندہ کرائے اور یہی وہ لوگ ھیں بلکہ ان کا پہلا بادشاہ اردشیر بابکاں وہ شخص ھے جس نے تعلیم زرتشت کو دوبارہ فروغ دیا - اب یہ بات بخوبی سمجھہ میں آجاتی ھے کہ ژندی کتابیں پہلوی زبان میں کیوں ترجمہ کرائی گئی تھیں' یہاں پر ھر چیز گواھی دیتی ھے اور بآواز بلند پکارتی ھے کہ وہ اصلی ھیں اور قدیم ھیں*—

الغرض تے ساسی نے جن کتبوں کو مذکورۂ بالا طریق سے پڑھا تھا یوروپ اُن سے اُس وقت واقف ھو چکا تھا جبکہ

---

* اس حوالہ کو دارمشتیٹر نے ترجمہ ویندیداد کے (صفحہ ۱۹-۲۰) دیباچہ میں نقل کیا ھے دیکھو گذشتہ دو نوٹوں سے قبل کا نوٹ (اهل ایران از هوگ.........) —

سیموئل فلوور نے سنہ ۱۷۹۷ع میں اُن کے چربے اُتار کر "رسالہ اعمال فلسفیانہ" بابت جون سنہ ۱۶۹۳ع (صفحہ ۷۷۵ تا ۷۷۷) میں اُنھیں شائع کیا تھا - ان کتبوں کی مزید نقلیں شاردن (سنہ ۱۷۱۱ع) نی بور (سنہ ۱۷۷۸ع) اور کچھہ عرصے بعد دوسرے سیاحوں* کی تصنیفات کے ساتھہ طبع ہوئیں اور

پہلوی کتبے

گو کہ ڈاکٹر ھائڈ نے بھی اپنی کتاب میں اُن کو چھاپ دیا تھا لیکن ڈے ساسی وہ پہلا محقق ھے جس نے کم و بیش صحت کے ساتھہ اُن کا ترجمہ پیش کیا - ڈے ساسی کے مضامین (طبع ۱۷۹۸) کی اشاعت کے پانچ برس بعد

سین پارتھے لے می

پال ڈے سین پارتھے لے می نے (جو آباء کرملیہ میں سے تھا) بمقام روم اپنا مضمون "السنۂ سنسکریتیہ و جرمنیہ کی قدامت اور باھمی قرابت" شائع کیا جس میں اُس نے قدامت اوستا پر دلائل قایم کی ھیں بلکہ یہ ظن بھی ظاھر کیا کہ اوستا کی زبان اور سنسکرت† دونوں میں کوئی

---

* دیکھو ویسٹ کے مضمون ادبیات پہلوی میں ساسانی کتاب کا حال جو "سیاست لسانیات عجم" جلد دوم صفحہ ۷۶-۷۹ میں طبع ہوا ھے؛ نیز دیکھو "مضمون بر پہلوی" از ھوگ (طبع بمبئی اور لندن سنہ ۱۸۷۰ع)، اس مضمون کے شروع میں اس مسئلے پر تفصیل کے ساتھہ بحث کی گئی ھے کہ پہلویات میں یورپ نے عہد بعہد کتنی اور کیونکر ترقی کی -

† ڈارمسٹیٹر کی کتاب مذکور صفحہ مقدمہ ۲۱، یہی خیال

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

نہ کوئی تعلق ضرور ہے—

قدیم فارسی کتبوں کی تحقیق۔ گروٹ فنٹ

عجمیات کے متعلق دوسرا کارنامہ اور جو شاید اس فن کا سب سے بڑا کارنامہ ہے، پیکانی کتبوں کا حل کر لینا ہے (یہ وہ کتابے تھے جن کا خط اور زبان دونوں نا معلوم تھے)۔ ان کتبوں کے حل کے متعلق پہلی اہم منزل گروٹ فنٹ نے ۱۹ ویں صدی کے آغاز میں طے کی۔ اس محقق کی تحریریں صفائی استدلال اور وسعت نظر کے نمونے ہیں، جن کو گاٹن جین کی جمعیۃ العلوم شاہی کے کاغذات میں سے حال ہی میں نکالا گیا ہے اور ڈبلیو میئر نے سوسائٹی مذکور کی روداد بابت ۱۳۔ ستمبر سنہ ۱۸۹۳ع صفحہ ۵۷۱ – ۶۱۶ میں شائع کیا ہے۔ ان میں سب سے پہلی تحریر ابتداء ۴۔ ستمبر سنہ ۱۸۰۲ع کو پڑھ کر سنائی گئی تھی، دوسری ۲ اکتوبر، تیسری ۱۳ نومبر سنہ مذکور کو اور چوتھی ۲۰ مئی سنہ ۱۸۰۳ع کو۔ اس وقت یعنی ۱۹ ویں صدی سے پہلے اگرچہ ٹائخ زین اور میئر ان کتبوں کے پڑھنے میں کچھ کوششیں ضائع کر چکے تھے لیکن جیسا کہ ڈاکٹر ہائڈ کی تصنیف کی تنقید میں ہم دیکھ چکے ہیں عوام بلکہ علماء کا یہ بھی خیال تھا کہ کتبوں کے حروف کسی زبان کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۴)

جواب مسلم الثبوت ہو گیا ہے (کہ اوستا کی زبان اور سنسکرت آپس میں دو بہنیں ہیں) ڈے ساسی نے "رسالہ علماء" بابت مارچ سنہ ۱۸۲۱ع صفحہ ۱۳۶ میں نہایت صحت و صفائی کے ساتھ قائم کیا تھا—

حروف نہیں ہیں، وہ یا تو عمارات کے نقش و نگار ہیں یا کیڑوں مکوڑوں کا کام، اور یہ نہیں تو معماروں کے بنائے ہوئے نشانات یا اعدادی علامات ہیں۔ حسن اتفاق کہ اس مسئلہ پر گروٹ فنڈ اور اس کے ایک دوست فائی اوری لو کے درمیان جھگڑا ہوگیا: گروٹ فنڈ اس نکتے پر زور دیتا تھا کہ جن کتبوں کی زبان اور حروف نامعلوم یا گمنامی میں مدفون ہوں ان کا انکشاف حال بالکل ممکن ہے، چنانچہ اس ضد پر اس نے تحقیقات کی طرف قدم بڑھایا اور پہلے نوشتے میں ذیل کے اہم مگر عام نتائج مرتب کئے:—

گروٹ فنڈ کے عام نتائج	(۱) کتبوں کی علامتیں علامات خط ہیں —

(۲) کتبے تین مختلف زبانوں میں قلمبند ہیں، ہر ایک زبان کا رسم الخط جدا ہے اور ایک کتبہ دوسرے کا ترجمہ ہے —

(۳) بالخصوص پہلی قسم (قدیم فارسی) کے کتبے اور دوسری کے بھی "حروف" سے مرتب ہیں نہ کہ تصاویر مقاطیع یا تصاویر کلمات ہیں، جیسے کہ آسوری اور چینوں کے ہاں رائج ہیں —

(۴) معلوم پیکانی کتبوں کی سمت
تحریر یکساں ہے یعنے ان میں
سے ہر ایک متوازی الافق سطور میں
بائیں سے دائیں طرف لکھا ہوا ہے -

گروٹ فنٹ کا طریق تفحص

یہ نتائج آج مسلم الثبوت مانے جاتے ہیں - گروٹ فنٹ نے ان کی روشنی میں پہلی قسم کے دو کتبوں کو تفصیل کے ساتھ جانچا اور یہ نتیجہ نکالا کہ ان کی زبان ژند (یعنی اوستائی) ہے (یہ قیاس اگرچہ بعد میں صحیح ثابت نہ ہوا لیکن صحت کے قریب نکلا) اور ان کا تعلق " کسی قدیم تاجدار ایران سے ہے جو سائی رس اور سکندر کے درمیانی زمانے میں گزرا ہے " یا بالفاظ دیگر سلاطین ہخا منشی * سے - آل ساسان کے پہلوی کتبوں کو دے ساسی پہلے پڑھ چکا تھا لیکن جب گروٹ فنٹ نے ان کو دیکھا تو ان کی مدد سے اس کو خیال آیا کہ پہلے کتبے کا پہلا لفظ ضرور اس خاندان کے بادشاہ کا نام ہے اور دوسرا بادشاہ کا لقب ' پھر اس نے دیکھا کہ جو نام دوسرے کتبے کے شروع میں آیا ہے وہ پہلے کتبے میں لقب کے بعد لکھا ہوا ہے - ساسانی کتبات کے نمونے پر گروٹ فنٹ نے اس سے یہ صحیح نتیجہ اخذ

---

* کتبات قسم اول کی نسبت اس کا یہ خیال کہ وہ خسروان ہخامنشی کے عہد سے متعلق اور فارسی قدیم میں ہیں اس وجہ سے پیدا ہوا کہ ان بادشاہوں کے نام کتبات میں ہمیشہ صدر میں مذکور ہیں —

کیا کہ اس لفظ سے شہنشاہ مراد ہے اور آخر میں جو
خفیف سا فرق ہے وہ علامت مضاف الیہ کے لاحق ہونے کی
وجہ سے ہے، پھر اس سے یہ پتہ لگایا کہ پہلےکتبے کے دو
ناموں میں سے ایک باپ کا نام ہے اور دوسرا بیٹے کا،
ان میں سے ایک کو، تائخ زن نے ملکیوش تجویز کیا تھا،
گروٹ فنت نے اس کو دارا سے زیادہ مطابق پایا جو
دانیال عزرا اور نحمیاہ کی کتابوں میں داری یا ووش
(دریاویش) کی شکل میں ملتا ہے اور دوسرے کو تائخ زن
نے اوش پت شہ پڑھا تھا، گروٹ فنت نے زر کسیز (حشیر شہ)
بیان کیا، کیونکہ قدیم فارسی کتبات میں یہ دونوں نام
سات سات جداگانہ حروف سے مرکب ہیں (جیسا کہ اب یہ
پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے ان میں سے پہلے کے سات
حروف یہ ہیں:- د، ا، ر، ے، د، و، ش- دوسرے کے یہ:-
ک، ش، ے، ا، ر، ش، ا)، ان میں سے ایک حرف الف دونوں
ناموں میں تین بار آتا ہے اور تین حروف یعنی ر، ے،
ش، دو بار اور ہر نام کے مجموعہ حروف میں ان حروف
مکررہ کے محل سے ان کی تعیین میں مزید امداد ملی۔
اچھا، مورخان یونان کے نوشتوں سے اس وقت معلوم تھاکہ
دارا، هستاس پیز کا بیٹا تھا جو آنکتے کی تصنیف میں
گشتا سپ، و شتاسپ وغیرہ کی اصل شکلوں میں لکھا ہوا
ہے اور کتبہ زر کسیز کی مثال سے یہ گمان غالب معلوم
ہوتا تھا کہ دارا نے بھی اپنے کتبے میں اپنے باپ کا نام

ضرور لکھا ہوگا بلکہ فی الحقیقت دارا کے اس کتبے میں مناسب مقام پر دس حرفوں کا ایک مجموعہ موجود ہے جس کے آخری تین حروف کو (جو ا ب ہ ' یے' ا' تسلیم کرلئے گئے ہیں) پہچان لیا گیا تھا کہ وہ مضاف الیہ کا لاحقۂ حالت ہیں' باقی ماندہ سات حروف میں سے دو یعنی تیسرا حرف ش اور پانچواں حرف الف پہلے سے معلوم ہو چکا تھا اور اس نام کی اوستائی اور یونانی شکلوں میں جو اجزا مشترک تھے اُن کے لحاظ سے اس مجموعے کا چوتھا حرف ت' چھٹا س' اور ساتواں پ فرض کیا جاسکتا تھا - اب ابتدا کے دو حروف باقی رہ گئے' ان میں سے ایک کے متعلق تو صاف ظاہر تھا کہ وہ حرف صحیح یعنے گ' یا و' ہے اور دوسرا حرف علت (لیکن یہ پیش کا حرف نہ تھا جو معلوم تھا لہذا قیاساً زیر کا حرف خیال کیا جاتا تھا) مگر گروٹ فنڈ نے دراصل ان کے مجموعے کو "گو" بجائے 'وِ' پڑھا تھا —

تفحص کا ثمر

ایسے مہتم بالشان اور معین نتائج تھے جن کی طرف گروٹ فنڈ کا ذہن منتقل ہوا' اس نے مزید کاوش کی لیکن رہ گیا' کیونکہ ایک طرف تو اُس کو یہ دھوکا ہوگیا تھا کہ کتبوں کی زبان اوستا کی زبان ہے' اس پر یہ غلط فہمی مستزاد کہ اوستا کے متعلق آنکتیے کے بیانات ناقص اور بہت سی جزئیات بالکل غلط ہیں اور دوسری طرف کتبوں کے انکشاف و افہام کے لئے اُس کے پاس جو کچھہ مواد موجود تھا وہ قطعاً ناکافی تھا - پس جیسا کہ اس وقت معلوم ہوچکا ہے گروٹ فنڈ کا تعین

حروف کتبات به مشکل نیم صحیح تھا اور متن کتبات کا ترجمہ و نقل فقط تقریبی طور پر قرین صحت' چنانچہ استخر کے کتبوں میں ایک کتبہ (نی بور پلیٹ ۲۴' اشپیگل کی تصنیف مسماری (میخی) کتابے' مرتبہ ۱۸۶۲ صفحہ ۴۸ ب) جس پر گروت فنت نے خاص عرق ریزی کی تھی آج کل بالفاظ ذیل تسلیم کیا جاتا ہے:—

داریاوش، خشایتھیہ، وزرکہ،
خشایتھیہ، خشایتھیانام، خشایتھیہ
دھیونام، وشتاسپہیہ، پُتره ھخا
منیشیہ، ھیہ، اِمم تچرم، اکونوش
دارا، شاہ اعظم، شاہ شاھان،
شاہ صوبجات، ابن گستاسپ
ھخامنشی، جس نے یہ معبد
تعمیر کیا

گروت فنت کی نقل اور ترجمہ یہ ہے:—

دارھیوش، خشی ھی او، ایگریہ،
خشی ھی او، خشی ھی اوھیت
چاؤ، خشی ھی او، داھوت چاؤ،

گنشقا سپاهی، بون، آخیوت
چوشوہ، آلا، اوومورو، ایزت
چوش
تے ری آس، ریکس فارتس،
ریکس ریگم، ریکس دھووم
(فی لی آس)، ھستاس پس،
استو پس منڈی ریک تورس،
اِن کونستیلیشون میسکولا، مورو
...... ایزو

تفحص کی قدر و قیمت

تاہم اگرچہ گروٹ فنت کی ہر ایک کوشش سر سبز نہوی لیکن اس نے جو کچھہ کر دکھایا اس کی کوشش کی ھمت بھی غالباً کسی کو نہوتی۔ اس کا طریق تفحص اور مستنبط نتائج آیندہ تحقیقات کے لئے چراغ ھدایت ثابت ہوے اور ان کی بدولت چیستان کتبات کا ایک ایک حرف حل ھوگیا۔ تے ساسی نے، جس کے نقش قدم پر گروٹ فنت نے اپنا قدم ڈالا تھا، سب سے پہلے گروٹ فنت کے نتائج کی منزلت بلند کو سمجھا اور چار دانگ عالم میں اس کی اشاعت کی، بخلاف اس کے سین مارٹا ن کے پیش کردہ لیکن مخالفانہ طریق تفحص کو

ایوان مقبولیت میں بار یابی نہ ہوئی *—

رولنسن، برنوف اور لاسن کی مزید ترقی

اس کے بعد مگر تقریباً اسی زمانے یعنی سنہ ۱۸۳۶ – ۱۸۳۷ع میں تین اشخاص لاسن، برنوف، اور رولنسن نے حل کتبات میں معتدبہ ترقی کی، آخرالذکر علحدہ طور پر ایران میں مصروف تھا اور اس کو انکشافات گروٹ فنڈ کا مطلق علم نہ تھا، اس نے دارا کے بے ستون والے عظیم الشان کتبے کے پہلے جزو میں یہ نام پڑھ لئے تھے :- ارشامہ، اریارامنہ، چیش پیش اور ھخامنش - برنوف سنسکرت داں تھا اور اس زبان سے کچھہ مقابلی طریق پر اور کچھہ نیر یوسینگ کے ترجمہ سنسکرت کے ذریعہ اوستا کے مطالب معلوم کرنے میں کام لے چکا تھا اور اب وہ یاسنا پر اپنی مہتم بالشان ا تصنیف کو ختم کر کے پیکانی کتبوں کی تدقیق میں مصروف ہوا، اس سلسلے میں اس کو وہ تازہ مواد ھاتھہ لگ گیا جسے بد نصیب سیاح شولتز نے اضلاع وان ا اور الوند سے فراھم کیا تھا، گو برنوف کی

---

* انکشاف کتبات کی تفصیل و ترقیٔ مزید کے متعلق دیکھو "حل کتبات کی تاریخ مختصر" جو اس کی کتاب "مسماری کتابے" محولۂ بالا میں شامل ھے، نیز "اساس لسانیات عجم" از گیگرو کوھن جلد دوم صفحہ ۶۴ - ۷۴ اور کتاب "تاریخ قرات و حل کتبات"—

ا "تفسیر یاسنا" (پیرس ۱۸۳۳ – ۱۸۳۵)

ا "دو کتبے" ا پیرس ۱۸۳۶)

تحقیقات کو لاسن کے زرین نتائج نے کسی قدر ماند اور نظروں سے اوجھل کردیا تھا - مگر سب سے پہلے اسی نے ممالک کے ان ناموں کی فہرست کی طرف توجہ دلائی جو دارا کے کتبۂ اعظم میں درج ہیں - اس کے علاوہ اُس نے ذات باری کا نام یعنی اھورمزد اور چند دیگر الفاظ پڑھ لئے اور بتایا کہ کتبوں کی زبان اوستا کی زبان سے قریبی تعلق رکھتی ہے' لیکن بعینہ وہی نہیں اور کتبوں کی عبارت میں حروف اعراب شروع کے علاوہ کسی اور مقام پر ظاہر نہیں ہیں - فہرست مذکورہ اس نے ۱۸۳۵ ع کے موسم گرما میں لاسن کو بھیجی' اس ذریعہ سے لاسن نے حروف کا تعین صحت سے انتہا درجہ قریب کردیا اور اس امر کو دامن ثبوت تک پہنچا دیا کہ سنسکرت کی طرح کتبوں کی زبان میں بھی اکثر حروف صحیح ہوئے فتحہ اپنے ساتھ مستتر رکھتے ہیں (یعنی اکثر حروف کو اِشمام فتحہ کے ساتھ تلفظ کرتے ہیں)' مثلاً اس نے بیان کیا کہ س'پ' ر' د' سپردہ (ہ کی آواز الف* کے مثل اور نہایت خفیف سمجھنی چاھئے) کا قائم مقام ہے- آیندہ چار سال کے اندر اندر (یعنی ۱۸۴۰ ع) تک لاسن کے انکشافات واستنباط نے محققان بیرا و یاقے کے ہاتھوں توسیع و تشریح و تصحیح پائی' کلاڈ جیمس رچ' برطانوی ریذیڈنٹ مقیم بغداد کا فراہم کردہ سرمایۂ معلومات شائع ہوا اور ویسٹر گارڈ کتبات استخر کی نئی مگر زیادہ صحیح نقلیں اُتار کر لایا —

---

* یہ "ہا" ہائے مختفی ہے —

قدیم فارسی کی مزید تحقیق

عجمیات (پرشین اسٹڈیز) کے شعبۂ زیر بحث کی مزید ترقی پر تفصیلاً گفتگو کا یہ موقع نہیں، صرف اتنا بیان کئے دیتے ہیں کہ ۱۸۵۲ ع میں لاف ٹس اور ۱۸۸۴ میں ڈی لا فوئے نے بعض چیزیں سوس میں دریافت کیں؛ ۱۸۷۶ ع اور سنین متعاقب میں سٹولہ نے استخر پہونچکر کچھہ تصویریں اُتاریں اور ۱۸۸۲ ع میں بمقام برلن "پرسی پولس" فام کی دو جلدوں میں طبع کرایا؛ اس کے بعد یھینگ، بار تھولومے، بالن سین، فائے، هالیوی، هتسخ، حبیشن مان، کرن، ملر، میناں، سایس، تھمب اور دوسرے محققوں نے بعض مسائل پر روشنی ڈالی۔ موسیو کو مت ڈے گوبی نو نے اپنی کتاب موسومہ "مسماری کتبوں پر رسالہ" (پیرس ۱۸۶۴ ع) میں کتبوں کی عبارت کو طلسمی ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن یہ مہمل خیالات اس لایق نہیں کہ ایک لمحے کے لئے ان کی طرف متوجہ هوں، البتہ کتبوں کے رسم الخط، ان کی حقیقت و نوعیت پر اپرٹ نے جو نکتہ آفرینی کی ھے وہ بالاختصار ذیل میں قلم کے حوالہ کرتے ھیں:—

فارسی کے پیکانی حروف پر محقق آپرٹ کی رائے

قدیم فارسی اور آسور کے پیکانی حروف بظاھر ایک دوسرے سے مشابہ ھیں، لیکن اس مشابہت کے باوجود ایک نہایت اھم خصوصیت میں اختلاف رکھتے ھیں۔ جیساکہ اوپر بیان ھوچکا ھے فارسی قدیم کے حروف میں حروف ابجد کی پوری شان پائی

جاتی ھے ' ان کی مجموعی علامات تعداد میں ۴۱ ھیں ' ان میں سے چار " علامات لفظ * " یعنی بار بار آنے والے الفاظ اھورمزد ' بادشاہ ' ملک ' زمین کے لئے مختصر سے اشارے ھیں اور ایک وقفے کی علامت ھے جو الفاظ کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کا کام دیتی ھے - آسوری حروف چند مقاطع ھیں بلکہ یوں کہنا چاھئے کہ وہ تصاویر مقاطع یا تصاویر کلمات کا ایک مجموعہ ھیں جو چینی یا مصریوں کے تصویری رسم الخط سے ملتا جلتا ھے ' دوسرے لفظوں میں اس کا مفہوم یہ ھے کہ آسور کی تحریری علامتیں خیال یا معنی پر دلالت کرتی ھیں اور اُن آوازوں کو پیش نہیں کرتیں جو معانی کا قالب صوتی ھیں ' ظاھر ھے کہ اس قالب صوتی کو ان علامات سے ایک اتفاقیہ تعلق ھے ' چنانچہ قدیم تر اکادی زبان کا لفظ آسوری زبان میں منتقل کیا جاتا اور اس کے معنی بجنسہ قایم رھتے لیکن اس کی آواز بدل جاتی - اب آپرٹ یہ قیاس لاتا ھے کہ فارسی قدیم کے حروف اس وقت ایجاد ھوے تھے جب کہ دولت میڈیا کو زوال اور ھخا منشی طاقت کو عروج ھوا تھا اور یہ حروف آسور کے تصاویر مقاطع سے بہ اسلوب ذیل اخذ کئے گئے تھے :-

آسوری سے ایک تصویر لیکر اُسے
فارسی لفظ کی تصویر مقطع کی آواز
عطا کردی جاتی تھی یا بالفاظ دیگر
آسوری فارسی کی تصویر تصور کرلیا

---

* جیسے (ص) صلعم کے لئے — (مترجم)

جاتا، پھر اس تصویری علامت کو تحلیل کرکے ایک سادی صورت میں لے آتے اور اس کو فارسی لفظ کی پہلی آواز کے لئے بطور ایک حرف کے مقرر کردیتے، یہ عمل تحلیل و تعین اس وقت تک برابر جاری رہا جب تک کہ فارسی زبان کی کل اوزاروں کے لئے تحریری علامات یا حروف پورے نہ ہوگئے۔ اس ترکیب سے چھٹی صدی قبل میں اہل ایران نے نظام تصاویر مقاطع سے (جو غالباً ابتدا میں تصویروں کا مجموعہ تھا) ترقی کرکے مکمل حروف تہجی پیدا کرلئے؛ لیکن اس تحلیل و تجزیہ کا عمل اُس مقام پر آکر رک گیا جہاں حروف صحیح سے وابستہ علامات حرکت (یعنی فتحہ کسرہ، ضمہ) کو جدا کرنا پڑتا تھا۔ لہذا مندرجۂ ذیل اجزا کے لئے ایرانیوں کو مختلف حروف ایجاد کرنے پڑے :-

کا، کو؛ گا، گو؛ جا، جی؛ دا، دی، دو؛ ما، می، مو؛ وغیرہ * ——

---

* ان اجزا میں حروف علت کو حرکات کا قائم مقام سمجھنا چاہئے (مترجم) ——

فارسی پر آسوری اثر

یہ موقع اس امر کا ایک مزید ثبوت ہے کہ ایران سنین ماضیہ سے کس درجے سامی اثرات کا تابع رہا ہے، پہلے پہل آسوری اثر محیط ہوا، پھر آرامی اور سب کے بعد عربی۔ استخر اور بے ستون والے منقوشات میں یہ اثر ایسا ہی نمایاں ہے جیسا کہ کتبات میں، اور حسب تحقیق اشپیگل ("ایران قدیم" جلد اول صفحہ ۱۴۲۶-۱۴۸۵) اس کے نشانات اقلیم مذہب میں بھی ایسے ہی روشن اور نمایاں ہیں، نیز غالباً سیاسیات، نظام اجتماعی، شعبہ قانون اور فنون حرب میں بھی سامی اثرات کی حکومت آشکارا ہے۔ ایران کا "شاہ اعظم، شاہ شاہاں، شاہ فارس، شاہ صوبجات" صرف طرز بیان اور القاب ہی میں اس "شاہ اعظم، شاہ آسوریہ" کا متقلد نہ تھا، بلکہ اور بہت سی باتیں تھیں جن میں وہ آسوریوں کے نقش قدم پر چل رہا تھا۔ شاید ان تعلقات سے وہ معمہ بھی حل ہوسکتا ہے جو پہلوی میں ہز واش نے پیدا کر رکھا ہے اور جس نے پہلوي کی صحیح ماہیت کی نسبت ارباب تلاش کو ایک مدت تک مغالطوں میں غوطہ زن رکھا —

پہلوی خط کی خصوصیات

ایک معاصر مورخ ایم میانس مارسی لینس کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلوی زمانے میں آج کل کی طرح ایرانی سپاہ اور رعایا اپنے بادشاہ کو شاہان شاہ کے لقب سے خطاب کرتی تھی (یہ لقب اُس زمانے میں قدیم لقب کھشا یتھیا، کھشا یتھیانام کی بجائے مروج تھا)، لیکن باوجود اس کے اُسی زمانے کا پہلوی محرر پہلوی حروف تہجی سے واقف ہوکر شاہان شاہ کے پرانے لقب

کی بجائے ملکان ملکا لکھتا تھا - اسی طرح پہلوی کاتب
گوشت کے لئے لفظ بسرا اور روٹی کے لئے لحمہ لکھتا تھا۔
صاحب الفہرست اور آغاز دور اسلامی کے دیگر با خبر مصنفوں
کی شہادت سے پایا جاتا ہے کہ وہ ان آرامی الفاظ کو
پڑھتے وقت فارسی الفاظ گوشت اور نان پڑھ جاتا تھا۔ اب
سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسا کیوں کیا جاتا تھا۔ ہماری
نگاہوں میں یہ عجیب اور بالکل خلاف قدرت چیز معلوم ہوتی
ہے؛ اگرچہ ہم بھی چند صورتوں میں تقریباً اسی کے عادی
ہیں-اور i. e. کو 'دیٹ از' e. g. کو 'فار اکزامپل' اور
& کو 'اینڈ' پڑھتے ہیں- تاہم یہ عمل و ضابطہ اُن لوگوں کے لئے
بالکل قدرتی اور آسان تھا جو ایسے تصویری خط اور محض
علامات الفاظ کے عادی تھے جن سے قوت سامعہ کی اعانت بغیر
صرف فہم و ادراک سے کام نکالا جاتا تھا اگر آسور کا باشندہ
مفہوم پدر کے لئے اکادی زبان کی ایک "علامت لفظ" اختیار
کرکے اس کو پڑھتے وقت اپنی زبان کا مرادف لفظ پڑھ جایا
کرتا تھا اور اصل اکادی لفظ کا جس کے لئے یہ علامت مخصوص
تھی اُسے تصور بھی نہ آتا تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ عجم کا
باشندہ آرامی الفاظ ملکا، بسرا، لحما کے ساتھ اسی قسم کا
سلوک نہ کرتا اور ان کو مجموعۂ حروف کی جگہ محض علامات
قہ گردان لیتا - اس میں شک نہیں کہ سابق بحث کے مطابق
پہلوی کا عام رواج اُس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جب کہ آسور
کو نابود ہوئے عرصۂ دراز گزر چکا تھا یعنی دور ساسانی کے
ساتھ (یعنی ۲۲۶ سے ۶۴۰ ع تک) اور اس کے بعد ابتدائی

اسلامی دور سے، لیکن پہلوي کے آثار تیسري اور چوتھی صدی قبل مسیح تک جاتے ھیں اور بقیاس غالب ممکن ھے کہ وہ اس سے بھي قبل کے سنوں میں موجود ھوں۔ ایشیا کی قدامت پسند آب و ھوا میں اس کا تعجب ھی کیا ھے؛ سیاق، جو ایران میں مالیات و حساب و کتاب میں آج بھی عالمگیر طور پر استعمال کیا جاتا ھے، مذکورالصدر بحث کی تقریباً ایک متماثل نظیر ھے، اس میں رقموں کی علامتیں، جو عربی کے معمولی اعداد کی بجاے کام آتی ھیں، دراصل مختلف اعداد کے عربی ناموں کی مختصر و مقطوعہ صورتیں ھیں۔ لیکن ایک ایرانی محاسب ان رقموں کو استعمال کرتے وقت ان کی حقیقت سے یا تو آشنا نہیں ھوتا یا ھوتا ھے تو اسے فراموش رکھتا ھے —

اوستیات کی مزید ترقی

پہلوی مسائل پر مزید روشنی ڈالنے سے قبل یہ مناسب معلوم ھوتا ھے کہ اوستا کی تحقیق و مطالعہ میں مسلسل طور پر جو محنتیں کی گئیں ان کی طرف توجہ منعطف کریں۔ ھم دکھاچکے ھیں کہ لاسن اور برنوف نے کتبات ھخامنشی کے حل میں سنسکرت سے کیا کیا مدد لی اور ضمناً بیان ھوچکا ھے کہ برنوف نے سنہ ۱۸۳۳ — ۱۸۳۵ میں یاسنا پر ایک معرکۃالآرا کتاب لکھی۔ اس کتاب کی تیاري میں اُس کی پہلي فکر یہ تھی کہ متعدد نسخوں کا باھمی مقابلہ کرکے یاسنا کا صحیح متن معلوم کیا جائے، جس کے لئے اُس نے آنکتیل کے فراھم کردہ مواد کو، جو فرانس کے قومی کتب خانہ میں طاق نسیاں کی نذر ھو چکا تھا، استعمال کیا اور نیریو سینگھ کے ترجمۂ سنسکرت کو بھی کام میں

لایا جو اُس وقت سب سے پرانا ترجمہ سمجھا جاتا تھا اور قدیم روائیوں پر دار مدار رکھتا تھا - مگر برنوف نے اس ترجمے کو تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر کس کر اس کا ایک ایک حرف جانچ لیا تھا ' اس کے ساتھہ ساتھہ اُس نے اوستا کی زبان کے قواعد اور تدوین لغت کا کام بھی کیا ' لیکن وہ اس سے زیادہ کچھہ نہ کر سکا کہ دوسروں کو ایک راستہ بتا دیا اور مطالعہ و تحقیق اوستا کے لئے عملی بنیاد قائم کردی - اُس کی مبسوط کتاب کا مبحث یاسنا کے ۷۲ بابوں میں سے پہلا باب ہے جو بجائے خود پوری اوستا کا پانچواں حصہ اور آداب عبادت پر مشتمل ہے اور اگر چہ کچھہ زمانے کے بعد (۱۸۴۴ - ۱۸۴۶ ع) اُس نے یاسنا کے باب نہم کو بھی ویسے ہی اصولوں سے مگر مختصر طور پر کھنگالا لیکن اُس کی کاوشیں اس سے آگے نہ بڑہ سکیں —

جنگ مسالک | اسی زمانے کے قریب محقق بوپ کی مہتم بالشان قواعد شائع ہوی جس میں اُس نے مختلف آرین یا انڈو یورپین زبانوں کی صرف‌ونحو کا مقابلہ کیا ہے - اس کی اشاعت نے محققان اوستا کے درمیان ایک نیا اختلاف پیداکر دیا ' اور دو مسلک ایک دوسرے کے مخالف قائم ہو گئے - ایک نے روایات کو رہبر بنایا اور دوسرے نے مقابلۃ السنہ کو - اس وقت تک ہر ایک سمجھدار اور لائق محقق کو اوستا کے اصلی ہونے میں کوئی شک نہ رہا تھا لیکن سوال یہ تھا کہ اوستا کے سمجھنے میں پارسیوں کی

روایتوں پر کہاں تک اعتماد ہونا چاہئیے - برنوف نے اپنی تصنیف میں نیریو سینگ کی تفسیر بالروایت کو اپنا رهنما بنایا تھا (کیونکہ اُس وقت تک اوستا کے قدیم تر پہلوی تراجم اچھی طرح سے سمجھہ میں نہ آسے تھے اور اس لئے زیادہ کار آمد نہ ہو سکتے تھے) ' اس لئے وہ حامیان روایت کے ساتھہ تھا اور روپ اهل مقابلہ کا حامی؛ کیوں کہ وہ سنسکرت کا ماہر اور زبانوں کو اصول مقابلہ سے جانچنے میں مشاق تھا اور وہ اوستا کے مطالعہ کو سنسکرت کی لسانیات کی فقط ایک شاخ قرار دیتا تھا - اسی اثناء (۱۸۵۴ – ۱۸۵۸) میں ویسترگارڈ اور اشپیگل نے اوستا کے متن کو طبع کرا کے محققین کا ایک لشکر صف آرا کر دیا جس کا ہر ایک فرد اپنے اپنے طور پر اوستا کی گتھیوں کو سلجھانے میں مصروف ہو گیا اور اهل مقابلہ و حامیان روایت کے درمیان ایک جنگ ' جس کا نام دارمشتیتر نے جنگ مسالک رکھا ہے ' برپا ہو گئی - حامیان روایت کے اراکین میں برنوف کے بعد شپیگل اور یوستی کا مرتبہ ہے اور ان سے اتر کر دے ہارلتس اور گائگر کا - مقابلئین میں بنفی اور روتھہ صف اول میں ہیں - ونڈشمان کی حیثیت خط وسط پر قائم ہے ' هاگ ابتداً بنفی (یعنی اهل مقابلہ) کا سرگرم مقلد تھا ' لیکن جب وہ ہندوستان سے واپس آیا تو روایات پارسی کا دم بھرتا ہوا ' اور اس نے پہلویات میں اسقدر کام کیا کہ اس کا نام سالاران قافلہ میں درج ہے ' هاگ کا تتبع ویسٹ نے کیا اور یہ اس قدر کامیاب ہوا کہ اس سے بھی

زیادہ کامیابی حاصل کی، بقول گیلڈنر* اس کی صحت نظر اور بے مثل تبحر نے پہلویات کو ادنیٰ درجے سے اُٹھاکر بلند مرتبے پر پہنچایا اور بالواسطہ اوستیات کے طریق مطالعہ کی اصلاح کی۔ لیکن پہلوی روایات کو جس بے نظیر شخص نے نہایت فراست وجامعیت کے ساتھہ استعمال کیا وہ بے نظیر فاضل مرحوم ڈارمشٹیٹر تھا، اس نے نہایت احتیاط اور صحت اور کامل طریقہ پر روایتوں کے ساتھہ اصل متنوں کا مطالعہ بھی کیا۔ نہایت مسرت کا مقام ھے کہ اگرچہ اُس نے گیلڈنر کی تنقیدِ متون کے طریقوں پر سخت نکتہ چینی کی تھی لیکن آخرالذکر نے اس کی تصنیف اور طرز استدلال کو ان شریفانہ الفاظ میں بیان کیا ھے † :—

ڈارمشٹیٹر اور اس کے تاریخی طریقہ پر گیلڈنر کی تحسین

"ڈارمشٹیٹر ابتدا ھی سے ساسانی توجیہے کا سرگرم حامی اور پہلوی کے اسراروں سے واقف تھا، لیکن اُس نے اپنی آراء کا ماخذ صرف ان ھی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس نے بخوبی محسوس کرلیا کہ

* دیکھو گیلڈنر کا پاکیزہ مضمون "تحقیق اوستا کی تاریخ" جو گائگر و کوھن کی کتاب "اساس لسانیات عجم" جلد دوم صفحہ ۴۰ - ۴۶ میں درج ھے اور جہاں مطالعہ اوستا کے متعلق ھر ایک قسم کی تفصیل و صراحت موجود ھے —

† مضمون مذکور صفحہ ۴۵ —

استدلالات کے بہترین طریقے کے لئے
میدان تحقیقات میں وسعت پیدا
کرنی نہایت ضروری چیز ہے جس کی
بدولت انسان کورانہ جستجو اور
قیاسات سے نکل کر یقین و صحت کی
طرف آتا ہے - چنانچہ اس کا بلا واسطہ
ماخذ پارسیوں کے تراجم ہیں' جن کو
اس نے نہایت تفصیل مگر احتیاط کے
ساتھہ مطالعہ اور استعمال کیا اور
بالواسطہ ماخذ وہ روایات ہیں جو
ساسانی دور سے آج تک متداول ہیں'
یعنی تمام پہلوی اور پاژندی لٹریچر'
پورا شاهنامه' عرب مورخین کے نوشتہ
حالات' قدما کے تاریخی بیانات' زندہ
پارسیوں کی زبانی اطلاعات' اُن کے
رسوم و خیالات' موجودہ مذهبی
دستور و رواج جو بجائے خود صحیح
روایت پر مبنی ہیں' ایرانی لسانیات
کا تمام مواد جس میں اس کا هر دور
ارتقا اور بولیوں کا اختلاف شامل
ہے اور خود سنسکرت بالخصوص
ویدوں کی سنسکرت - اس میں کلام

نہیں کہ دارمشتیٹر سے قبل ان
عنوانات پر کچھہ نہ کچھہ عرق ریزیاں
ہوچکی تھیں، نامکمل طور پر اور
ناکافی مواد کی بنا پر - مگر
دارمشتیٹر نے تمام اجزا کو ایک جگہ
جمع کیا اور ان کی ایک معین صورت
پیدا کر کے ان سے یقینی نتائج اخذ
کئے، اُس کی محنتوں کا ثمر پختہ،
اُس کی تازہ ترین مگر بہترین کتاب
" ژنداوستا " ترجمہ جدید حل تاریخی
و لغوی ھے (عجائب خانہ یعنے موزۂ
گومے کا سال نامہ جلد ۲۱، ۲۲، ۲۴
پیرس سنہ ۱۸۹۲ - ۱۸۹۳) - دارمشتیٹر
نے حامیان اھل روایات کے مسلک
میں ایک نئی جان ڈال دی اور
انصاف یہ ھے کہ اوستا کی تحقیق
میں وہ طریقہ جس کو وہ تاریخی
طریقے کے نام سے موسوم کرتا ھے،
خالص اُس کی ایجاد ھے اور اس کی
توضیح کے لئے اُس نے بے نظیر اور
کثیر مواد فراھم کیا - اب رھا یہ امر
کہ وہ اپنی بے مثال ذکاوت اور
بے عدیل محنت میں کہاں تک

کامیاب ہوا یا جزئیات کی بحث
میں اس کے تیر نشانے سے کتنے فاصلے
پر گرے اس کا فیصلہ مستقبل کے
ہاتھہ میں ہے"—

پہلوی کتبات کا مزید حل | نا مناسب نہ ہوگا کہ اب ہم پہلوی متون اور کتبوں کے حل کی جانب متوجہ ہوں۔ لسانیات عجم کی اس شاخ میں باوجود تے ساسی اور اس کے جانشینوں کی (جن کا ذکر آگے آتا ہے) کامیاب محنتوں اور حال میں ویسٹ' اینڈریس' نوبلڈکے' ڈارم شٹیٹر' الہان وغیرہ کی بہم رسانی معلومات کے بہت کچھہ کام کرنا باقی ہے—

نقش رستم کے ساسانی کتبے | نقش رستم دریاے پلوار کی داہنی چٹانوں پر واقع ہے جہاں دریاے مذکور وادیوں میں پھیر کھاکر 'سیوند' اور 'زرگوں' کے درمیان مرودشت میں آنکلتا ہے اور اس کے دوسری جانب مشرق میں دو یا تین میل کے فاصلے پر سامنے استخر نظر آتا ہے' یہاں ساسانی عہد کے کتبے ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے' ان میں سے بعض کو حل کرنے میں تے ساسی نے جس قدر کاوش کا ثبوت دیا وہ بے حد ستائش کے قابل ہے۔ ایک کتبہ جس کے حل میں اُس نے خاص جد و جہد کی اگر سب سے قدیم نہیں ہے تو بہت قدیم کتبوں میں سے ایک ضرور ہے' جن کو سلاطین ساسان نے ہخا منشی کتبوں کی تقلید میں کندہ کیا تھا' اس کا سن خاندان ساسان کے بانی اردشیر (ارتخشتر) ابن

پاپک کا عہد حکومت (۲۲۶ تا ۲۴۱ ع) ہے اور پہلوی کی دو جدا جدا صورتوں میں لکھا ہوا ہے جن میں سے ایک کو کلدانی اور دوسرے کو ساسانی کہتے ہیں - ہر ایک صورت کا رسم الخط وہی جداگانہ ہے، اس کے ساتھہ یونانی زبان کا ترجمہ بھی کندہ ہے جس کی نقل یہاں درج کی جاتی ہے *:—

کتبے میں ساسانی پہلوی کی عبارت کچھہ اس قسم کی ہے :-

پت کری زنا مزدیسن بگی ارتخ

شتر ملکان ملکا ایران مینو چتری من

یزتان برا پاپ کی ملکا †

---

* کتبے کا متن ہاگ کے مضمون "پہلوی" (اسٹٹ گرٹ ۱۸۷۰) صفحہ ۴-۵ سے لیکر نقل کرتے ہیں اور ہاگ کے طریق پر یونانی عبارت کے مقتے ہوے حروف کو حروف کلاں کی بجاے حروف خورد میں درج کریں گے، ۱۸۸۸ ع میں جب کہ ہم شمال ایران سے شیراز کی جانب سفر کر رہے تھے تو ہم نے اس کتبے کا معائنہ کیا اور دیکھا کہ یہ اور بھی دھندلا ہوگیا ہے —

† جو الفاظ نسخ میں لکھے گئے ہیں وہ ہزوارش کے ہیں (اس اصطلاح کی تشریح آگے آتی ہے) پڑھتے وقت ایک ایرانی ان کے مراد فات پڑھ جایا کرتا تھا جیسے زنا (= دہ) کی بجاے آن، ملکان ملکا کی جگہ شاہنشاہ، من (س) کے لئے، از برا (پسر) کے لئے، پور یا پوہر اور ملکا کے لئے (شاہ) —

ترجمه

[شبیهه آن معبود ارتخشتر پرستاو مزد' شہنشاہ
ایران' منوچہر یزدان پاپک شاہ] —

اس مزدا کے پوجنے والے ارتخشتر بھگوان کی شبیہہ جو ایران کا شہنشاہ اور دیوتاؤں کی روحانی نسل سے ھے اور پاپک بادشاہ کا بیٹا ھے —

ساسانی سکے

اس تحقیقات کی کامیابی نے دے ساسی کی ھمت بڑھائی اور جیسا کہ اُس نے اپنی کتاب کے تیسرے اور چوتھے حصے میں بیان کیا ھے اب اُس نے اُسی دور کے پہلوی سکوں پر مندرجہ عبارتوں اور ساسانی عہد کے دیگر کتبات بیستون کا مطالعہ شروع کیا - اوپر بیان ھو چکا ھے کہ دے ساسی کی کاوشوں نے پیکانی کتبوں کے دریافت مطالب میں گروٹ فنت کے لئے کس طرح نقطۂ آغاز کا کام دیا' اس کے بعد اول الذکر کی تحقیق کے اُس حصے کو جس میں سکے اور ٹھپوں سے تعلق ھے اوسلے نے (۱۸۰۱) جاری رکھا اور ساسانیوں کے تقریباً چالیس سکوں کو پڑھ ڈالا' پھر ۱۸۰۸ سے ۱۸۱۳ تک ٹائخ زن بھی اسی اُدھیڑ بن میں لگا رہا —

کتب و کتبات کی پہلوی

ایک ھی زمانے کی پہلوی کتابوں اور ساسانی یادگاروں (کتبے اور سکے) کے حروف تہجی میں نمایاں فرق ھے اور کتابوں کے حروف زیادہ مبہم ھیں' مگر یہ نظر انداز نہ کرنا چاھئے کہ بائیس برس پہلے فیئوم مصر میں کاھی کاغذ پر جو تحریروں کے اجزا برآمد

کئے گئے تھے اور جو اب تک غیر مطبوعہ حالت میں پڑے ہوے ہیں بلکہ ہنوز پورے طور پر پڑھے بھی نہیں گئے اُن کے علاوہ تحریری پہلوی کے قدیم ترین نمونے صرف ۱۳۲۳ع تک کے ہیں، گویا مندرجۂ بالا ساسانی کتبے سے ایک ہزار سال بعد کے - اس مدت میں (جس کے دوسرے نصف میں پہلوی رسم الخط کو صرف پارسی حاملان ملت ایسی قدیم کتابوں کو نقل کرنے کے کام میں لاتے تھے جو باقی رہ گئی تھیں) تحریری حروف بگڑ کر بغایت ابتر حالت میں پہنچ گئے یہاں تک کہ وہ حروف جو بلحاظ شکل ایک دوسرے سے بالکل جدا تھے اب ہم شکل ہوگئے اور ایک حرف متعدد آوازوں کا قائم مقام بن گیا - اگر چہ تعدد اصوات کا نقص ساسانی کتبوں میں بھی پایا جاتا تھا لیکن کتابی پہلوی میں اس نقص کو کو انتہا درجے وسعت حاصل ہو گئی، مثلاً اب ایک حرف واحد چار مختلف حروف یعنی ز، د، گ اور ے کی آوازیں دیتا ہے حالانکہ قدیم کتبوں میں ان آوازوں کی تحریری علامتیں بالکل جداگانہ ہیں - اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کتابی پہلوی کی عبارتیں کس درجہ مبہم اور مشکل ہوں گی اور ان عبارتوں کے حل میں کتبات سے کس قدر امداد مل سکتی ہے، اس امداد کی اہمیت کو میونک کے پروفیسر مارک جوسف ملر نے پوری طرح سے سمجھا اور اس پر بعنوان "پہلوی زبان"

ملر کا مضمون

ایک مضمون لکھ کر اپریل سنہ ۱۸۳۹ع کے جورنال ایشیاٹک میں شائع کرایا جس کی بابت ہوگ کا خیال ہے کہ اس مضمون سے پہلویات میں ایک نیا

انقلاب پیدا کردیا ہے - پیروان زرتشت بالخصوص پارسیان بمبئی کے ہاں پہلوي کتب کے پڑھنے کا ایک روایتی لیکن مخرب طریقہ رائج ہے جس کے باعث بالکل جعلی اور مہمل الفاظ پیدا ہوگئے' انہیں دنیا میں آج تک کسی قوم نے نہ تو زبان سے ادا کیا اور نہ قلم سے' مثلاً 'بومن' (دراصل برا تہا = پسر)' مودا (دراصل ملیا = لفظ)' انہومہ (دراصل اوهرمزہ = خدا)' جم قن تن (دراصل یملوفتن = بولنا) وغیرہ۔ مبہم پہلوي رسم خط اوپر کے ہر غلط تلفظ بلکہ ہر لفظ کے اور درجن بھر غلط تلفظوں کا متحمل تھا - لیکن نسبتاً کم مبہم کتباتی پہلوي سے مقابلہ کرنے پر بعض الفاظ کا صحیح تلفظ اور ان کی صحیح شکلیں دریافت ہوگئیں' ضبط تلفظ کے اس طریق کی ایجاد سلر کی کوشش کا نتیجہ ہے اگرچہ قدرتاً وہ ہر لفظ کا صحیح تلفظ معلوم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا —

اس مسئلے کی مزید صراحت سے قبل ہم یہ چاہتے ہیں کہ پہلوی کی ایک لاینفک خصوصیت پر متوجہ ہوں جس کا ذکر گزشتہ سطور میں بارہا آچکا ہے یعنی پہلوی میں آرامی الفاظ کے هزوارش یا زوارشن عنصر پر جو بحالت اکثر فارسی حرف کے لاحقوں یا صوتی ضمیموں کے باعث کم و بیش مسخ کردیا گیا ہے - جس وقت ایک پہلوی متن پڑھنے میں آتا ہے تو اس کی عبارت میں ایسے کثیرالتعداد الفاظ ملتے ہیں جو نسلاً ایرانی زبان کے نہیں بلکہ سامی زبان کے ہوتے ہیں یا بالفاظ معینہ آرامی

بولی کے جو سریانی یا کلدانی زبان سے بہت ملتی جلتی ھے - اچھا ' چونکہ جدید فارسی میں بھی سامی زبان یعنی عربی کے الفاظ کثرت سے شامل ھیں اور جیسے لکھے جاتے ھیں ویسے ھی پڑھے جاتے ھیں لیکن در اصل ھیں غیر ملکی اور فارسی زبان میں اس طرح ایک جگہ ھوگئے ھیں جس طرح یونانی ' لاطینی ' فرانسیسی اور دوسری غیر زبانوں کے الفاظ ھماری موجودہ انگریزی زبان میں پیوست ھوگئے ھیں ' اس لئے اول اول یہ خیال کیا گیا تھا کہ پہلوی میں آرامی عنصر کا شمول ایک ایسی ھی چیز ھے جیسے کہ جدید فارسی میں عربی عنصر کا وجود - لیکن کاوش عمیق سے پتہ چلا کہ ان دونوں صورتوں میں ایک بین فرق ھے ' عربی کو جدید فارسی سے جو تعلق ھے وہ آرامی کو پہلوی سے نہیں ھے - ایک زبان دوسری زبان کی خواہ کتنی ھی گرانبار احسان ھو لیکن احسان و استعانت کی ایک حد ھے جس سے تجاوز کرنا امکان سے بعید ھے - ھم کسی مرصع نگار ادیب کی مسجع و رنگین ' فارسی عبارت کا ایک ٹکڑا سامنے رکھیں تو ھم کو بلا دقت ایسے جملے نظر آئیں گے جن میں تمام مصادر و اسما اور صفاتی الفاظ بلکہ اقتباس و مقالات خالصاً عربی ھوں گے ؛ لیکن جملوں کی عام ساخت اور ضمائر و افعال فارسی ھوں گے اور ان سے مفر بھی ناممکن ھے - چنانچہ انگریزی کے اس فقرے کے

I regard this expression of opinion as dangerous

آٹھ لفظوں میں صرف چار انگریزی نسل کے ھیں ' لیکن

فقرے کا اسلوب منہ سے بولتا ھے کہ میں انگریزی ھوں' یہ تصور بھی نہیں ھو سکتا کہ آئی (I) ' دس (this) ' آف (of) اور آیز (as) کی جگہ بدیسی الفاظ استعمال ھونے چاھییں - لیکن پہلوی میں معاملہ اس کے برعکس ھے - ھوگ کا یہ خیال (" پہلوی زبان " صفحہ ۱۲۰-۱۲۱) تو قدرے مبالغہ آمیز ھے کہ :—

" اسم کی علامات حالت وجمع ' ضمائر
منفصلہ ' اشارہ ' موصولہ یا استفہام '
ایک سے دس تک کے اعداد ' روزمرہ
استعمال کے افعال (بشمول افعال امدادی)
مثلاً ھونا ' جانا ' آنا ' چاھنا '
کھانا ' سونا ' لکھنا وغیرہ ' تقریباً جملہ
حروف ربط ' متعلقات فعل ' حروف
عطف ' وضع اسم کے متعدد اھم لاحقے
اور عام الفاظ کی ایک بہت بڑی
تعداد (کم از کم ساسانی کتبوں میں)
یکسر سامی الاصل ھے "

لیکن حقیقتاً واقعہ بہت کچھ یہی ھے ' پہلوی کے اکثر جملوں میں صرف اواخر فعل و ضمائر متصلہ اور جملے کی عام ساخت عجمی ھوتی ھے ' گو ھم مانتے ھیں کہ یہ اجزا جملے کا اھم اور لازمی حصہ ھوتے ھیں - ان خصوصیات پرمستزاد متعدد عجیب الخلقت دوغلے الفاظ ھیں جو کچھ نیم فارسی نیم آرامی ھیں ' جو ایک صحیح دماغ کے نزدیک کسی زبان

کے الفاظ نہیں ہو سکتے ہیں - مثلاً لکھنے کے معنوں میں سامی لفظ کا مادہ تین حروف ک ، ت ، ب سے مرکب ہے ، اس سے صیغۂ جمع غائب یکتِبوں (عربی یکتُبُون) بنتا ہے، حالانکہ اس معنی کا فارسی مصدر نبشتن ، نپشتن ، یا نوشتن ہے - مگر پہلوی محرر ایک نیا لفظ " یکتبوں تن ' گھڑ لیتا تھا ، تاہم جب وہ اس کو پڑھتا تو " یکتبوتن " نہیں پڑھتا تھا ، اس کے نزدیک یہ لفظ جو آرامی میں ایک بامعنی منصرفہ لفظ ہے محض ایک علامت لفظ یا تصویری لفظ تھا جو " نپش " کا قائم مقام سمجھ لیا گیا تھا ، پس وہ فارسی کا مناسب لاحقہ " تن " یکتبوں کے ساتھ ملا کر اپنے خیال میں ایک پورا مصدر "یکتبون تن " بنا لیتا اور اس کو پڑھتا " نپشتن " - اس طرح " مرد " (آدمی) کے لئے وہ سامی لفظ " گبرا " لکھتا لیکن جب وہ چاہتا کہ مرد کا مرادف مردم پڑھا جائے تو وہ گبرا کے آخر میں " مْ " ملا کر ' گبرامْ " اختراع کر لیتا تھا اور پڑھنے والا " گبرامْ " کو " مردم " پڑھتا تھا ۔

اوپر بالاختصار بیان کر چکے ہیں کہ اس عجیب و غریب طرز تحریر و طریق تلفظ کی مثال آسوری زبان میں بھی موجود ہے - تورانی کی قدیم تر اکادی زبان میں باپ کے لئے لفظ اڈّہ تھا اور حسب بیان ہوگ جب اہل آسوریہ باپ لکھنا چاہتے تو وہ اڈّہ کا ایک رکن " اد " یا " ات " لکھ دیتے تھے مگر اس کو پڑھتے تھے لفظ " اب " جو ان کی زبان میں باپ کے لئے آتا تھا اور اگر ان کو " میرے باپ "

لکھنا منظور ہوتا تو وہ اتویہ لکھتے مگر اس کا تلفظ ابویہ کرتے - و اسوری قوعد میں علامت فاعلی ہے اور لاحقہ ی بمعنی "میرے"، آسوری ان دونوں کو غیر زبان کے ایک جزو "ات" کے ساتھہ اضافہ کردیتے تھے - اِسی طرح ایک پہلوی محرر جب باپ لکھنا چاہتا تو بجاے پتر (= پدر) کے آسوری اِبتر لکھتا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ آسوری " اب " کو وہ محض ایک ایک تصویری علامت سمجھتا تھا اور اس کے فارسی مرادف کو لاحقۂتر سے ظاہر کرتا تھا —

ایک اور تعجب انگیز لیکن مفید خصوصیت پہلوی رسم‌الخط کی یہ تھی کہ فارسی کا وہ لفظ جو اس زمانے میں مرکب اور تحلیل و تجزیہ کے قابل خیال کیا جاتا تھا اُس کا ہر ایک رکن سامی یا ہزوارش مرادف رکن سے ظاہر کیا جاتا تھا ، مثلاً فارسی کا مصدر پندا‌شتن بمعنی سوچنا ، خیال کرنا لو - اِس زمانے کے ایرانی کو خیال بھی نہ ہوگا کہ یہ مرکب ہے اور اس کے اجزا جدا کئے جا سکتے ہیں ، لیکن پہلوی محرر کو علم تھا کہ یہ مفرد نہیں ہے ، چنانچہ جب وہ اس کو لکھتا تو اس طرح سے ' پون (براےپ - واسطے) ھانا (براے این' اس) 'یخسنون‌تن (داشتن' پکڑنا یا لینا)' نولتیکے نے لفظ مگر (= تا وقتیکہ = اگر نہیں) کے ایسے ہی تجزیہ کی جانب توجہ دلائی ہے ' یہ بھی دو آرامی یا ہزوارش اجزا سے ظاہر کیا جاتا ہے جن میں سے پہلے کے معنی نہیں اور دوسرے کے اگر ہیں - اس اصول

کا ایک اور عجیب مگر سبق آموز اطلاق ھے - جدید فارسی میں ضمیر واحد کے لئے" من " آتا ھے جو قدیم فارسی کے مرادف" ادم" (-- اوستا میں ازم) کے اُس مادے سے مشتق ھے جو حالت فاعلی کے علاوہ ھر ایک حالت سے تعلق رکھتا ھے اور جس کی حالتِ جر منا ھے - پہلوی لکھنے والا جس وقت من کا ھز وارش مرادف" لی"(مجھے یا میرے لئے) لکھتا ھے تو اس حقیقت کو پیش نظر رکھتا ھے ——

اگر خارجی شہادتیں بھی موجود نہ ھوتیں تو ان مثالوں کو دیکھہ کر ایک نہایت تیز ذھن آدمی کو یہ ظن پیدا ھو سکتا تھاکہ پہلوي زبان کی خصوصیت حروف یا علامت تہجی میں مرکوز ھے جو عبارت کے پڑھتے ھی غائب ھو جاتی تھی لیکن خوبیء قسمت سے شہادتیں موجود ھیں جو اس امر کو تمام و کمال ثابت کرتی ھیں :

پہلی خارجی شہادت مورخ اے -ی آفس مار سے لی فس کی کتاب میں درج ھے -وہ (باب ۱۹ ، ۲ - ۱۱) میں لکھتا ھے :—

" اھل ایران اُسے ساپورم اور ساں سان
(یعنی شاہ پور اور شاھان شاہ) اور
پا ی رُوزن (یعنی پیروز یا فیروز)
کہتے تھے جس کے معنے بادشاھوں کا
بادشاہ اور فاتح جنگ ھیں"

یہ حوالہ شاپور دوم (۳۰۹ - ۳۷۹ ع) کے متعلق ھے جس کا خطاب سِکّوں پر" ملکان ملکا"اور لوگوں کی زبان پر آجکل کے

مانند ''شاهنشاہ'' تھا —

دوسری شہادت علامہ محمد بن اسحاق مؤلف الفہرست (۹۸۷ - ۹۸۸) کی ہے ' علامہ نے پہلوی کی نسبت نیز دیگر مسائل میں جو کچھہ ساسانی ایران کے متعلق حوالۂ قلم کیا ہے وہ فقیہالدھر ابن المقفع کی سند سے ہے ' یہ فاضل

ابن المقفع

آتش پرست تھا' آٹھویں صدی کے وسط میں گزرا ہے' مسلمان ہوگیا تھا مگر دل شک سے خالی نہ تھا' ۷۶۰ع کے قریب قتل کردیا گیا۔ مقرر اور صاحب علم ایسا زبردست تھا کہ وزیر و کاتب ابن مقلہ (متوفی قریب ۹۳۹ ع) نے ان دس لوگوں کی صف میں اس کو جگہ دی ہے جو فن تقریر اور عربی انشاپردازی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے' ابن خلدون بھی اس کی زباں دانی کا اعتراف کرتا ہے۔ ان کمالات کے ساتھہ ابن المقفع نے پہلوي پر بھی کامل عبور حاصل کیا تھا' چنانچہ اس نے متعدد اہم پہلوی کتابوں کو عربی میں ترجمہ کیا جن میں سے صرف ایک ترجمہ باقی بچا ہے اور اتفاق سے وہ بھی سب سے کم دلچسپ کتاب یعنی کلیلہ و دمنہ کا۔ اس عالم کے بیانات کو مستندتسلیم کرکے مؤلف الفہرست نے سات قسم کے خط (کتابد) جو اسلام سے قبل ایران میں رائج تھے' گنوائے ہیں اور آگے چل کر ہزوارش کی بابت جو کچھہ تحریر کیا ہے اس پر سب سے اول کاترمیر نے سنہ۱۸۳۵ع میں یورپ کو متوجہ کیا لیکن اس کا اصل متن سنہ ۱۸۶۶ع تک شایع نہ ہوا تھا۔ سن مذکور میں چارلس گانو نے متن کو اپنے ترجمے کے ساتھہ طبع کرایا

اور کاتومیر کے ترجمے پر حرف گیری بھی کی ہے- ابن اسحاق کا بیان ہے :-

"اور اسی طرح ان کے ہاں ایک قسم کے ہجے (متن میں ہجا ہے' کتابہ نہیں ہے)' رائج ہیں جن کو زوارشن (یا ہزوارش) کہتے ہیں' الفاظ کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہوگی' انہیں ملاکر بھی لکھتے ہیں اور علیحدہ علیحدہ بھی- ان ہجوں سے مقصود یہ ہے کہ ہم شکل الفاظ کو ایک دوسرے سے تمیز کیا جاسکے اور ابہام نہ پیدا ہونے پائے- مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ جب گوشت لکھنا مقصود ہوتا ہے تو اس صورت سے "بسر" لکھ دیا جاتا ہے (یہاں اصل لفظ پہلوی خط میں درج ہے) مگر اس کو پڑھتے ہیں گوشت' اسی طرح نان لکھنا منظور ہوتا ہے تو "لحمہ" لکھ دیتے ہیں (یہاں بھی اصل پہلوی لفظ درج ہے) لیکن پڑھتے ہیں نان- یہی حالت دوسرے الفاظ کی ہے' ہاں جن الفاظ کے لئے اس قسم کے قایم مقام الفاظ کی ضرورت نہیں ہوتی وہ سیدھے سادھے

طور پر اسی طرح لکھے جاتے ھیں جیسے
کہ تلفظ میں آتے ھیں'' * —

تیسری شہادت یہ ھے کہ جوں ھی فارسی عبارتیں عربی حروف میں منتقل ھونے لگیں آرامی یا ھزوارش عنصر بالکل غائب ھوگیا، اگر ھزوارش الفاظ تلفظ یا بول چال میں آیا کرتے تو یہ انقلاب ممکن نہ تھا۔ مگر ایسی حالت میں بالکل ممکن اور قدرتی چیز تھا جب کہ ھزوارش الفاظ صرف تحریر کے کام میں آتے ھوں اور محض علامتوں کی قیمت رکھتے ھوں —

چوتھی شہادت کے طور پر وہ روایت پیش کرسکتے ھیں جو آج تک پارسیوں میں رائج ھے یعنی یہ کہ ھزوارش الفاظ کو پڑھتے وقت فارسی الفاظ سے بدل دینا چاھئے۔ یہ روایت جیسا کہ ھم اوپر دکھا چکے ھیں تفصیل میں قابل وثوق نہیں

---

* دیکھو ھاگ کا مضمون ''پہلوی'' صفحہ ۳۷ وغیرہ' جرنل ایشیاٹک بابت ۱۸۳۵ (صفحہ ۲۵۶) اور بابت ۱۸۶۶ (صفحہ ۲۳۰)' اور کتاب فہرست مرتبۂ فلوگل صفحہ ۱۴' ھوگ کے بعض ترجموں سے ھم کو اتفاق نہیں ھے خصوصاً لفظ ''متشابہات'' کے مفہوم سے جس کا ترجمہ اس نے ھم معنی الفاظ کیا ھے' ھم کو اس سے اختلاف ھے' ھمارے نزدیک مشتبہات سے وہ فارسی الفاظ مراد ھیں جو پہلوی حروف میں تحریر ھونے سے مبہم ھوجاتے ھیں' مگر ان کے ھزوارش مرادفات اتنے مبہم نہیں ھوتے' جس کا جی چاھے نان کو پہلوی میں لکھ کر دیکھ لے' اس کو معلوم ھوجائے گا کہ یہ لفظ کے طرح سے پڑھا جاسکتا ھے اور ابہام کی اصل وجہ کیا ھے —

ہے تاہم اصولاً اس کا مفہوم ہمارے بیان کا موید ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسی پاژند اور فارسی کتابیں وجود میں آگئیں جو عربی اور اوستا کے غیر مبہم حروف میں بعض پہلوی کتابوں کی نقلیں ہیں اور جن میں آرامی یا ہزوارش الفاظ کی جگہ فارسی کے صحیح یا فرضی مترادفات رکھتے چلے گئے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ

تعریف اصطلاحات

اس باب کو ان اصطلاحات کی تعریف پر ختم کیا جائے جو ایران کی السنۂ ماضیہ کے ذکر میں استعمال ہوئی ہیں، ساتھ میں ان کے صحیح مفہوم کی توضیح بھی کردی جائے اور جہاں تک معلوم ہے ان کے اشتقاق اور مادہ کا بھی سراغ لگایا جائے

میڈوی

"میڈوی" سے مراد ہے زبان میڈیا، جو موجودہ ایران کا مغربی حصہ ہے۔ کتبۂ دارا میں اس لفظ کو مادہ لکھا ہے اور قرون اولی کے عرب جغرافئین نے اس کو ماہات کا نام دیا ہے۔ ماہات ماہ کی جمع ہے جو سابقہ کے طور پر ماہ بصرہ، ماہ کوفہ، ماہ نہاوند میں لگا ہوا ہے۔ میڈیا کا قدیم دارالحکومت ایکبتنہ تھا جو کتبوں میں ہگمتانہ آیا ہے اور اب ہمدان کہلاتا ہے۔ میڈوی آج کل ناپید ہے لیکن دارم شتیتر کے قول کو مان لیں تو میڈوی اوستا کی زبان ہوگی، اور اگر آپرٹ کے خیال کو تسلیم کیا جائے تو ہخامنشی دور کے سہ لسانی کتبات میں دوسرے نمبر کی "جس کی عبارت قدیم فارسی سے اور آسوری زبان کے درمیان ہے۔ بہ خیال غالب یہ زبان قدیم فارسی بہت کچھ مشابہ تھی اور اس کے بعض الفاظ سے، جو بعض مصنفین مثلاً ہیرو دوتس کی کتابوں میں محفوظ ہیں،

قوی شبہ ہوتا ہے کہ ایران کی بعض موجودہ بولیاں اسی کی نسل سے ہیں —

اوستائی — "اوستائی" سے مراد ہے اوستا کی زبان جو اکثر غلط طور پر "ژند" اور کبھی کبھی "قدیم باختری" کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ آخرالذکر نہایت ہی نا مناسب نام ہے کیونکہ شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ جیسے دلائل اس کو شمال مشرقی باختر کی زبان قرار دینے کے لئے پیش کئے جاسکتے ہیں، ویسے ہی اس کو شمال مغرب یا آذربائجان کی زبان ثابت کرنے کے لئے بھی دیے جاسکتے ہیں، ثبوت دونوں طرف برابر ہے۔ صرف اوستا ایسی کتاب ہے جو اس زبان میں قلم بند ہے، گو خود اوستا کے چند بھجن جن کا نام گاتھا ہے قدرے مختلف اور باقی حصص کی زبان سے قدیم تر زبان میں ہیں۔ اوستائی کا رسم خط پہلوی سے ماخوذ ہے لیکن اس سے بدرجہا بہتر ہے۔ لفظ اوستا کا وجود دور ساسانی سے پہلے کہیں نظر نہیں آتا گو آپرٹ کا عقیدہ ہے کہ دارا کے بیستونی کتبے (کتبہ ۴، فقرہ ۶۴) میں جو ایک لفظ آبستام آیا ہے اس سے اوستا عبارت ہے۔ پہلوی میں اوستا کی صورت "آوستاک" اوستاک (قارم نتائیر اپستاک) سریانی میں "اپستاگا" اور عربی میں "ابستاق" ہے۔ اینڈریاس کا خیال ہے کہ وہ قدیم فارسی کے لفظ "اُپستا" (= مدد، حمایت) سے مشتق ہے اور اس کے معنی "اصل متن" ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ

ژند — اوستا و ژند کو جب ملاکر بولتے ہیں تو اوستا

متن کے معنی دیتا ھے۔ "اوستاو ژند" کو الٹ کر "ژند اوستا" بھی کہدیتے ھیں؛ یہ تقدیم و تاخیر بالکل غلط اور دھوکے میں ڈالنے والی ھے۔ حقیقت یہ ھے کہ پارسیوں کی الہامی کتاب کا متن اوستا اور اس کی مسلسل پہلوی شرح (= ترجمہ و تفسیر) ژند کہلاتی ھے جو عموماً متن کے ساتھہ درج کی جاتی ھے۔ پس اگر "زبان ژند" کی اصطلاح استعمال میں آئے تو اس سے ژند یعنی ترجمہ و تفسیر کی زبان یا بالفاظ دیگر "پہلوی زبان" مراد لینی چاھئیے۔ لیکن انسب تو یہی ھے کہ اس اصطلاح کا استعمال قطعاً ترک کردیا جاے کیونکہ یورپ میں ایک غلط فہمی کی بنا پر "زبان ژند" کا اطلاق "زبان متن" پر ھوتا رھا ھے —

قدیم فارسی | قدیم فارسی اوس زبان پر دلالت کرتی ھے جو "ایران خاص" یعنی فارس کی قدیم زبان تھی، ھخامنشی دور کے کتبات کی سرکاری زبان اور بلاریب وہ زبان جس میں سلاطین مثلاً دارا و زرکسیز اور دوسرے تاجدار بات چیت کرتے تھے یہی تھی، بجز کتبوں کے اس کا نشان کہیں باقی نہیں —

پہلوی | اولس ھاؤس کی تحقیق کے مطابق "پہلوي" اور "پارتھوی" ھم معنی ھیں، جس طرح قدیم الفاظ متھر اور چتھر مہذب و سبک ھوکر مہر اور چہر بن گئے ھیں اسی قیاس پر پارتھیہ کا پرانا فارسی نام پارتھوا پہلے 'پرھو' پرھو سے 'پلہو' اور پلہو سے 'پہلو' بن گیا ھوگا۔ جغرافئین عرب نے اس کو عربی صورت فہلو بنا کر وسط و

غرب ایران کے ایک ایسے حصے کے لئے استعمال کیا ہے جس میں اصفہان، رے، ہمدان، نہاوند اور آذربائیجان کا کچھ حصہ شامل تھا۔ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ ہم کو پارتھیوں کے متعلق عجمی ذرائع سے اس قدر کم حال معلوم ہوا ہے کہ ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ لوگ ایرانی تھے یا تورانی۔ قومی روایات نے ان بادشاہوں کے متعلق جن کو "ملوک الطوائف" (=شاہان قبائل) کا لقب دیا گیا ہے اس قدر کم مواد محفوظ رکھا ہے کہ شاہنامے میں فردوسی نے صرف ایک صفحے میں ان کی داستان ختم کردی ہے) وہ ان کو جاہلان وحشی اور ناقابل ذکر قرار دیتا ہے۔ ان کے سکوں پر یونانی عبارت کندہ ہوتی تھی بلکہ انھوں نے یونانی لقب "فیل ہلینیز" بھی اختیار کرلیا تھا؛ ان باتوں سے ساسانیوں کا یہ دعوی ایک حد تک صحیح ثابت ہوتا ہے کہ ہم نے سکندر کے استیلا و استیصال کے بعد قومی خصوصیات و عقائد کو زندہ کیا۔ مگر لفظ "پہلووں کا نام" ہندوستان بھی پہنچ چکا تھا اور ایران میں آج بھی "دور شجاعت" یا دور مشاہیر یعنی پہلوانان نامور کے کارناموں اور زبان کے معنوں میں رائج ہے۔ تاہم بمعنی "زبان" ایران میں پہلوی کا مفہوم اس قدر معین نہیں ہے جس قدر کہ یورپ میں جہاں پہلوي کو فقط ساسانی یا فارسی متوسط کا مترادف کہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اُس کا ایک خاص رسم الخط ہے اور اس میں آرامی یا ہزوارش عنصر کی آمیزش ہے۔ لیکن (وہ) "پہلوی" جس میں فردوسی کے شاہان نامدار اور پہلوانان گردن‌کش مراسلت کرتے تھے،

جس میں عمر خیام اور خواجہ حافظ* نے نغمہ سرائی کی، جس میں "فہلویات" (بولیوں کے اشعار) نام کی نظمیں موجود ہیں اور جس کی بابت چودھویں صدی کے مشہور مورخ و جغرافیہ نویس حمداللہ مستوفی قزوینی کا بیان ہے کہ وہ ایران کے متعدد اضلاع خاص کر شمال مغرب میں بولی جاتی ہے، مقابلۃً ایک غیر معنی اور مبہم چیز ہے۔ بقول فردوسی تہمورث "دیوبند" پہلا بادشاہ تھا جس نے نہ صرف ایک زبان بلکہ تقریباً تیس زبانوں مثلاً رومی (یونانی)، تازی (عربی)، پارسی، ہندوستانی، چینی اور پہلوی کو تحریر کی زبان بنایا تاکہ "وہ چیز جس کو تو بولا ہوا سنتا ہے نوشتہ ہو جائے"†۔ تہمورث جمشید کا پیشرو تھا اور جمشید وہ فرضی شخص تھا جو اوستا میں یمہ اور کتب ہنود میں یمہ لکھا ہے اور جس کا وجود صرف ہندیوں اور ایرانیوں کے مشترک افسانوں سے تعلق رکھتا ہے، یعنی ان ازمنۂ بعیدہ سے جب کہ ہنوز فارسی متوسط تو درکنار اوستائی یا قدیم فارسی آرین گروہ کی قدیم زبان سے جدا نہ ہونے پائی تھی۔ بالفاظ مختصر ایک طرف تو فردوسی پہلوی کو گھسیٹ کر دور فسانہ سے بھی صدیوں پیچھے لیجاتا ہے اور دوسری طرف حمداللہ قزوینی اس کو گاؤں کی بولی بیان کرتا ہے، لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ قزوینی کا مطلب اس جواب سے زیادہ نہیں ہے جو قوہرود (کاشان سے

---

* مثلاً: با خواجہ مے خورد بغزلہاے پہلوی۔ (حافظ)

† شاہ نامہ مرتبۂ میکن جلد اول صفحہ ۱۸ —

ایک منزل جنوب میں ایک کوهستانی علاقہ اور قدامت کے متعلق
دیہاتی نے راقم کو دیا تھا۔ هم نے اُس سے دریافت کیا مشکل پیدا هو جائیگی
کہ تمہارے گاؤں کی زبان کیا هے؛ تو اُس نے مثلاً مینیوے خرد
"فرس قدیم"۔ زرتشتیوں کے علاوہ خود ایران کا جن کے پہلوی
باشندہ "پہلوی" کو فرس قدیم سمجھتا هے! لیکن اس لتے هیں *،
میں یہ لفظ فارسی متوسط یا فارسی ساسان کے محدود معنوں تصنیف
میں استعمال کیا گیا هے۔ پہلوی اس حد تک پارتھوی زبان هیں)
کہلا سکتی هے کہ اس کے ابتدائی نقوش عہد زهر اور تیسری هی
چوتھی صدی قبل مسیح یعنی عہد پارتھیہ کے نیم پارتھوی
سکوں میں پائے جاتے هیں *

هزوارش — "هزوارش" "زوارش" یا "زوارشن" کی تشریح
اوپر گزر چکی هے۔ لیکن اس لفظ کا اشتقاق بےحد
مشتبہ هے اور اس کی نسبت ظنیات کا ایک عجیب عالم
هے۔ دستور هوشنگ جی "هزوان آسور" (زبان آسور)
تجویز کرتا هے اور تزال بورگ "هاسوسی" بمعنی "یمسریانی
هے"۔ لیکن هوگ اور دارم شتیٹر کا سراغ زیادہ قرین
قیاس معلوم هوتا هے۔ هوگ کا خیال هے کہ یہ حاصل
مصدر هے جس کے معنی هیں پرانا یا متروک هونا۔ دارم شتیٹر
نے بھی اسی قسم کا ایک فعل سوفچا هے جو اس کے

---

* دیکھو هوگ کا مضمون "پہلوی" صفحہ ۳۰ تا ۳۱ اور
ویسٹ کا مضمون "ادبیات پہلوی" جو "لسانیات عجم" جلد
دوم صفحہ ۷۵ میں درج هے۔

جس میں عهر خہ هو کر اب اس قدر غائب هوگیا هے که
جس میں "فہ میں اُس کی ایک ایک شکل صرف عربی کے
موجود هیں ر" (تزویر مصدر) میں باقی هے اور "زور"
مورخ و هے اُس نے جبر کیا ' چھپایا' بگاڑا یا (متن میں)
هے که ے کی ' دھوکا دیا ' چال کی یا غلط راسته پر ڈالا ' -
بولے زیف جس نظام تحریر میں مثلاً " ایتوں گویند کو "
بة (جو دوسرے هزوارش جملے کا پاژند پارسی مرادف هے)
" آئی تونو یهللونتن ایغ " لکھا جاے اُس کے نام هزوارش
کا مفہوم مطالب پر جبر کرنا ' اُن کا چھپانا یا بگاڑنا هو تو
کسے اچنبھا هوسکتا هے ' حقیقتاً یه جمله معانی هزوارش
پر صادق آتے هیں —

پاژند و پارسی هم دکھا چکے هیں که متن اوستا کی پہلوی " تشریح " ژند کہلاتی هے - اسی طرح پہلوی ژند کی " تشریح مکرر " (پیتی زینتی) پاژند کہلاتی هے' تشریح مکرر میں جو رسم الخط استعمال کیا گیا هے وہ پہلوی رسم الخط سے کم مبہم هے اور اُس کے الفاظ هزوارش کی بجاے مثنا سب فارسی الفاظ هیں' اس نقل و تغیر کے لئے جب اوستائی حروف کام میں لائے جاتے هیں تو نتیجه پاژند کہلاتا هے - اور جب فارسی (یعنی عربی) حروف اختیار کئے جاتے هیں تو پارسی کہلاتا هے - پہلوی کی نقل خواہ پاژند هو خواہ پارسی دونوں سے جدید یا بعد الاسلامی فارسی کی قدیم یا قدیم نما (قدیم نما اس لئے کہنا پڑا که بد قسمتی سے پارسیوں کی

روایتیں اعتبار کے لایق نہیں ھیں اور قدامت کے متعلق ان کا بیان سند قاطع نہیں ھوسکتا) مشکل پیدا ھو جائیگی اور آرامی عنصر بالکل معدوم - متعدد کتابیں مثلاً مینوے خرد (= روح فراست) اس وقت ایسی موجود ھیں جن کے پہلوی اور پاژند یا پارسی دونو قبیل کے نسخے ملتے ھیں*، لیکن پاژند میں جس قدر تحریریں ھیں وہ اصلی تصنیف نہیں بلکہ پہلوی اصل کی (گو بعض بعض اصل گم ھیں) نقل ھیں، اس لئے کہ تفسیر مکرر کی ضرورت تب ھی محسوس ھوئی جب مدتوں تک متروک رهنے کے باعث لوگ پہلوی کی اصلیت کو بھولنے لگے، اور کاتبان پہلوی نایاب اور عالمان پہلوی مفقود ھونے لگے —

جدید فارسی

جدید فارسی یا صرف فارسی سے ھمارا مدعا وہ زبان ھے جو اسلام کے بعد ایران میں بولی جاتی تھی اور جس کی تحریر کے لئے عربی حروف مستعمل ھوتے ھیں، فارسی قدیم (ھخا منشی) فارسی متوسط (ساسانی) فارسی جدید (اسلامی) بس ایسے ھي الفاظ ھیں جیسے کہ قدیم انگریزی (اینگلوسیکسن، انگریزی متوسط اور جدید انگریزی جو ھماری زبان کے مدارج ترقی کے

* مینوے خرد کے پہلوي متن کی نقل مطابق اصل اندر یاس نے لیتھو میں چھاپی ھے (مطبوعہ کیل سنہ ۱۸۸۲ع)، ویسٹ نے پہلوی کی پاژند نقل رومن حروف میں اور ترجمہ سنسکرت اور انگریزی میں کیا ھے اور اس پر حواشي بھی لکھے ھیں (اسٹٹ گارٹ سنہ ۱۸۷۱ع)

جدا جدا نام ہیں - تقسیم بالا کے لحاظ سے ہم اصطلاح فارسی جدید کو بے تکلف روزگی کے کلام پر منطبق کر سکتے ہیں؛ جس کے زمانے کو تقریباً ایک ہزار سال کا عرصہ گزرا اور یہ انطباق اس مفہوم کا ہمسر ہوگا کہ شیکسپیر "انگریزی جدید" لکھتا تھا - لیکن اگر یہ نام ایک ایسی زبان کے لئے، جو مدت کے اعتبار سے نویں صدی عیسوی تک پیچھے پہنچتی ہو نامناسب معلوم ہوتا ہے تو ہماری دانست میں دوسرا نام "اسلامی فارسی" مقرر کر لیا جائے، گو اعتراض سے یہ لقب بھی کلیۃً محفوظ نہیں - کسی دوسرے موقعہ پر ذکر آچکا ہے کہ تین سو سال میں انگریزی نے جو رنگ بدلے وہ فارسی پر ایک ہزار سال میں بھی نہیں چڑھے اور خاص طرز کے متروکات محض اُن تالیفات تک محدود ہیں جو تیرھویں صدی کے انقلاب اعظم یعنی سیلاب مغلیہ سے قبل وجود میں آچکی تھیں—

ایرانی بولیاں

باب نو سے پیشتر جدید فارسی کی بعض مقامی بولیوں کا ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا، ان سے ہماری مراد نہ تو افغانستان کی فارسی ہے، نہ بلوچی، نہ کردستانی، نہ پامیری جو ایرانی زبان کی دلچسپ شاخوں میں داخل ہیں اور نہ کوہ قاف کی فارسی، جس کے متعلق پوری تفصیل گائگر و کہن کی مذکورۂ بالا تصنیف لطیف "اسانیات عجم" جلد اول کے آخری حصے میں ملے گی، بلکہ ہماری مراد اُن بولیوں سے ہے جو خاص ایران کے علاقوں میں رائج اور انھی تک محدود ہیں، گو اِن کی تحقیق میں بیریزن، تورن،

ژالمان اور خاص کر روس میں ژکووسکی نے، گائگر، سوت سین، هیبش مان اور هوتم شنڈلر نے جرمنی میں، هیوآر اور کیری نے فرانس میں کافی دیدہ ریزی کی ہے اور انگلستان میں خود هم نے قدرے قلیل محنت کی ہے لیکن هنوز بہت کچھہ تلاش و تجسس باقی ہے؛ ان کے سمجھنے میں جس دن محققین کو مہارت هو جائے گی تو فارسی کے بہت سے تاریک مسائل یقیناً روشنی میں آجائیں گے، ان کو یا تو گفتگو کے ذریعے سے توورن کے مثل مازندران و گیلان پہنچ کر سیکھنا چاهئے یا ژکووسکی کے مثل ایران متوسط بالخصوص کاشان و اصفهان کے دیہاتوں میں فروکش رہ کر یا سوت سین کی طرح کردستان جاکر یا هوتم شنڈلر کی طرح یزد و کرمان کی خاک چھان کر یا اُس قدیم سرمایۂ ادب سے حاصل کرنا چاهئے جو غلطی سے نہایت قلیل سمجھہ لیا گیا ہے - جن شعرا نے بولیوں میں وسیع پیمانے پر طبع آزمائی کی ہے ان میں سے امیر پازواری اور بابا طاهر عریاں خاص شہرت رکھتے هیں، امیر مازندرانی

امیر پازواری اور بابا طاهر

میں کہتا تھا، اس کا کلام توورن نے طبع کرایا ہے، بابا طاهر کی نسبت ایک فریق کا تو یہ خیال ہے کہ اس کی رباعیات همدان کی بولی میں هیں؛ اور دوسرے فریق کا یہ کہ لوری میں، تاهم وہ هیں اس قدر مقبول کہ ان کے حوالوں سے تقریر کی گرمی اور ان کے نغموں سے سرودخانوں کی رونق دوبالا کی جاتی ہے، ان رباعیات کو ایران میں بارها اور فرانس میں هوآر نے فرانسیسی ترجمے کے ساتھہ یورنال ایشیاتک بابت سنه

۱۸۸۵ع میں ایک بار شایع کیا ھے' بابا طاھر ایران کا برنز (Burns) تھا' اس کے کلام میں سادگیء خیال اور پاکیزگیء زبان ھے' الفاظ بھی رواں اور نغمہ زا لاتا ھے' اس پر بحر کی سادگی اور یکسانی نے سونے پر سہاگے کا کام دیا' ھزج مسدس محذوف بہت مطبوع تھی' ذیل کی تین رباعیاں مشہور عام ھیں :—

(۱) چہ خوش بی مہربونی از دوسربی — محبت تو وہ ھے جس میں عاشق و معشوق دونوں بے تاب ھوں

که یک سر مہربونی دردسربی — یک طرفہ محبت ایک درد سر ھے

اگر مجنوں دل شوریدۂ داشت — مجنوں عاشق کے دل میں اضطراب تو تھا ھی

دل لیلیٰ ازوں شوریدہ تربی — لیکن لیلیٰ کے دل میں اس سے افزوں تر تھا

اِس رباعی میں دھاتی خصوصیت ایک تو بی (بود) ھے اور دوسرے " مہربونی " میں بجاے الف کے واو کا استعمال جو اکثر بولیوں میں پایا جاتا ھے بلکہ جنوب کی فارسیء معلیٰ میں بالخصوص اور دوسرے حصوں میں بالعموم رائج ھوچکا ھے —

(۲) مگر شیر و پلنگی اے دل اے دل — اے دل شاید تو شیر ھے یا پلنگ

بموداٹم بجنگی اے دل اے دل — ھم سے ھمیشہ دست و گریباں رھتا ھے

اگر دستم فتی خونت وریژم اگر تو میرے هاتھہ آجائے
تو میں تجکو چیروں -

ودینم تاچہ رنگی اےدل اے دل اور دیکھوں کہ تیرا رنگ
کون عجیب رنگ ھے -

یہاں بہو = بہا ' دستم = دستم برائے بدستم '
وریژم = بریزم ' ودینم = ببینم —

(۳) وشم واشم ازیںعالم بدرشم میں اُٹھوں گا ' چلدوں گا اور
دنیا سے باھر ھوجاؤں گا

وشُم از چین و ماچین دیر ترشُم چین اور اس سے بھی آگے
نکل جاوں گا

وشم از حاجیاں حج بپرسم وھاں پہنچکر سالکوں سے
پوچھوں گا

کہ اے دیری بسے یا دیر ترشم کہ بس یا اور آگے ؟

ان اشعار میں "وشم" = بشوم ' " واشم " یاتو باشم ھے
(= ٹھیروں گا) یا باز شوم (پھر جاؤں گا یاواپس لوٹونگا)
دیرتر = دور تر ' ای = این ' بسے = بس است—

پازواری اور بابا طاھر کے علاوہ دوسرے اور معروف شعرا ھیں جنھوں نے اس زمین میں گاہ گاہ مشق سخن کی ' مثلاً سعدی ' حافظ ' پندار یا بندار رازی ' شاعر اطعم و تضمین ھزل گو بسحاق (ابو اسحاق) شیرازی وغیرہ جن کی مفصل فہرست ھمارے مضمون "ایرانی بولیوں کی شاعري" مطبوعۃ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ' اکتوبر سنہ ۱۸۹۵ ع صفحہ ۷۷۳ تا ۸۲۵ میں درج ھے - مگر افسوس یہ ھے کہ بعض قدیم اور بہترین

نسخوں کے سوا اس قبیل کا جتنا کلام ھے وہ کاتبوں کے ھاتھہ سے بالکل مسخ اور بے معنی ھو گیا ھے - آنجہانی چارلس شیفر کی شاندار لائبریری میں سلسلہ سلجوقیہ کی ایک عہدہ اور پرانی قلمی تاریخ ھماری نظر سے گزری ھے ' اس کا سال تصنیف ٦٣٥ ھ ھے' غالباً دوسرا نسخہ اس کتاب کا کہیں موجود نہیں ' اس کا نام " کتاب الراحت الصدور...... في تواریخ کیخسرو وآل سلجوق" ھے اور مصنف کا نام نجم الدین ابوبکر محمد بن علی بن سلیمان بن محمد بن احمد بن الحسین بن همت الراوندي - اس تاریخ میں کثرت سے قصباتی زبانوں کے اشعار یا فہلویات منقول ھیں' جن کو سر سری نظر سے دیکھنے پر یہ معلوم ھوا کہ باوجود مشکل ھونے کے وہ ضرور اس لائق ھیں کہ ان کا غور سے مطالعہ کیا جاے کیونکہ قلمی نسخہ پرانا ھے اور اس لئے متن غالباً صحیح ھے-

حمد اللہ مستوفی کی بلند پایہ کتاب تاریخ گزیدہ مولفۂ سنہ ۱۳۳۰ ع کے باب پنجم ' فصل ششم میں نواسی (۸۹) شعرا و شاعرات کے اسماء اور نہایت مختصر حالات ملتے ھیں ' ان میں سے مندرجۂ ذیل وہ سخن سنج ھیں جنھوں نے قصباتی زبان میں شاعري کی اور جن کے کلام کا نمونہ بھی مستوفی نے شامل تذکرہ کیا ھے ' ان کے نام پر ھم ستارے لگاے دیتے ھیں :—

(۱) ابوالماجد راٹگانی * ' متوطن علاقہ قزوین (او اخر ۱۳ ویں صدی) (۲) امیر کاء قزوینی (۳) آقانبج زنجانی * (۴) پندار یا بندار رازی - (۵) جولاھہ ابہری *

(۶) عزالدین ہمدانی (۷) کافیء کرچی * [تیرھویں صدی]

مشہور شاعر، سیاح، اسماعیلی مبلغ ناصر خسرو اپنے سفر نامے (مرتبہ و مترجمہ شیفر بزبان فرانسیسی پیرس ۱۸۸۱ صفحہ متن ۶) میں رقمطراز ہے کہ سنہ ۱۰۴۶ ع میں جب وہ مغرب کی جانب سفر کررہا تھا تو تبریز میں قطران شاعر نے اس سے شاعر منجیک کے قصباتی زبان کے بعض شعروں کا حل دریافت کیا، اس حوالے سے کامل ثبوت بہم پہنچ جاتا ہے کہ "قصباتی شاعری" کا شوق گیارھویں صدی سے اب تک ایران میں برابر موجود ہے۔ اسدی کی "لغت فرس" گیارھویں صدی کی تالیف ہے، جس کو ڈاکٹر پال ہارن نے وٹیکن کے نسخہ وحید سے نقل کرکے سنہ ۱۸۹۷ع میں بمقام برلن چھاپا ہے، اس میں بھی جا بجا قصباتی اشعار پہلوی کے عام لقب سے منقول ہیں۔ نثر میں اس قطع کی دو اعلی کتابیں ہیں مگر دونو بدعتی فرقوں کی تصنیف ہیں، ایک کا نام جاودان کبیر ہے اور وہ حروفیوں کا صحیفہ ہے جو تیمور کے زمانے چودھویں صدی میں پیدا ہوا۔ اس کے کچھہ حصے کی زبان غرب ایران کی بولی ہے †۔ دوسری کتاب بابیوں کی ایک افسانہ نما تاریخ ہے جس میں سنہ ۱۸۴۹ع کی بابی بغاوت مازندران کا حال درج ہے، اس کی زبان مازندرن کی

---

† دیکھو فہرست فارسی نسخہ جات قلمی موجودہ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری۔ مرتبۂ راقم صفحہ ۶۹ تا ۸۶ اور ہمارا مضمون "ادبیات و تعلیمات معتقدات فرقۂ حروفی" مطبوعۂ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بابت جنوری ۱۸۹۸ع صفحہ ۶۱ - ۹۴ —

بولی ھے، ڈورن نے اس کو ملانژز ایشیاٹیک (سینٹ پیٹرزبرگ سنه ۱۸۶۶ع) کی جلد پنجم ۳۷۷ اور بعد کے صفحوں میں ترجمے کے ساتھه شایع کیا ھے—

اهم بولیوں کی فهرست | فارسی زبان کی مشہور بولیوں کے اضلاع یه هیں:-

مازندران، گیلان اور تالش شمال میں؛ سمنان شمال مشرق میں؛ وسط میں کاشان، قہرود، نائن اور یزد، کرمان، رفسنجان وغیرہ میں زرتشتیوں کی عجیب و غریب گبری بولی؛ سیوند جنوب میں؛ لورستان، بہبہان (یہاں رضا قلی خاں نام کا ایک حقیقی شاعر موجود ھے) اور کردستان مغرب میں؛ مگر بیرونجات میں اور متعدد بولیاں، جن میں سے بعض کے ناموں سے بھی اهل یورپ واقف نہیں، ضرور رائج ھوں گی۔ ان بولیوں میں سے جو مروج اور معلوم ھیں مگر جن کا ھنوز بخوبی مطالعه نہیں کیا گیا ھے ایک تو مغرب میں بختیاری ھے اور دوسری مشرق میں سیستانی جو بدرجۂ غایت توجه کے قابل ھیں—

———:o:———

باب سوم

اسلامی دور سے قبل ایرانیوں کا علم و ادب اور اُن کی مختصر مگر افسانہ آمیز تاریخ جو شاہنامہ سے ماخوذ ہے

عرض حال

جس کتاب کا یہ دعویٰ ہو کہ اُس میں ایک قوم کی تمام و کمال تاریخ ادب سے بحث کی جائے گی بظاہر اُس کے ہر ایک قومی دور اور ذہنی ترقی کی ہر ایک منزل پر حتی الامکان مساوی طور پر توجہ کرنا ضروری ہے۔ مگر خصوصیات ایران کی گونا گونی کا اقتضا یہ ہے کہ ہمارے موضوع میں جامعیت و صحت بیان پیدا کرنے کے لئے مصنف تعداد میں کئی اور ہر شعبے میں طاق ہوں اور متحدہ طور پر کام کریں (جیسے کہ گائگر اور کوہن کی بے مثل کتاب "اساسی لسانیات عجم" جس کا تذکرہ کئی بار آچکا ہے متحدہ کوششوں کا نتیجہ ہے) یا اگر ایک شخص جسارت کرے تو اُس کو ایسے بوقلموں فضائل و اوصاف کا جامع ہونا چاہئے جو ایک ذات واحد میں شاذ و نادر جمع ہوتے ہیں۔ باعتبار زبان جو تقسیم کہ باب اول میں کی

گئی ھے - اُس کی رو سے ادب کے چار انواع (ان میں سے ایک مقدار و وسعت میں اس قدر کم ھے کہ اُس کو ایک علحدہ نوع بہ مشکل کہہ سکتے ھیں) جن کا متحدہ ایک نام فارسی ادبیات ھوگا، قائم کئے جا سکتے ھیں، یعنی :-

۱ - کتبات ہیکانی جو فارسی قدیم میں ھیں اور سلاطین ھخامنشی سے تعلق رکھتے ھیں -

۲ - اوستا یعنی اس کے وہ اجزا جو ھم تک پہنچے ھیں معہ گاتھا جو باقی حصص سے قدیم تر اور بلحاظ زبان قدرے مختلف ھے اور بخیال بعض خود زوراستر کے زمانے کی ھے—

۳ - ادبیات پہلوی جس میں ساسانی دور کے کتبات بھی داخل ھیں —

۴ - ادبیات بعد الاسلامی یا فارسی جدید جو پچھلے ایک ہزار سال پر مشتمل اور عام طور سے "ادبیات فارسی" کے نام سے معروف ھے (اس کے ساتھ ھمیں ایک اور شق کا اضافہ بھی کرنا ھوگا جو نمبر (۵) میں ھے - اس کے وجوہ باب اول صفحہ ۳ و ۴ میں بیان ھو چکے ھیں) —

۵ - عربی تصنیفات کا وہ کثیر حصہ جو ایرانیوں نے لکھا ھے وہ بھی اس آخری تقسیم کے ساتھ شامل کرلینا چاھئے—

مذکورالصدر تین قدیم زبانوں اور ادبوں کی بابت میری معلومات نہ صرف سطحی بلکہ دوسروں کی وساطت پر

مبنی ہے؛ کیونکہ صرف فارسی جدید اور عربی ادب کا مطالعہ زیادہ سے زیادہ مستعد دماغ کے لئے زندگی بھر کا سامان ہوسکتا ہے - باقی لٹریچروں کی سرحدیں بعید الفاصلہ ہیں اور ہر اقلیم کی بادیہ پیمائی کے لئے مطلوبہ اہلیت بھی آپس میں جدا ہے'' فارسی قدیم اور اوستا کے لئے سنسکرت کی مہارت از بس ضروری ہے'' اس میدان میں علوم عربی اور واقفیت اسلام محض دوسرے درجے کی چیزیں ہیں'' فارسی قدیم کے لئے آسوری'' اور'' اوستا کے لئے پہلوی کی تحصیل کار آمد'' ہے' لیکن پہلوی میں اس وقت تک کام نہیں چل سکتا جب تک کہ آرامی زبانیں خاصۃ سریانی اور کلدانی نہ آتی ہوں- چونکہ ایک مصنف کا شیوہ یہ ہونا چاہئیے کہ وہ جس موضوع پر قلم اُٹھائے اس میں ذاتی طور پر ید طولیٰ رکھتا ہو اور مجھے اپنے موضوع کی تکمیل و توسیع کے لئے قبل الاسلامی ادبیات و السنہ میں دوسرے کاملین فن کا دست نگر ہونا پڑا ہے' اس لئے مجھے زیبا یہ تھا کہ میں فارسی جدید یا بعدالاسلامی ادب کے دائرے سے؛ جس میں ایک عرصے تک میں نے سرگردانی کی ہے' اپنا قدم باہر نہ رکھتا- لیکن چونکہ افق معلومات پر ہر جدید طلوع سے محقق کو احساس ہونے لگتا ہے کہ ایک قوم کے حالات و خیالات جو تحقیق سے قبل جدا جدا اور ٹوٹے ہوے دکھائی دیتے تھے' کس درجے مسلسل اور آپس میں گُتھے ہوے ہیں اور خطوط فاصل جو پہلے نہایت صاف اور جلی نظر آتے تھے کس قدر دھندلے اور تاریک ہیں' اس لئے راقم کی طبیعت اس امر پر راغب ہوی کہ اپنے موضوع کے تسلسل کو مصنوعی اور غلط حد بندیوں

سے توڑ کر ناظرین کتاب کو دھوکا دیا جائے۔ میں نے ترکی زبان سے علوم مشرقیہ کا مطالعہ شروع کیا، لیکن بہت جلد فارسی ادب کی جانب ڈھلک آیا کیونکہ ترکی تہذیب و شائستگی اور ترکی علم و فن بہار عجم کے شگوفے ہیں۔ لیکن اس گلزار کی پوری سیر نہ کی تھی کہ معلوم ہوا عربی زبان، عربی ادب، عربی تہذیب اور عربی تمدن میں دستگاہ حاصل کئے بغیر عجمیات میں شد بد سے زیادہ نگاہ نہیں ہوسکتی۔ تاہم ابھی تک میں اس خیال پر جما رہا کہ عرب فاتحوں کی تسخیر ایران اور کثیرالتعداد ایرانیوں کا قبول اسلام عجمی تاریخ کے وہ واقعات ہیں جہاں سے عجمیات کا مطالعہ صحیح طور پر شروع کیا جاسکتا ہے اور جہاں ایرانی تاریخ کے گذشتہ ابواب دریا برد معلوم ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ خیال بھی حقیقت سے دور نظر آنے لگا، اور مجھے خیال آیا کہ عباسیوں کی پیچیدہ تہذیب کے کثیرالتعداد پہلو تاریخ اسلام کے ابتدائی حالات، قرآن کریم اور جناب رسالتمآب کی تعلیم، صرف اس وقت سمجھ میں آسکتی ہے جب کہ محقق کے سامنے قدیم تر تاریخوں کے اوراق موجود ہوں* الغرض ایک تحقیق کار اسلامی سے ساسانی عہد، ساسانی سے پارتھوی، ہخامنشی، میدوی، آسوری اور قدیم ترین آریائی عہد اور خدا جانے کہاں سے کہاں کھنچا ہوا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ یہ شعر اس کی زبان پر

---

* تہذیب و تمدن اسلام پر قبل الاسلامی نظاموں کے مذہبی و سیاسی اثرات کے متعلق فان کریمر کی تحریریں معلومات سے پر ہیں، خاصۃً اس کی چھوٹی سی کتاب حدود اسلام میں غزا —

جاری هو جاتا هے :—

مرد خرد مند هنر پیشه را
عمر دو بایست درین روزگار
تا به یکے تجربه آموختی
در دگرے تجربه بردی بکار

لهذا ایک طرف تو میں ان مسائل میں پڑنے سے گھبراتا تھا جو میرے بس کے نه تھے اور دوسری طرف مجھه کو ایسی کتاب پیش کرنے سے عار تھا جو نه صرف ناقص اور ناظرین کو دھوکے میں ڈالنے والی هو بلکه میرے نقطهٔ خیال سے ایک قوم کی تاریخ علوم صحیح معنوں میں نه هوسکے، جس کا عام خاکه اور مطمح اور جس کی بحث و ترتیب مضامین غلط هو۔ اس کشمکش کے درمیان میں نے یه فیصله کیا که باب هذا میں هخا منشی کتبات کے چیدہ مسائل، اوستا کے مرقومات، پهلوی دور کی یادگاریں اور ادبیات نیز دین زرتشت کے خاص خاص حالات بیان کروں۔ میری دانست میں ان چیزوں کا جاننا ان لوگوں کے لئے بھی کار آمد هے جن کا شوق صرف فارسی جدید تک محدود هے، عهد ساسان اور ضمناً پهلوی کا بیان، جو ساسانیوں کی سرکاری زبان تھی، دوسرے باب میں کسی قدر تفصیل سے آئیگا، کیونکه ایران کی تاریخ میں یه زمانه وہ هے جس میں اوائل اسلام کی دلچسپ جڑیں پھیلی هوی هیں۔ یاد رکھنا چاهئے که جو خلیج ساسانی زمانے کو اس سے قبل کے زمانے سے جدا کرتی هے اس کا پر کرنا جس قدر مشکل هے اُس قدر اُس زمانے کو دور اسلام سے ملا دینا مشکل نہیں هے

اور چونکہ ادب کی بحث میں افسانے اور روایات بھی اھمیت کا وھی مرتبہ رکھتی ھیں جو اصل تاریخ کا مرتبہ ھے، اس لئے میں اس باب میں شاھنامے یعنی قومی روایت کی ورق گردانی کروں گا، جیسا کہ آئندہ ثابت کیا جاے گا۔ یہ قومی روایت عہد ساسان کے شروع پر پہونچکر قومی تاریخ بن جاتی ھے؛ لہذا اس باب کو ھم چار فصلوں میں بعنوان ذیل تقسیم کرتے ھیں :—

(۱) ھخا منشی (۲) اوستای (۳) پہلوی (۴) قومی روایت

فصل اول

Achaemen

سلاطین ھخا منشی کی علمی یاد گاریں

ایران کا سب سے اول اور رفعت آشنا خاندان وہ ھے جس کا آغاز ۵۵۹ قبل مسیح میں سای رس کی تاجپوشی اور خاتمہ ۳۳۰ قبل مسیح میں سکندر کی تلوار سے ھوا، جب کہ اُس فاتح اعظم نے داراے آخر کو شکست دی اور تاجدار مغلوب اپنے دونمک حرام صوبوں بی سس اور بزرائن تیز کے ھاتھوں نہایت بے دردی کے ساتھہ مارا گیا۔ اس خاندان کے تمام تر حالات یونانی مورخوں خاص کر ھیروڈوٹس، ٹی سی آز اور زینوفون (انابےسس، سای روپیڈیا، اے جی سی لاس) کی قلم نے ھمارے لئے محفوظ کئے ھیں اور بعض لمعات دوسرے تاریخ نویسوں مثلاً ایس کائی لس کی کتاب "پرسی" میں پائے جاتے ھیں۔ لیکن یہ ماخذ خارجی ھیں، ان کے پیش کردہ

حالات کو جنھیں ھخا منشی خاندان کی داستان مرتب کرنے میں رالنسن ' اشپیگل اور یوستی جیسے محققین نے کافی طور سے کھنگالا ھے ' ھم نہیں چھیڑیں گے ' کیونکہ ان کی تلاش و تحقیق ایک مستشرق کی نسبت کلاسیکل * محقق سے زیادہ تعلق رکھتی ھے - تاھم رالنسن نے ھیروڈوٹس کی تاریخ کے قابل تعریف ترجمے میں اس نکتے کی طرف اشارہ کیا ھے کہ اس مورخ کے بیانات کی تصدیق نہ صرف ھخا منشی کتبوں سے ھوتی ھے بلکہ ایرانیوں کی قومی سیرت کی سچی اور زندہ تصویر جو اس کی تاریخ میں نظر آتی ھے اُس کے مقالات پر آمنا و صد قنا کہتی ھے - اگر ھیرو ڈوٹس کی شہادت موجود نہ ھوتی تو اندیشہ تھا کہ ھخا منشی کتبے جو اب اُس کی شہادت سے آئینہ ھوچکے ھیں پڑھ لئے جانے کے بعد بھی بعض اعتبار سے سربمہر ھی رھتے ' مثلاً دارا کے بے ستون والے بڑے کتبے کو لو اور اُس کے پہلے حصے میں (سطور ' ٨ ' ١١) ان الفاظ کو دیکھو :- " کہتا ھے بادشاہ دارا ' ھمارے خاندان میں پہلے آٹھہ بادشاہ ھوے اور میں نواں ھوں : ھم دو نسل یا دو سلسلے کے بادشاہ ھیں " - اس بیان کو اُس شجرۂ نسب کی روشنی میں دیکھا جاے جو ھیرو ڈوٹس (پالھیمنہ ھفتم ' ١١) کے بیانات کی مدد سے مرتب کیا جاسکتا ھے تو اس کے معنی بالکل سمجھہ میں آجائیں گے ---

---

* یعنی ادبیات یونان و روم کے محقق ---

(۱) ایکی‌می نیز (= ھخامنش)

(۲) تیزپیز (چائش پش)

(۳) کیم بی‌سیز (کمبوجیہ) ——— (۶) ایر یارم‌نیز (اریا رامنا)

(۴) سای رس (کُرش) (۷) ارسامیز (ارشامہ)

(۵) کیم بی سیز (کمبوجیہ) (۸)ھستاسپیز (وشتاسپ)

(۹) ‌دارئس (داریو وش)

زرکسیز (خشیار شا)

ھرچند کہ عام روایت کے مطابق اس سلسلے کا پہلا بادشاہ سای رس (ق م ۵۵۹–۵۲۹) شمار کیا جاتا ھے ' اس کا بیٹا کیم‌بی سیز (ق م ۵۶۲ - ۵۲۲) دوسرا دارئس (ق‌م ۵۲۱-۴۸۵) تیسرا بادشاہ ؛ لیکن دارئس اپنے (سلسلۂ) نسب کو ھخامنش تک لیجاتا ھے اور اس میں یک جدی دوسرے سلسلے کے تین بادشاھوں کو (یعنی سای رس کے باپ کیم بی سیز اور اس کے بیٹے کیم بی سیز کو) بھی شامل کرتا ھے ' اس طرح دو وی تا تونم بمعنے "دو سلسلوں سے" (پہلے اس کے معنی " نہایت ھی قدیم زمانے سے " تجویز کئے گئے تھے) اور دارا کے الفاظ " میں نواں ھوں " کا مفہوم بالکل صاف ھوجاتا ھے —

ایک مشاھدہ پسند سیاح اگر استخر اور اس کے گرد و نواح کی سیر کرے تو اُسے کسی قدر حیرت کے ساتھہ نظر آئے گا کہ قدیم ترین کتبے سب سے بہتر اور جدید ترین سب سے ابتر حالت میں ھیں - ھخامنشی زمانے کے پیکانی کتبے

اس قدر صاف اور روشن ھیں کہ مشکل سے باور ھوتا ھے کہ انھیں کندہ کرنے والی تانکی نے دوھزار چار سو برس ھوے اپنا کام ختم کیا تھا ' ان کے مقابلے میں ساسانی یا پہلوی کتبات جو عمر میں ان سے ساڑھے سات سوبرس کم ھیں ' زیادہ مٹے اور مرجھائے ھوئے ھیں ' بخلاف ان کے فارسی جدید کے تازے کتبے تقریباً غائب ھوچکے ھیں- ھم ان کتبوں کو ان تین دوروں کا قائم مقام اور ان کے اسلوب بیان میں ان دوروں کی خصوصیتوں کا عکس دیکھتے ھیں- دارا ے اعظم صرف اس القاب پر قناعت کرتا ھے :—

" بادشاہ اعظم ' شہنشاہ ' شاہ ایران '
شاہ صوبجات' ابن وشتاسپ ابن ارشام
ھخا منشی " —

مگر حاجی آباد کے پہلوی کتبے میں شاپور ساسانی اپنے نام کو یوں پھیلاتا ھے :—

" پرستار مزدہ الوھیت وجود شاہ پور'
شہنشاہ ایران و غیر ایران ' روحانی
اصل ایزد نسل ' ابن پرستار مزدہ
الوھیت وجود ارتخشتر' شہنشاہ ایران'
روحانی اصل ایزد نسل' نبیرہ الوھیت
وجود شاہ پاپک "

القاب و خطابات کا وہ انبار جن سے اسلامی انحطاط کے زمانے میں چار بیگھہ زمین کا نواب بھی اپنے نام کو

آراستہ کرتا تھا ' ہر ایک فارسی داں کو معلوم ہے اور فارسی نہ جاننے والوں کو ہم ایسے بلند آواز لیکن مشیخت نما الفاظ کے اعادے سے تکلیف نہ دیں گے —

ہم نے اوپر یہ کہا ہے کہ کتبات ہخا منشی کو فارسی قدیم کی علمی یادگاروں کی نسبت زیادہ تر تاریخی یادگاریں سمجھنا چاہئیے لیکن ان میں آمد و متانت اور سادگی و صداقت بیان اس درجہ پائی جاتی ہے کہ وہ طرز ادا اور ادب و انشا کے حقیقی نمونے کہلانے کے مستحق ہیں - ان کا ایک نمونہ تو دارا کے کتبۂ بے ستون کا وہ ترجمہ ہے جو صفحات ۵۳ - ۵۴ و ۵۵ میں گزر چکا ہے- دوسرا یہ موجود ہے جو اسی تاجدار نے استخر میں کندہ کرایا تھا

" خدائے بزرگ اہورمزدہ ہے جس نے
اِس زمین کو بنایا ' جس نے اُس آسمان
کو بنایا ' جس نے اِنسان کی خوشی کو بنایا '
جس نے دارا کو بادشاہ بنایا جو بہت
سوں کا واحد فرمانروا اور بہت سوں
کا واحد واضع قانون ہے " —

" میں دارا ہوں ' شاہ اعظم ' شاہ شاہاں '
شاہ ولایات معمورہ اقوام عالم ' مدت
سے اس وسیع زمین کا حاکم ' ابن وشتاسپ
ہخا منشی ' عجمی ابن عجمی ' نسل کا
آریائی " —

" کہتا ہے بادشاہ دارا : اہورمزد

کے فضل سے فارس کے علاوہ میں ان
ممالک کا مالک تھا، ان پر میری
حکومت تھی، ان سے میں خراج لیتا
تھا، ان پر میرے احکام کی تعمیل
واجب تھی اور ان میں میرا قانون
قائم تھا: میڈیہ، سوسیانہ، پارتھیہ،
هریوہ (هرات)، باختریہ (بلخ)، سغد،
خوارزم (خیوا)، زرنگ (درنگیانہ)
ارخوسیہ، تھت گوش (ستاگیدیہ)،
گندارہ، انڈیا، هومہ ورک سیتھی،
اور تیگرہ خدہ سیتھی، بابل، آسوریہ،
عرب، مصر، آرمینہ، کے پے ڈوشیہ،
سپردہ، یونانی آبادیاں، ماوراءالبحر
کے سیتھی، سکدرہ، تاج پوش یونانی*
ادرا پوتیہ، کوشیہ، ماکیہ، (اور)
کرکہ [لوگوں میں] —

"کہتا هے بادشاہ دارا: جب اهرمزد
نے اس زمین کو دیکھا تو اس نے مجھ
کو اس کا امین بنایا اور بادشاہ کیا،

---

* بعض مورخین تاج پوش کے الفاظ پر معترض هیں، پروفیسر کاویل کہتا تھا کہ ان سے یونانی کا یہ لفظ .... مراد هے جس کے معنی "بالوں کی چوٹی" جوسونے کے ٹکڑے سے باندھی جاتی تھی اور تھوسی ڈای ڈیز کے وقت تک یونانی اس طرح کی چوٹی رکھتے تھے —

میں بادشاہ ہوں اور بفضل اہرمزد میں
نے اُس میں امن و امان قایم کیا - جو
کچھہ میں نے ان (رعایا) کو حکم دیا اس
کی تعمیل انھوں نے میری مرضی کے مطابق
کی - اگر تیرے دل میں یہ خیال آئے کہ
وہ کتنی ولایتیں تھیں جن پر دارا
بادشاہ حکومت کرتا تھا تو اس تصویر
کو دیکھہ: لوگ میرا تخت اٹھائے ہوے
ہیں' اس سے تو لوگوں کو پہچان سکتا
ہے- اب تو جان جاے گا کہ ایرانیوں کے
نیزے دور دور تک پہنچتے ہیں؛ اور
تو جان جاےگا کہ اہل ایران ایران سے
دور لڑائیاں سر کرتے تھے''—

''کہتا ہے بادشاہ دارا: جو کچھہ
میں نے کیا اس میں اہرمزد کا فضل
شامل تھا: اہرمزدہ نے مجھہ کو مدد
دی تا آنکہ میں نے کام کو انجام تک
پہونچا دیا- اہرمزدہ .... سے مجھہ
کو میرے خاندان کو اور ان ممالک کو
محفوظ رکھے! اس کے لئے میں اہرمزدہ
سے دعا کرتا ہوں: اہرمزدہ میری دعا
قبول کرے'' —

''اے بشر آدم! اہرمزدہ کا فیصلہ

لئے یہ حکم ہے: برائی مت سونچ؛ سیدھے
راستے کو نہ چھوڑ؛ گناہ نہ کر!'' ـــ

ایک عجیب فرق جو ہخامنشی کے اخیر زمانے والے ایک کتبے (یعنی اردشیر آخوس کے ق م ۳۶۱ – ۲۳۶)میں نظر آتا ہے اس قابل ہے کہ اس کا سرسری ذکر کیا جائے۔ کیا در حقیقت کوئی نازک تعلق ایک قوم کی پستی یا عارضی انحطاط اور اس قوم کی زبان کی ابتری میں ہوا کرتا ہے؟ ہم نے انگریز محققوں سے سنا ہے کہ جنگ ہیستنگز سے پہلے اینگلو سیکسن زبان یا قدیم انگریزی ایک وسیع حد تک گریمر کے قواعد سے آزاد ہونے لگی تھی اور فارسن حملے سے قبل تو نہایت ابتر حالت میں آچکی تھی۔ بہر کیف فارسی قدیم کے معاملے میں یہ زوال اس قدر روشن ہے کہ شبہ کی گنجائش نہیں؛ کتبۂ مذکور میں تغیرات و حالات اسم کی غلطیاں جابجا دکھائی دیتی ہیں، '' بومام''(بمعنی زمین - منصوب) بجاے '' بو مم'' کے ، ''الہا فام'' (الہان ، منصوب واحد) بجاے ''الہانم'' کے، ''شایتام'' (مسرت، منصوب واحد) بجاے ''شیاتم'' کے، اسی طرح ''مرتیہیا'' بجاے مرتیہیہ (آدمیوں کا بحالت مجرور جمع)، ''کشایتھہ (بمعنی بادشاہ، مرفوع بجاے منصوب واحد کے)، اور علی ہذا۔ قومی زوال کا رنگ نہ صرف زبان نے پکڑا بلکہ یہ رنگ معتقدات میں بھی دوڑ گیا؛ اہرمزد وحدہ لا شریک تھا مگر اب اس کے شریک و ہمسر کھڑے ہوگئے، ایک جانب متھرا (سورج) خدا بن چکا تھا اور دوسری جانب انہ ہتہ(= ناہید) کو مرتبۂ ایزدی مل چکا تھا ـــ

فصل دوم

اوستا

باب اول میں ہم نے اوستا کی اصلیت اور اُس کے عہد و وطن کے متعلق بعض باتوں کو سر سری طور پر بیان کیا ہے - مگر افسوس ہے کہ ان امور کے متعلق بہت صحیح اور یقینی معلومات حاصل نہیں ہیں - یہاں ہم دو انتہا ی اور متضاد رائیں پیش کرتے ہیں - ان میں سے ایک گیلڈنر ہے جس کا مضمون " زرتشت " انسا ئیکلو پیڈیا طبع نہم (۱۸۸۸) میں دیکھا جاے اور دوسرا ڈارمشٹیٹر جس کا فرانسیسی ترجمۂ اوستا " جلد وقایع " ۲۱ ' ۲۲ اور ۲۳ (۱۸۹۲ - ۱۸۹۳) ملاحظہ ہو —

گیلڈنر کی پہلی راے سنہ ۱۸۸۸ | گیلڈنر کا بیان ہے کہ اوستا کا ایک حصہ یا کم از کم " گاتھا " یا تو خود زوراسٹر یا ان کے حواریوں کے اصل الفاظ میں ہے ' ان کی تعلیم کا مرکز باختر اور باختر کی زبان ان کی تعلیم کا آلہ تھی - شاہ وستاسپ (گشتاسپ ' ہستاس پیز) جو ان کی ہدایت پر ایمان لایا اور جو بعد میں ان کی جان کا سپر اور اُن کے مذہب کا محافظ بن گیا تھا " وقائع تاریخ میں کہیں مذکور نہیں " - اور اگر اس نام کا کوئی شخص تھا بھی تو اُس کا زمانہ سائی رس سے کہیں پہلے کا تھا ' تاہم "اس کو دارا کے باپ ہستاس پیز سے

جدا رکھنا چاھئیے " اور اس کا عہد ایک ہزار سے (بخیال ڈنکر) چودہ سو برس (بخیال گوٹ شمٹ) قبل مسیح کے اندر اندر سمجھنا چاھئیے ×ڈارم شٹیٹر کو ان باتوں سے قطعی انکار ہے؛ اُس کا بیان ہے کہ اگر ہخا منشی دور کی کوئی زرتشتی

ڈارم شٹیٹر کی بعد کی رائے ۱۸۹۳

کتاب تھی تو وہ بتمامہ حملۂ سکندر کے نذر ہوی ؛ اوستا کی تدوین جس کا صرف ایک حصہ اس وقت موجود ہے پہلی صدی عیسوی اور پارتھوی بادشاہ والوگیسیز اول (سنہ ۵۱ – ۷۸ ع) کے عہد حکومت میں شروع ہوی اور ساسانی دور میں شاپور ثانی کے زمانے تک (سنہ ۳۰۹ - ۳۷۹ ع) اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا؛ اس کا آخری حصہ اسکندرانی یا جدید افلاطوقی فلسفۂ معرفت میں ڈوبا ہوا ہے ؛ تعلیم زرتشت کا جنم بھوم میڈیا تھا اور میڈیا کی زبان ذریعۂ اظہار ؛ اور جیسا کہ بعض پہلوی کتب مثلاً اردہ وراف نامک اور بُندھش میں صاف صاف موجود ہے زرتشتی ملت کا آغاز ایام سکندری سے تقریباً تین اور اور حضرت عیسیٰ سے چھہ یا سات صدی قبل ہوا تھا یا بالفاظ دیگر ہخا منشی خاندان کے ظہور سے کسی قدر پہلے —

گیلڈنر کی دوسری رائے (۱۸۹۶)

ڈارم شٹیٹر کی رائے اگرچہ عام قبولیت حاصل نہ کر سکی لیکن اُس نے مخالفین خصوصاً گیلڈنر اور اس کے متبعین کے مسلمات کو بہت کچھہ ڈھیلا کر دیا اور اُن روایتوں کی اہمیت کو اس نے منوا لیا جو پہلوی ' پارسی اور ابتدای اسلامی مرقومات میں درج ہیں - چنانچہ گیلڈنر نے گائگر اور کوھن کی " لسانیات عجم "

(۱۸۹۶) کے لئے جو دلچسپ مضمون لکھا ھے اُس میں اگرچہ مضمون نگار نے اوستا کی تاریخ تصنیف کے بارے میں دارمشتیٹر کے انقلاب انگیز بیانات سے اختلاف ھی رکھا مگر بخلاف سابق پارسی روایات کو بغایت واثق تسلیم کیا ؛(زرتشت کے معتقد هستاس پیز کو دارا کا باپ مان لیا جو تاریخی زمانے کا آدمی ھے اور سائرس اعظم کو زرتشت کا معاصر ' اوستا کا قدیم ترین سال تدوین ق م ۵۶۰ کہنے کو تیار ھو گیا ' اصل نسخہ اوستا کے تلف وگم ھونے پر یقین لے آیا اور زمانۂ تلفی کو وھی زمانہ تسلیم کیا جو سکندر کے حملے اور والوگی سیز کے درمیان ھے اور بالاخر یہ اقرار بھی کر لیا کہ دوسری اوستا کو والوگی سیز نے ازسر نو شروع کیا ' جسے اردشیر بانیء خاندان ساسان نے پھر تازہ کیا ' اور یہ بھی تسلیم کرتا ھے کہ شاپور ثانی (سنہ ۳۰۹ - ۳۷۹) کے عہد تک اس کی تدوین و اجتماع کا کام مسلسل جاری رھا ھوگا - باایں‌ھمہ اُس نے اس خیال کا دامن نہیں چھوڑا کہ اوستا کا حصہ گاتھا نہ صرف سب سے پرانا حصہ ھے بلکہ وہ زرتشت کی اصلی تعلیم زرتشت کے اصل الفاظ میں ھے اور خود بانیء تعلیم ایک تاریخی اور واقعی انسان تھے اور دارمشتیٹر کے خلاف عمدہ تاریخی دلائل پیش کرکے وہ باصرار تمام کہتا ھے کہ گاتھا کو" سکندریا ی ادریت " (Alexandrian Gnosticism) کی ھوا تک نہیں لگی اور نہ یہ کہ لفظ " وھو منو " (بہمن) جو گاتھا میں بار بار آیا ھے فیلوجوڈی اس کے لفظ " لوگوس تھوس " (کلام ربانی) کے بطن سے نکلا —

ساسانی اوستا

آنکتیے کے زمانے سے آج تک یہ خیال چلا آتا ھے کہ موجودہ اوستا ساسانیوں کی اوستا کا صرف ایک جز ھے اور (ساسانی اوستا بھی حجم میں بس اس قدر تھی کہ "ایک دستور آسانی کے ساتھ لوح دل پر محفوظ کرسکتا تھا"۔ نیز وہ اُس کامل اوستا کا ایک حصہ ھے جو "بیل کے مدبوغ چمڑوں پر آب زر سے نوشتہ" اور احترام و احتیاط کے ساتھ "ستخر پاپکان" میں رکھی رھتی تھی اور جس کو "ملعون سکندر رومی" نے تباہ کردیا) لیکن ویندیداد جو موجودہ اوستا کا جزو اعظم ھے ضخامت میں ایک معقول جلد ھے اور ان اکیس نسکوں میں سے ایک نسک ھے جن پر ساسانی اوستا مشتمل تھی، ان نسکوں کے مضامین ھم کو پہلوی "دینکرد" کے ذریعے سے بہت کچھ معلوم ھیں، یہ پہلوی کتاب نہایت کارآمد اور غالباً نویں صدی عیسوی کی تصنیف ھے - اکیس نسکوں کو جن کے پہلوی نام علمی دنیا میں پوشیدہ* نہیں، تین مساوی حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا، ایک "گاسانیک" (جس میں زیادہ تر آئین عبادت اور دینی مسائل مذکور ھیں) تھا، دوسرا "داتیک" (زیادہ تر قوانین معاشرت پر مشتمل) اور تیسرا "ھاتک مان سریک" (مشتمل بہ فلسفہ و حکمت) - پہلے سات نسکوں میں سے جن سے یہ حصہ مرتب اور جو دستوروں کے لئے

---

* دیکھو گیلڈنر کا مضمون مندرجۂ "لسانیات عجم" جلد دوم صفحہ ۱۸ اور ۲۰ —

مخصوص تھا تین کے اجزا اب تک باقی ھیں' ان کے نام یہ ھیں: (۱) استوت یشت (۲) بکو (۳) ھاتوخت' دوسرے سات نسکوں میں سے بھی (جو عوام کے لئے لکھے گئے ھیں) تین کسی قدر سلامت ھیں:—

(۱) وِیندیداد (۲) ھوس پارم (۳) بکان یشت: پچھلے دو جزوی حالت میں ھیں' رھا تیسرا نسک جو علماے محققین کے محدود دائرے کے مطلب کا تھا' وہ بدقسمتی سے نابود ھو گیا' غالباً اس کی تباھی کا سبب یہ ھوا کہ وہ مفید خاص و اھل علم و فضل تھا - ویست کے حساب سے ان اکیس نسکوں کی کل تعداد الفاظ ۳۴۷۰۰۰ تھی' جن میں سے اب صرف ۸۳۰۰۰ الفاظ یا تقریباً یک ربع باقی ھیں - تقسیم مذکورہ پر گیلڈنر کو اعتراض ھے کہ وہ ''ایک حد تک مصنوعی تقسیم ھے اور شاید اس وجہ سے پیدا کرلی گئی ھے کہ پوری اوستا اور نظم ''اھونہ ویریہ'' میں جو اوستا کی جان اور اُس کا لب لباب ھے ایک کامل مطابقت قائم ھو جاے''- گیلڈنر کے اعتراض پر ھم کو دو اور دلچسپ مگر بعد کے زمانے کی نظیریں یاد آگئیں جن سے اس امر کی شہادت بہم پہونچتی ھے کہ مشرق میں کیسے عجیب نوادر کے ساتھہ خیالات کا اعادہ

ایک عجیب نظیر

ھوتا رھتا ھے' اس مسئلے پر تفصیل کے ساتھہ ھم کسی اور مقام پر بحث کریں گے' پہلی نظیر ایک شیعی روایت میں ملتی ھے جو حضرت علیؑ سے منسوب کی جاتی ھے اور وہ یہ ھے:—

''قرآن کا لب لباب سورۂ فاتحہ میں

ہے، سورۂ فاتحہ کا لب لباب بسم اللہ
میں ہے (بسم اللہ سوائے ایک کے
ہر ایک سورۃ کا عنوان ہے اور
مسلمان ہر کام بسم اللہ سے شروع
کرتے ہیں)، بسم اللہ کا خلاصہ بسم اللہ
کی ب میں اور ب کا ب کے نقطے میں
اور وہ نقطہ میں ہوں''—

دوسری نظیر میں باب نے اس خیال کو وسعت دیکر استعمال کیا ہے، باب انیسویں صدی میں ایک آخری مگر عظیم الشان مذہبی تحریک کا بانی گزرا ہے، سنہ ۱۸۵۰ع میں بمقام تبریز قتل کیا گیا؛ اس کی تعلیم ہے کہ ۱۹ کا ہندسہ وحدت کا مرادف ہے، کیونکہ بسم اللہ کے حروف بھی تعداد میں ۱۹ ہیں اور لفظ ''واحد'' کی قیمت بھی بحساب ابجد ۱۹، اس لئے ۱۹ کو خدائے حی قیوم کی وحدانیت کا ایک صاف مظہر اور ہر گنتی کی بنیاد سمجھنی چاہئے - چنانچہ اُس نے اپنی کتابوں کو انیس ''واحدوں'' میں تقسیم کیا اور ہر حصے کے ۱۹ باب رکھے، ہر سال کے ۱۹ مہینے اور ہر مہینے کے ۱۹ دن مقرر کئے (=۳۶۱ دن)—

موجودہ اوستا کے حصے	اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ساسانی اوستا کے ۲۱ نسک تھے اور موجودہ اوستا صرف

ایک نسک پر مشتمل ہے یعنی ویندیداد؛ یاسنا جو کم از کم دوسرے چار نسکوں کے اجزا سے مرتب کرلی گئی ہے، نیز کچھ اور جستہ جستہ ٹکڑے ہیں جو بعض پہلوی کتابوں

میں بکھرے ہوے ملتے ہیں - ان میں سے ہسپارم خصوصیت سے قابل ذکر ہے جو نیرنگستان میں محفوظ ہے - اوستا کے موجودہ اجزا اور مذہبی کلمات کو پارسیوں نے پانچ بڑے بڑے حصوں میں تقسیم کردیا ہے' ان کی تفصیل یہ ہے:-

یاسنا	۱- یاسنا ' اس میں عبادت کے طریقے اور مذہبی گیت درج ہیں جو مختلف فرشتوں'

مقدس روحوں اور پاک ہستیوں کی شان میں گاے جاتے ہیں' اس کے ۷۲ باب ہیں (جو ہائتی یا ہا کہلاتے ہیں) - انہی کی تعداد کے تلازمے سے کُشتی یا زنار کو ۷۲ تاروں سے بناتے ہیں - پارسی طفل کو دین زرتشتی میں داخل کرنے کی رسم اسی کشتی کے پہنانے سے ادا کی جاتی ہے - قدیم گاتھا جس کا تذکرہ بار ہا آچکا ہے یا سنا میں شامل ہے —

وسپیریہ	۲ - وسپیریہ کے ابواب ۲۳ سے ۲۷ تک ہیں اور کر دے کہلا تے ہیں' مگر یہ کوئی علحدہ مربوط

اور مستقل کتاب نہیں بلکہ مذہبی وظائف اور تسبیحات و تحمیدات کا ایک مجموعہ ہے ' یا سنا کے مثل اور اسی کا ضمیمہ ' عبادت کے لئے یا سنا کے سا تھہ کا م میں آتا ہے —

وینديداد	۳ - وینديداد یا " قانون دافع شیاطین " کو با لفاظ دیگر یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ پارسیوں

کے احبار یا قوانین مذہبیہ کی کتاب ہے جس میں آداب طہارت و استغفار' اور کفاروں کی ترکیبیں دی ہوی ہیں - وینديداد کی تعداد ابواب (- فرگرد) ۲۲ اور پہلے باب میں

ان پاکیزہ اقطاع زمین کی پیدائش کا بیان ھے جو اھر مزد (اھورمزدہ) نے تخلیق کیں اور اھر مزد کے مقابلے میں اھرمن (انرومین یوش) کی خراب سر زمینوں کی تخلیق کا حال ھے، ان ممالک کے متعلق جو اھل اوستا کو معلوم تھے تمام بحثوں کا دار و مدار اسی باب پر ھے—

یشت

۴ – یشت تعداد میں ۲۱ اور ایک قسم کے بھجن ھیں جو مختلف ملائکہ اور ارواح مقدسہ کے لئے مخصوص ھیں یعنی آمشسپندوں اور ایزدوں کے لئے پارسی مہینے کا ھر دن ان میں سے ھر ایک کی طرف منسوب ھوا ھے اور اس کے نام پر اُس دن کا نام مقرر ھوا ھے۔ پارسیوں کا عقیدہ ھے کہ ھر پاک روح کے لئے ایک یشت مخصوص تھا جس سے پتہ چلتا ھے کہ ابتدا میں یشتوں کی مجموعی تعداد تیس تھی۔ ھمنے اوپر ذکر کیا ھے کہ مشرق میں قدیم مذھبی عقاید اور رسوم مت مت کر

مشرق میں قدیم مذھبی عقائد و رسوم کی احیا کی ایک اور مثال

زندہ ھوتے رھتے ھیں، زرتشتوں کے سال و ماہ کی تقسیم سے ھمیں اس کلیہ کی ایک اور مثال یاد آگئی۔ پارسیوں کا سال بارہ مہینے کا اور ھر مہینہ تیس دن کا ھوتا ھے جس میں پانچ دن جو گاتھا کہلاتے ھیں جوڑ دئے جاتے ھیں۔ ان کا سال ھمارے مانند ۳۶۵ دن کا شمسی سال ھے اور کچھہ اور ایام نسئی کا اضافہ بھی مناسب طریقے سے کرلیا جاتا ھے۔ بابیوں نے جن کی ابتدا کلیۃً ایک اسلامی فرقے کی صورت میں ھوئی اور جو شروع شروع میں، غلاۃ شیعہ میں سے تھے، مسلمانوں کا قمری

سال جو شمسی سے تقریباً ۱۱ دن کم ہے ترک کردیا اور اپنے
محبوب عدد ۱۹ کو ہر ایک شمار کی بنیاد سمجھکر انیس ماہ
کا ایک شمسی سال اور ۱۹ دن کا ایک ماہ تجویز کیا '
تعداد ایام و ماہ کی ضرب سے سال کے (۱۹ × ۱۹ یعنی) ۳۶۱
دن نکلتے ہیں ' تقویم اور فصلی سال میں تطبیق پیدا
کرنے کے لئے باقی کے دن یا تو پانچ یا اس سے کم اور
ملالیتے ہیں ' ان پانچ دنوں کی تعداد اپنے پیر مرشد
باب کے (ب — ۲ ' الف — ۱ ' ب ۲) حروف سے نکالتے ہیں '
ان کی اصطلاح میں یہ عدد عربی کے حرف ہ کے عدد ۵ کے مطابق
مقرر ہوا ہے- اس کے سوا بابی مہینے کا ہر دن اور بابی سال
کا ہر مہینہ خدائے تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت یا مظہر فعل
کی طرف منسوب اور اسی سے موسوم ہے- یہ صورت وہی ہے جو
پارسیوں کے ہاں موجود ہے کہ ان کا ہردن اور ہر مہینہ اُن کے
فرشتوں کی طرف منسوب اور اس کے نام سے موسوم ہے- ان
نظاموں میں ایک قدیم ترین اور دوسرا جدید ترین ہے
مگر دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ اول تو بابیوں نے
پارسی فرشتوں کی جگہ صفات کو رکھ لیا اور دوسرے
پارسیوں کے ۳۰ امشسپند اور ایزدون میں سے جو جدا گانہ طور پر
مہینے کے تیس دنوں کی صدارت کرتے ہیں بارہ ایسے ہیں جو
سال کے بارہ مہینوں پر بھی اپنا اقتدار و تصرف رکھتے ہیں-
لیکن برخلاف اس کے بابی نظام میں انیس نام مہینوں اور ایام
ماہ دونوں پر اطلاق پاتے ہیں- غرض دونوں نظاموں میں ہفتہ
کسی شمار و قطار میں نہیں' دونوں میں ماہانہ ایک بار دن

اور مہینے کا نام ایک ھی واقع ھوتا ھے اور دونوں میں ایسا دن یوم جشن سمجھا جاتا ھے' پارسیوں اور بابیوں میں یہ مشابہت تو ھے مگر یہ بہت ھی غیر اغلب ھے کہ باب نے براہ راست پارسی مذھب و رواج سے واقفیت پیدا کرنا منظور کیا ھے۔ ذات کا وہ سید تھا' رسالت کے دعوے (سنہ۱۸۴۴ع) سے قبل بغایت سرگرم شیعہ تھا۔ کافروں کو نجس اور لائق اجتناب سمجھتا تھا' (وہ اپنی تعلیمات کی فارسی کتاب "بیان" میں حکم دیتا ھے کہ جو لوگ مجھ پر ایمان نہ لائیں ان سب کو باستثنائے مفید اھل حرفہ ایران کے پانچ بڑے بڑے صوبوں سے جلا وطن کردیا جائے') یہی مشابہت بابی و اسماعیلی بلکہ دوسرے فرقوں کی تعلیم حتی کہ ان کی مصطلحات میں پائی جاتی ھے؛ مجبوراً کہنا پڑتا ھے کہ ایران میں مذھبی اور فلسفی خیالات کا ایک دور ھے جو مقامی طور پر ھمیشہ موجود رھتا ھے اور مناسب محرک کے اثر سے متعدی بن جانے پر ھمہ وقت آمادہ رھتا ھے' آئندہ اوراق میں اس مسئلے کا حوالہ متعدد بار آے گا —

| خوردہ اوستا | (۵) خورد اوستا یا چھوٹی اوستا ایک قسم کا رسالۂ نماز ھے جو شاپور ثانی (سنہ۳۱۰–

۳۷۹ع) کے عہد میں دنیا داروں کے لئے تالیف ھوئی تھی' مؤلف کا نام آذرپاذ مہراسپند ھے' اس کا متن کچھ تو اوستا کے انتخابات اور کچھ پاژند میں لکھے ھوے وظائف سے بھرا ھوا ھے اور پانچ نیایشوں یعنی مناجاتوں پر مشتمل ھے جن میں سورج' چاند' متھرا پانی رب النوع اور آتش بہرام کو مخاطب

کیا گیا ہے۔ اس کے سوا اس مجموعے میں نمازوں کے سوا پانچ گاھیں، خورد وکلاںسی روزہ اور چار آفرینگاں (— برکتیں) بھی شامل ہیں —

اوستا بحیثیت مجموعی | زرتشتی کتاب مقدس کا جو حصہ ہم تک پہنچا ہے اور جس کو اب ہم اوستا سمجھتے ہیں، وہ یہی اجزا ہیں۔ان کے علاوہ وہ قطعات ہیں جو بالکل علحدہ طور پر بعض پہلوی کتابوں جیسے نیرنگستان (خاص کر اس کے آؤگمدیگا اور هادوختفسک میں پائے جاتے ہیں)

اگرچہ اوستا ایک قدیم نوشتے کی حیثیت سے، جس میں زرتشت جیسے شہرہ آفاق انسان کی تعلیم اور اس انتہا درجہ قدیم ملت کے عقائد قلمبند ہوں جس نے ایک زمانے میں تاریخ عالم میں بہت اهمیت پائی اور اس کے پیرو آج کل ایران میں دس هزار اور هندوستان* میں نوے هزار سے زائد نہیں، دوسرے زیادہ قوی مذاهب پر نہایت گہرا اثر ڈالا ہے، بغایت دلچسپ کتاب ہے، لیکن اس کا مطالعہ ناگوار اور گراں گزرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے بعض مقامات هنوز مشتبہ ہیں اور جب ان کے مطالب صاف ہوں گے تو اس کا پایہ قدرے بلند ہوجائے گا لیکن میں اپنی بابت تو کہہ سکتا ہوں کہ قرآن مجید کا میں جتنا زیادہ مطالعہ کرتا ہوں اور اس کی روح کو اکتساب کرنے کی کوشش کرتا ہوں اسی قدر مجھ کو اس میں

* دیکھو میڈیموازیل ڈی میناں کی کتاب ''پارسی'' صفحہ ۵۴ — ۵۶ (پیرس ۱۸۹۸)

زیادہ لطف آتا جاتا ہے لیکن اوستا کو لسانی یا قصص یا مقابلے کی ضرورتوں کے علاوہ کسی اور ارادے سے پڑھنا دو بھر اور بلائے جان معلوم ہوتا ہے۔ تاریخ مذاہب میں اس کا رتبہ، قدامت اور تدقیق زبان میں اس کا درجہ بعض ارباب تحقیق کو اور اس کی الہامی حیثیت اس کے متبعین کو اپنی جانب ہمیشہ کھینچتی رہے گی - لیکن ہمیں شک ہے کہ اس کا کوئی ترجمہ ایسا بھی کیا جاسکتا ہے جو ایک معمولی عقل اور معمولی شوق کے شخص کو سوائے خاص ضرورت کے اس کا ایک ایک صفحہ ختم کرنے پر آمادہ کرسکے - بہر کیف اوستا کے ترجمے انگریزی، فرانسیسی اور جرمن میں کثرت کے ساتھ ہوچکے ہیں، ان کو پڑھ کر ہر شخص ذاتی طور پر ہماری رائے کا تجربہ کرسکتا ہے - اوستا کے منتخب اقتباسات یہاں نقل کرنا بالکل غیر ضروری معلوم ہوتا ہے —

فصل سوم

پہلوی ادب

پہلوی افسانے سکوں پر ۳۰۰ ق م سے ۹۹۵ع تک	بتایا جا چکا ہے کہ پہلوی کی نمایاں خصوصیت ایرانی اور سامی الفاظ کی

آمیزش تھی جس کا باعث ہزوارش تھی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ پہلوی کی قدیم ترین مرقومات کیاتھیں - سنہ ۱۸۶۷ ع * میں سب سے پہلے لیوی باشندہ بریسلاو نے سراغ لگایا کہ پہلوی

* زیڈ، ڈی، ایم، جی، ۲۱ - صفحہ ۴۲۱ - ۴۶۵ -

کے قدیم ترین نمونے ان پارتھوی سکوں کے کلمات ہیں جو حضرت عیسیٰؑ سے قبل چوتھی صدی کے اختتام اور تیسری کے آغاز میں رائج تھے، یابالفاظ دیگر پہلوی کا رواج دور ہخامنشی کے خاتمے کے بعد جلد ہی شروع ہوگیا تھا اور پہلوی نقوش پارتھیوں کے متاخر، ساسانیوں کے پورے دور اور مسلمانوں کے ابتدای زمانے کے ایرانی سکوں پر بھی موجود ہیں؛ آخرالذکر میں وہ سکے بھی شامل سمجھنے چاھئیں جو طبرستان کے خود مختار سپہبد اور ابتدا کے عربی گورنروں نے ڈھلوائے تھے، لہذا پہلوی کی روایات سکہ ۳۰۰ قبل مسیح سے ۶۹۵ ع تک پھیلتی ہیں، جب کہ اموی خلیفہ عبدالملک نے ایرانی سکہ اڑا کر عربی سکہ جاری کیا اور اس پر عربی کلمات کندہ کرائے * —

پہلوی کتبے پہلوی کتبے ساسانی دور کے ساتھہ شروع ہوتے ہیں، سب سے قدیم تاریخ کے دو ہیں، ایک اردشیر کا اور دوسرا شاپور کا جو ممتاز آل ساسان کے پہلے دو بادشاہ تھے (۲۲۶ – ۲۴۱ اور ۲۴۱ - ۲۷۲)؛ ان کتبوں کا سلسلہ گیارھویں صدی تک پہونچتا ہے، آخری کتبے وہ ہیں جن کو بمبئی کے نزدیک بمقام سیلس بدھوں کے کنہیری غاروں میں بعض پارسی سیاحوں نے ۱۰۰۹ع اور ۱۰۲۱ع میں کندہ کیا تھا - قدیم و جدید ترین کتبوں کی درمیانی یادگار

---

* اس سلسلہ میں عربی تاریخیں پڑھنی چاھیئں مثلاً دینوری کی تاریخ (مرتبۂ گرگاس سنہ ۱۸۸۸) صفحہ ۳۲۲ —

دس گواهوں کے پہلوي دستخط هیں جو ایک فرمان پر ثبت هیں - یہ فرمان ساحل مالابار کے شامی عیسائیوں کی سند عطیہ هے جو تانبے کے پتروں پر کندہ هے - پانچ پتروں پر قدیم تامل کی عبارت هے اور چھتے تکڑے پر پچیس گواهوں کے دستخط هیں' ۱۱ عربی کے خط کوفی میں' دس ساسانی پہلوی میں اور چار فارسی زبان میں بحروف عبرانی—

پہلوی ادب | پہلوی ادب کے صحیح زمانے کا حال صفحات ۸' ۹ اور ۱۰ میں آچکا هے - یہ ادب خالص طور پر ساسانی دور کا فارسی ادب تھا' اس خاندان کے زوال پر بھی کچھہ عرصہ تک اُس کا قائم رهنا ایک قدرتی امر تھا - چنانچہ بیان هو چکا هے کہ ساسانیوں کے بعد عباسی خلیفہ مامون رشید کے دربار میں (۸۱۳ - ۸۳۳ ع) دستور آتور فرن بگ بن فرخ زاد اور کسی ثنویت پرست (شاید پیرو مانی مذ هب) کے درمیان مناظرے کا جو میدان گرم هوا تھا اس کی قلمبند روئداد پہلوی کتاب گجستک ابالش نامک میں موجود هے - لہذا اس سے یہ ثابت هوتا هے کہ پہلوی ادب نویں سے نویں یا دسویں صدی عیسوي تک زندہ رها' بظاهر اس کے بعد پہلوی

* دیکھو هاگ کا نوشتہ مضمون " پہلوی " صفحہ ۸۰ تا ۸۲ اور ویسٹ کا آرتیکل " پہلوی ادب " جو " لسانیات عجم " جلد دوم صفحہ ۷۹ میں درج هے' وہ حوالے بھی دیکھنے چاهئیں جو اُس کتاب میں دیے گئے هیں—

کا قدرتی استعمال معدوم ہوگیا اگرچہ تعلیم یافتہ پارسی ہر زمانے میں حتی کہ آج تک اس میں تصنیف و تالیف کرسکتے ہیں - اس زبان کی جعلی پہلوی کا تصنع عموماً جہت ظاہر ہو جاتا ہے؛ خاص کر اس طرح کہ اس میں صفتی لاحقہ 'اِک' کو اسمی لاحقہ 'اِیہ' کے ساتھہ خلط ملط کردیا گیا' اس لئے کہ اب ان دونوں کی جگہ 'ای' استعمال ہوتی ہے —

پہلوی مسودات

پہلوی کے قدیم ترین مسودے وہ تحریریں ہیں جو بردی کے پریشان قطعات پر قلمبند اور فیوم (مصر) سے برآمد ہوئے ہیں - ویسٹ کا خیال ہے کہ ان کا سال تصنیف آٹھویں صدی عیسوی ہے' ان کے بعد پہلوی یا سنا کے قلمی نسخے سے زیادہ پرانا کوئی نسخہ نہیں جو "جے - م" کے نام سے معروف ہے اور جسے ۲۵ جنوری سنہ ۱۳۲۳ کو کاتب نے ختم کیا تھا - پارسی نقل نویس قدرتاً پہلوی کتابوں کو آج تک نقل کرتے چلے آتے ہیں مگر پہلوی ٹائپ اور لیتھو کی ایجاد نے زیادہ قیمتی کتابوں کے معاملے میں دوسری مشرقی زبانوں کے مثل پہلوی کو بھی کتابت کے بار سے ایک گونہ سبکدوش کردیا ہے —

پہلوی ادب کی مقدار و نوعیت

پہلوی ادب پر اول درجے کی زندہ سند ویسٹ ہے' کتاب کے اس حصے میں ہمارا اصل رہنما یہی فاضل ہوگا' اس نے پہلوی ادب کو تین مدارج میں تقسیم کیا ہے :—

(۱) متون اوستا کے پہلوی تراجم ، تعداد میں ۲۷ ، بعض مکمل اور بعض ٹکڑوں میں ھیں ، ان کے مجموعی الفاظ ایک لاکھ اکتالیس ھزار* تخمینہ کئے جا تے ھیں ، اگرچہ تراجم اوستاکے لئے وہ بیش بہا ھیں لیکن بالفاظ ویسٹ " اُن کا شمار ادبیات میں نہیں ھوسکتا کیونکہ مترجموں نے اوستا کی عبارت کا اتباع اسدرجہ کیا ھے کہ لفظ کے نیچے لفظ رکھدیا ھے " —

(۲) پہلوی متون دو • مذھبی مضامین پر مشتمل ھیں، تعداد متون ۵۵، تعداد الفاظ ۴۴۶۰۰۰ ، ان میں تفاسیر، ادعیہ روایات، پند و نصائح، وصایا، اقوال مقدس وغیرہ کے علاوہ ذیل کی مہتم بالشان اور دلچسپ کتابیں ھیں :-

دین کرت (نویں صدی عیسوی)	دین کرت (کردار ھاے دینی) " ایک عظیم الشان ذخیرۂ معلومات ھے - پارسی

مسائل ، رسوم و روایات ، تاریخ و ادب کا " آذور فرنبگ ، جو دین زرتشت کا پہلوان بنکر الماموں کے روبرو " مردود ابالیش " کے مقابلے کو آیا تھا ، اس کا مؤلف ھے + کتاب نویں صدی کے آخر میں تالیف ھوئی - بندھشن (— بنیاد بخش)

---

* اعداد کی تفصیل ویسٹ کے مضمون مطبوعۂ " لسانیات عجم " میں ملیگی —

+ ویسٹ نے اس کے مضامین کو نہایت تفصیل کے ساتھ تجزیہ کر کے دکھایا ھے —

بن دہشن
(بارھویں صدی)

ایک ضخیم مذہبی رسالہ* ہے ' اس کا ایڈٹ شدہ نسخہ چوبیس ابواب پر مشتمل ہے اور "ایرانی" کے نام سے موسوم' یہ غالباً گیارھویں یا بارھویں صدی میں اتمام کو پہنچ گئی تھی ' اگر چہ بظاہر اس کا زیادہ حصہ بہت پہلے لکھا جا چکا تھا —

داتستان دینیک
(نویں صدی)

داتستان دینیک یا " آراے مذہبیہ " یہ کتاب مانوش چہر پسر یووان یم دستورالاساتیر فارس و کرمان کی تصنیف ہے جو نویں صدی کے اواخر میں گزرا ہے اس کے بانویں موضوعات ہیں اور حسب رائے ویست سمجھنے اور ترجمہ کرنے کے لئے یہ کتاب جس قدر مشکل ہے پہلوی میں اس کی نظیر نہیں —

شکند گمانیک ویجار

شکند گمانیک ویجار † یعنی شرح شک ابا ' نویں صدی کے اواخر میں لکھی گئی تھی ' اس میں مذہب کے متنازعہ فیہ مسائل درج ہیں ' زرتشتی

---

* ترجمہ کے لئے " مشرق کی کتب مقدسہ " جلد پنجم صفحہ ۱ - ۱۵۱ (اوکسفورڈ ۱۸۸۰ ع) میں ویست کا مضمون " پہلوی متون " اور تجزیۂ مضامین کے لئے اسی محقق کا مضمون مسلسلہ " لسانیات عجم " صفحہ ۱۰۰ - ۱۰۲ ملاحظہ کرنا چاہئے —

† " سلسلہ مشرق کی کتب مقدسہ " کی چودھویں کتاب کے صفحہ ۱۱۵ - ۲۵۱ (۱۸۸۵) میں ویست نے اس کا ترجمہ کردیا ہے اور ۱۸۷۷ ع میں اس فاضل نے پارسی ہوشنگ کی مدد سے اس کتاب کو بزبان پاژند چھاپا ہے —

ثنویت کی حمایت اور برائی کی حقیقت اور ابتدا کے متعلق یہودی ' عیسوی ' مانوی اور اسلامی خیالات کی تردید کرتی ہے ' بقول ویسٹ " موجودہ پہلوی ادب میں صرف یہی کتاب ایسی ہے جو فلسفہ کی سرحد سے تکراتی ہے " —

منیوے خرد | اس کتاب کے دو نام اور ہیں " دینائے منیو (یا مائیے نوگ) خرد " (روح دانش کی رائیں) اس میں یہ روح زرتستی مذہب کے متعلق ۶۲ سوالوں کے جواب دیتی ہے ' کتاب کا پہلو متن اینڈریاس (کیل ۱۸۸۲) اور پاژندی متن معہ ترجمہ سنسکرت از نیریوسینگ ' ویسٹ نے طبع کرایا ہے (اشتت گارت ۱۸۷۱ ع) ' موخرالذکر نے دونوں قسم کے متون کا انگریزی ترجمہ بھی کردیا ہے (۱۸۷۱ اور ۱۸۸۵) ' اس صورت سے دوسری پہلوی کتب کے مقابلے میں اس کے مطالب پانی ہوگئے ہیں اور ہر شخص اسے آسانی کے ساتھہ پڑہ سکتا ہے ' نولدیکی " کارنامک ارتخ شتر پاپکان" کے ترجمہ میں ہدایت کرتا ہے کہ کتابی پہلوی سیکھنے کے لئے شروع کی سب سے بہتر کتاب یہی ہے —

اردہ و یراف نامک | یہ کتاب مشہور پہلوی کتابوں میں سے ہے ' اصل نسخے کو دیکھنا چاہیں تو مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۸۷۲ ع منگانی چاہئے ورنہ فرانسیسی اور انگریزی میں اس کے تراجم موجود ہیں ' کتاب کا مبحث مختصرا " پارسی بہشت و دوزخ " کہہ سکتے ہیں ۔ اردہ و یراف اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ اس میں " ملعون سکندر رومی " کے حملے سے ملک پیدا مادی و مذہبی انتشار ' تیسری صدی عیسوی

میں سلاطین ساسان کے مذہبی و قومی احیاء اور حیات بعدالموت کی نسبت زرتشتی عقائد کا مفصل حال مذکور ہے - دوزخ کے بیان میں چینوت پل اور اسلام کے پل صراط میں جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے اور جسے بائرن نے اپنے مشہور اشعار میں نظم کیا ہے اس قدر گہری مشابہت پائی جاتی ہے کہ اس مشابہت پر ذہن فوراً منتقل ہوتا ہے - اسلام کی حوروں کا زیادہ روحانی نمونہ بظاہر اُس خوبرو دوشیزہ میں پایا جاتا ہے جو نیک پارسی کی موت کے بعد اُس کی روح سے ملاقات کرتی ہے اور روح کے سوال پر اپنے آپ کو اُن نیک اعمال، نیک الفاظ اور نیک خیالات کا مجسمہ بیان کرتی ہے جو پارسی سے حیات دنیا میں سرزد ہوے —

مانی گان گجستک ابالش

"مردود ابالش" کی کتاب کا حوالہ کئی بار آچکا ہے، سنہ ۱۸۸۷ ع میں بارتیلیمی نے اس کو پاژندی، پارسیوں کی فارسی اور فرانسیسی ترجمے کے ساتھ چھاپا تھا، جاماسپ نامک مکمل تو پاژندی اور فارسی ترجمے ہی کی صورت میں موجود ہے جس میں ایران کے قدیم روایتی اور قصے کہانیوں کے بادشاہوں کے متعلق دلچسپ پرانی روایات و قصص موجود ہیں —

اندرز خسروئے کواتان

اندرز میں وہ وصایا قلمبند ہیں جو نوشیروان بادشاہ (= انوشک روبان سنہ ۵۳۱-۵۷۸ ع) نے بستر مرگ پر اہل ایران کو خطاب کی تھیں، یہ کتاب ہے تو بہت ہی مختصر مگر اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ زالمان نے اپنی کتاب "فارسی متوسط پر ... کے" (میلانژ

ایشیاتیک جلد نہم صفحات ۲۴۲-۲۵۳، سینٹ پیٹرزبرگ ۱۸۸۷) میں ایک دلچسپ اور روشن مضمون کو اس پر مبنی کیا ھے اور اس میں دکھایا ھے کہ ایک پہلوی متن بلند آواز سے پڑھے جانے پر غالباً کس طرح مسموع ھوتا ھوگا - یہ کتاب محققانہ طور پر پاژند لکھنے کی ایک قابل داد کوشش ھے -

(۳) غیر مذھبی پہلوی متون، اس صنف کی کتابیں تعداد میں گیارہ اور ان کے مجموعی الفاظ ۱۴۰۰۰ ھیں ، دلچسپی میں سب پر فائق ھیں لیکن مقدار میں سب سے کم - کچھہ شک نہیں کہ ساسانی دور میں غیر مذھبی کتابیں بہ تعداد کثیر موجود تھیں لیکن ان میں سے اکثر ، خصوصاً خدائے نامک یا سیرالملوک جس پر آئندہ فصل میں بحث کی جائے گی ، ناپید ھوچکی ھیں اور اس وقت ھم صرف ان کے نام سے واقف ھیں یا ان کے جستہ جستہ مطالب سے اور وہ بھی ابتدائی زمانے کے فارسی و عربی لکھنے والے مسلمان اھل قلم کے ذریعے- اوپر بیان ھو چکا ھے کہ اوستا کے محققانہ اور فلسفیانہ نسکوں یعنی ھاتک مان سریک صفحہ ۱۶۹ بالا) کا پتہ نہیں اور اس کا سبب زرتشتی ھادیوں کی اُن کتابوں کے ساتھہ بے اعتنائی تھی جو ان کی ذاتی اغراض پوری نہیں کرتی تھیں - ساسانی دور کے قدیم مگر غیر مذھبی ادب کے حامل و نگراں زرتشتی ھادی تھے اور چونکہ اس سے بھی ان کے ذاتی مقاصد کی گرہ نہیں کُھلتی تھی اس لئے یہ ادب بھی بہت کچھہ تلف ھوگیا، باقی ماندہ کتابیں اس قدر کم ھیں کہ اُن کے نام و حالات تفصیل کے ساتھہ پیش کئے جا سکتے ھیں :-

(۱) ساسانی دور کے زرتشتیوں کے آداب معاشرت

(۲) یات کار زریران، اسے شاهنامہ گشتاسپ اور پہلوی شاهنامہ بھی کہتے تھے، گائگر نے رسالہ "تاریخ و زبان" (جلد دوم بابت ۱۸۹۰ع صفحہ ۲۴۳ - ۲۸۴) میں بزبان جرمنی اس کا ترجمہ کیا هے، دو سال بعد نولڈیکی نے بھی اس رسالے* میں اس پر بحث کی —

(۳) خسروے کواتان (= نوشیروان) اور اس کے غلام کا قصہ

(۴) کارنامک ارتخشتر پاپکان یا بانی آل ساسان اردشیر بابکان کے کارنامے، کتاب بغایت دلچسپ هے، اس کا پہلوی متن بظاهر بلا تنقید کے ۱۸۹۶ع میں کیقباد آذر باد دستور نوشیروان نے مرتب کرکے بمقام بمبئی طبع کرایا تھا، لیکن پروفیسر نولڈیکی نے تنقیدی حواشی اور نہایت روشن مقدمے کے ساتھ ۱۸۷۸ع میں بمقام گوتنجن اس کو شایع کیا، شاهنامے کے ضمن میں هم اس کتاب کا مفصل ذکر کریں گے† ساسانیوں کے تاریخی ناولوں میں ایک تو یہ کتاب باقی هے اور دو اس سے قبل کی، اگرچہ دوسری ناولوں کے نام و مضامین کا حال عربی مصنفین مثلاً مسعودی، دینوری اور قابل قدر الفہرست کے مولف سے معلوم هیں اور ایک کتاب یعنی داستان و وقایع بهرام چوبین کے سواد کے بعض اجزا نولڈیکی نے جا بجا سے فراهم

---

* نولڈیکی اس کتاب کو سنہ ۵۰۰ع کے قریب کی تصنیف بتاتا هے —

† بخیال نولڈیکی اس کی تاریخ تصنیف سنہ ۶۰۰ع کے قریب کی هے —

کرکے مرتب کئے ھیں ("ساسانیوں کی تاریخ" ایڈن سنہ ۱۸۷۹ء صفحات ۴۷۴-۴۸۷) اس قسم کی باقی ماندہ کتابیں بہت چھوٹی اور یہ ھیں :—

(۵) ولاد ایران

(۶) عجائبات سجستان

(۷) درخت آسوریگ (آسوریہ کا درخت)

(۸) چترنگ نامک (= شطرنج نامہ)

(۹) انشا

(۱۰) نکاح نامہ (اس کی تاریخ ۱۶ نومبر سنہ ۱۲۷۸ع سے مطابق ھوتی ھے) اور (۱۱) مشہور فرنگ پہلویک ۷ یعنی قدیم پہلوی پاژند فرھنگ جس کو سنہ ۱۸۷۰ع میں ھوشنگ وھوگ نے بمبئی اور لندن میں طبع کرایا —

فارسی کا زرتشتی ادب | پہلوی کتابوں کے علاوہ خود فارسی میں ایرانی پارسیوں نے تصنیف و تالیف کی، اس قبیل کی اہم تصنیفات حسب ذیل ھیں :—

(۱) زرتشت نامہ، نظم میں ھے، تیرھویں صدی میں بمقام رے تصنیف ھوا —

(۲) صد در (= صد ابواب) ایک قسم کا خلاصہ دین زرتشت ھے، اس کے تین متن ھیں، ایک نثر میں اور دو نظم میں، حصہ نثر قدیم ترین ھے —

(۳) علمائے اسلام —

(۴) روایات یا مذھبی روایتوں کا مجموعہ —

(۵) قصہ سنجان (اسلامی فتوحات کے بعد پارسیوں کے ھند

میں وارد ہونے کا حال) —

(۲) پہلوی کتب کے متعدد فارسی ترجمے ویست نے ”لسانیات عجم“ کے ضمیمے میں (صفحہ ۱۲۲ - ۱۲۹) ان سب پر تنقید کی ہے —

جہاں تک ہم کو علم ہے زمانہ حال میں کرمان و یزد کے پارسیوں میں تعلیم و تعلم کا چرچا نہیں اگرچہ وہ جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے آپس میں گبری بولتے ہیں مگر جب مسلمان ایرانیوں میں جا بیٹھتے ہیں تو ان کی زبان اور فارسی میں تقریباً کوئی فرق باقی نہیں رہتا اور ان کے خطوں کی تحریر تو بالکل مسلمانوں کے طرز پر ہوتی ہے —

ساسانی دور میں نظم کا وجود

صفحات ۹۱ لغایت ۲۵ میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ دور ساسانی میں یا تو نظم کا وجود تھا ہی نہیں یا اگر تھا تو جہاں تک معلوم ہوسکا ہے اس کا آج ایک مصرع بھی نہیں ملتا —

اشارۃً بتاچکے ہیں کہ بعض معدوم پہلوی کتابوں کے اجزا بعض اسلامی اہل قلم خصوصاً اسلام کے ابتدائی زمانے کے عربی لکھنے والے مصنف مثلاً طبری، مسعودی، دینوری وغیرہ نے اپنی تصانیف میں محفوظ کرلئے ہیں، ان کا ماخذ پہلوی کے عربی تراجم تھے جن کو ابن المقفع جیسے ماہران عربی و پہلوی نے پورا کیا تھا۔ ترجموں کے کثیر نام الفہرست میں درج ہیں لیکن مکمل ترجمہ جو ہم تک پہنچا ہے صرف ابن المقفع کا ترجمہ کلیلہ دمنہ ہے، یہ کتاب نوشیروان عادل کے عہد میں شطرنج کے ساتھ ہندوستان سے ایران پہنچی تھی

اور اسی بادشاہ کے لئے اس کا پہلوی میں ترجمہ ہوا - اسلام کے ابتدائی مصنفوں میں، جو مسائل عجم سے پوری واقفیت رکھتے تھے، ارباب ذیل شامل ہیں :-

۱ - طبری (ت ۹۲۳*، ت = فوت ہوا)

۲ - الجاحظ (ت ۸۶۹ع)

۳ - الکسروی (ت ۸۷۰ ع)

۴ - بن قتیبہ (ت ۸۸۹ ع)

۵ - الیعقوبی (ت ۹۰۰ ع)

۶ - دینوری (ت ۸۹۰ ع)

۷ - مسعودی ، دسویں صدی کے وسط میں گزرا ہے خصوصاً اس کی تصانیف مروج الذہب اور کتاب التبیینہ و الاشراف میں اس قسم کا مواد موجود ہے ۔

۸ - حمزہ اصفہانی (ت ۹۶۱ع)

۹ - البیرونی ، دسویں کے آخر اور گیارھویں کی ابتدا میں ہوا ہے ۔

۱۰ - البلاذری (ت ۸۹۴ع)

۱۱ - محمد بن اسحاق ، مولف کتاب الفہرست ، (اواخر دسویں صدی) وغیرہ - نقطہ زیر بحث کے لحاظ سے فارسی کی اہم ترین کتابوں میں شاید بلعمی کا ترجمہ تاریخ طبری (۹۶۳ ع)، مجمل التواریخ جس کے مؤلف کا نام معلوم نہیں اور شاہنامہ فردوسی ہے ۔

---

* ت فوت ہوا ۔

فصل چہارم

ایران کا "قومی افسانہ"

یہاں تک ہم ایران قدیم کی اصل تاریخ پر گفتگو کر رہے تھے اور ہمارا ماخذ کتبات تھے ' سکے تھے یا مصنفین ماضیہ جن کی قدامت و صداقت شبہ سے پاک ہے - اب دیکھنا یہ ہے کہ خود اہل ایران اپنے قدیم سلاطین اور شاہی خاندانوں کی بابت کیا خیالات رکھتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں اُن کے "قومی افسانہ" کی روئداد کیا ہے جو صرف ساسانی عہد سے حقیقی تاریخ کا ہم عنان ہوکر واقعات بیان کرتا ہے اور مشہور شاہنامے کی صورت میں اوج کمال کو پہنچ جاتا ہے - "شاہنامہ ایک مبسوط نظم ہے ' عموماً ساٹھ ہزار ابیات پر مشتمل سمجھی جاتی ہے ' فردوسی نے تقریباً چالیس سال کی کاوش سے سلطان محمود کے لئے اس کو ۱۰۱۰ ع میں ختم کیا تھا - اس جلیل القدر نظم کی ادبی حیثیت پر کسی آئندہ باب میں بحث کی جائے گی لیکن چونکہ اہل ایران اس کو آج بھی اپنی قوم کی قدیم تاریخ کا سر چشمہ مانتے ہیں اس لئے مناسب ہو گا کہ اس کی نوعیت و قدامت کو اس جگہ مجمل تنقید کے حوالے کیا جائے - پروفیسر نولدیکی نے شاہنامے کو

اس لحاظ سے اپنے (مضمون " ایران کا قومی افسانہ " میں نہایت تحقیق و جامعیت سے کھنگالا ہے اور مضمون کو) "لسانیات عجم" جلد دوم کے سوا علحدہ بھی طبع کرایا ہے (توبیب در استراس برگ ۱۸۹۶ ع)، یہ پاکیزہ مضمون اس قدر مبسوط و مکمل ہے کہ غالباً اس مبحث پر علم اس سے آگے نہیں جا سکتا۔ ذیل کے مختصر بیان میں، جو " قومی افسانہ " کے تاریخی پہلو کو پیش کرتا ہے یہ مضمون نہایت آزادی و بسط کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے —

شاہ نامے کے مضامین

شاہ نامہ قبل الاسلامی تاجداران عجم کے چار خاندان پیش کرتا ہے (۱) پیشدادی (۲) کیانی (۳) اشکانی (یا پارتھوی جو عربی میں ملوک الطوائف بھی کہلاتا ہے) اور (۴) ساسانی - ان میں سے پہلے دو خاندان بالکل غیر تاریخی ہیں اور جیسا کہ بیان ہوچکا ہے اوستا کی کتھاؤں اور ہندی - ایرانی افسانوں سے تعلق رکھتے ہیں، تیسرا خاندان ایک لحاظ سے تاریخی کہا جا سکتا ہے مگر اسماے ملوک کے سوا جو بے ترتیبی سے مذکور ہیں باقی حالات روایت کے حافظے سے اتر گئے ہیں، البتہ اتنا یاد رہا ہے کہ سکندر اعظم اور اردشیر ساسانی کے درمیان کا وقفہ اشکانیوں کی حکومت کا زمانہ ہے - چوتھا خاندان اس اعتبار سے کامل طور پر تاریخی ہے کہ اس کے مالکان تاج رجال التاریخ ہیں اور ان کا حال صحت ترتیب کے ساتھ لکھا گیا ہے، اگرچہ ان کے خصوصاً ابتدائی اورنگ نشینوں کے واقعات اور کار نامے افسانے کے رنگ میں

ڈوبے ہوئے ہیں —

پیشدادیاں | پیشدادی خاندان کا پہلا بادشاہ گیو مرث، اوستا کا پہلا شخص گیو مریتھ اور زرتشتیوں کا باوا آدم ہے ۔ وہ پہاڑوں میں بود و باش رکھتا ہے، تیندوے کی کھال خود بھی پہنتا ہے اور اپنی قوم کو بھی پہناتا ہے، میدان کے درندوں کو مطیع بناتا ہے، دیووں پر فوج کشی کرتا ہے اور لڑائی میں اس کا بیٹا سیامک مارا جاتا ہے، آخرش سی سالہ حکومت کے بعد وہ خود جاں بحق تسلیم اور اس کا پوتا ہوشنگ (عربی اوشنج) اس کا جانشین ہوتا ہے ۔ ہوشنگ تخت سلطنت کو چالیس سال تک زینت بخشتا ہے ۔ اتفاقاً چقماق سے آگ نکالنے کا گر اس کے ہاتھ آتا ہے اور اس عظیم‌الشان انکشاف کی یادگار میں جشن "سدہ" قائم کرتا ہے ۔ اس کے بعد اس کا بیٹا تہمورث تاج شاہی سرپر رکھتا ہے، دیووں کو زیر کر کے "دیوبند" کا لقب حاصل کرتا ہے، اور دیووں کو اس شرط پر جان کی امان دیتا ہے کہ وہ اس کو فن کتابت سکھائیں لیکن اس میں ایک خط پر بس نہیں کرتا بلکہ اکٹھی تیس زبانوں* کی طرز تحریر سیکھتا ہے اور تیس برس کے بعد تخت کو اپنے مشہور بیٹے جمشید کے لئے خالی کردیتا ہے جو فسانیات عجم میں اپنے پیشروؤں کی نسبت زیادہ اہمیت رکھتا ہے —

جمشید | ابتدائی زمانے کے عرابی (یعنی عربی لکھنے والے) مورخ جو بحالت اکثر ایرانی افسانوں کو سامی

(*) دیکھو شاہ نامہ مرتبہ میکن، صفحہ ۱۸

اور بائبل کے قصوں سے منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں'' عام طور پر جمشید کو حضرت سلیمان بتاتے ہیں - عملی طور پر دیکھا جائے تو اہل ایران استخر کے تمام ہخامنشی کتبوں کو جمشید یا حضرت سلیمان سے منسوب کرتے ہیں' انتساب کی دلیل بظاہر اس سے زیادہ نہیں کہ یہ جلیل‌القدر عمارتیں تنہا قدیم انسانوں کے ہاتھہ کا کام نہیں ہو سکتیں' لہذا ان کا بانی خواہ کوئی ہو وہ اپنے قابو میں دیووں کی جماعت رکھتا تھا - لیکن ہر شخص واقف ہے کہ دیو صرف دو بادشاہوں کے تابع فرمان تھے یعنی سلیمان اور جمشید کے ؛ لہذا سلیمان اور جمشید نے ان یادگاروں کو تعمیر کیا '' - چنانچہ وہ پرسی پولس (استخر) کو تخت جمشید اور سائی رس کی قبر کو مسجد مادر سلیمان کہتے ہیں ؛ اسی طرح مرغاب کے میدان میں ایک چبوترہ سا بنا ہوا ہے جو تخت سلیمان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے - مسلمانوں کے دور میں خود آتش پرستوں نے اس قسم کی تطبیقوں کی تائید کی تاکہ ان کے فاتحوں کی نظر میں ان کی عزت بڑھ جائے اور ان کو وہی حقوق عطا کئے جائیں جو فیروز مند اسلام نے اہل کتاب مثلاً یہود و نصاریٰ کو دئے تھے جو خود تو قرآن پر یقین نہیں رکھتے تھے لیکن ایسی کتابوں کو مانتے تھے جنھیں محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) نے تسلیم کیا ہے - ان میں سب سے زیادہ اہم لیکن جھوٹی تطبیق زرتشت کی ابراہیم اور اوستا کی صحف سے ہے' صحف کی نسبت مسلمانوں کا خیال ہے کہ وہ حضرت ابراہیم پر نازل ہوئے تھے

اور اُن پانچ الہامی کتابوں میں سے ہیں ' جو پانچ انبیائے کبار
پر اُتری تھیں' باقی چار میں توریت ' زبور یا مزامیر' انجیل
اور قران پاک ہیں ' اسی طرح ابن المقفع کے مثل تمام
با خبر مصنف جانتے تھے کہ عجمیوں کی تمام تطبیقیں غلط
اور فرضی ہیں ' بعینہ جس طرح ہم کو معلوم ہے کہ سر ولیم
جونس کا سائی رس کو کیخسرو اور شیرویہ کو زرکسیز کہنا
غلط تھا چنانچہ ابن المقفع (دیکھو دینوری مرتبہ گرگاس
صفحہ ۹) کا قول ہے " جاہل اور نا تعلیم یافتہ ایرانی خیال
کرتے ہیں کہ بادشاہ جم اور حضرت سلیمان بن داود دونوں
ایک شخص ہیں' مگر یہ اُن کی غلطی ہے ' حضرت سلیمان
اور جم کے زمانے میں تین ہزار برس کا فصل ہے " - جدید
تحقیق اس قول کی تائید کرتی ہے ' جمشید کے آخر سے شید
کو گرادیں (کیونکہ یہ نام کا جزو نہیں ہے بلکہ لقب ہے جیسا
خورشید کا شید جو اوستا کے " خشئیت " بمعنی اعظم ' منور
کا قائم مقام ہے اور اکثر گرادیا جاتا ہے) تو جم رہ جائے گا اور
وہی جم جو ہندوؤں کی دیومالا میں یمہ اور اوستا کے افسانوں
میں یمہ کے نام سے مذکور ہے' اگر چہ اس ہندی ۔ ایرانی فسانیات
کے (بطل) کے حالات ہندوؤں کے افسانوں میں جدا ہیں اوستا
میں جدا اور شاہنامہ میں جدا - ہندو کہتے ہیں کہ یمہ پہلا
انسان فانی ہے جو اس دنیا سے رخصت ہو کر عالم آخرت میں
داخل ہوا اور پلوٹو (یونانی دیوتا) کی طرح تحت الثریٰ
کا بادشاہ ہوا - اوستا کے الفاظ یہ ہیں " اچھے ریوڑوں والا
پاکیزہ یمہ " جو ویون ہاؤ (یہ نام شاہنامے میں تو مفقود ہے

اسفندیار کے جنگجو حامی گشتاسپ (= وشتاسپہ) کے بیٹے اسفندیار (اسفندیاد، اسپندیدات) کے قتل سے هاتھہ رنگ چکتا هے تو اپنے بهائی کی غدارانہ چالوں سے خود لقمۂ اجل بنتا هے - اسپیگل کی راے* میں رستم کا اوستا کے صفحوں میں نہ پاے جانے کا سبب یہ هے کہ وہ "مذهب حق" کا دشمن تها اس لئے مصنفین اوستا نے دیدہ و دانستہ اس کا نام دبا دیا، لیکن نولڈیکی† کو اسپیگل سے اتفاق نہیں اور وہ اس راے کی طرف مائل نظر آتا هے کہ سیستانی روایت جس میں رستم و آباے رستم کے کارناموں کا ذکر آتا هے اس سے اوستا کے لکھنے والے تقریباً یا مطلق بے خبر تهے - بہر کیف رستم کا ذکر آخر زمانے کی پہلوی تحریروں میں صرف ایک یا دو جگہ آیا هے اگرچہ ساتویں یا آٹھویں صدی عیسوی میں آرمینیہ کا موسیٰ خوریئنوی رستم کے جلیل‌القدر کارناموں سے اپنی واقفیت کا اظہار کرتا هے اور اسی زمانے کے قریب عرب حملہ آوروں کو سیستان‡ میں رخش رستم کا اصطبل بهی بتایا گیا تها - اس کے سوا قادسیہ کی هولناک لڑائی (سنہ ۶۳۵ ع)، میں جس نے کیانی تاج عربوں کے حوالے کردیا، ایران کا سپہ سالار رستم کا همنام تها جو مغلوب اور قتل هوا —

بہمن آرتا زرکسیز لونگی مے نس رستم کی موت پر شاهنامے کے کیانی افسانہ آمیز حالات بهی ختم هوجاتے هیں- اسفندیار پسر گشتاسپ اپنے بعد اپنا بیٹا بہمن (یا وهمنو) چهوڑ جاتا هے جو اپنے دادا کا جا نشین هوتا هے- کچهہ مدت بعد جب قومی

---

* دیکھو '' مطالعہ '' صفحہ ۱۴۶   † ''مثنوی عجم'' صفحہ ۹

‡ '' مثنوی عجم'' صفحہ ۹

افسانہ پھر مرتب ہوا تو آرتا زرکسیز (ارتخشتر، ارد شیر) کے لونگی مے نس (دراز دست*) کے نام سے مذکور ہونے لگتا ہے، اس کا حال اس وقت کسی سریانی مصنف سے لیا گیا جس نے یونانی ماخذوں سے کام لیا تھا - بہر حال اردشیر

خومانی مجوسی رسم کے مطابق اپنی ہمشیر خومانی (ہومائے) کو اپنی زوجیت میں لایا، اس کا بیٹا

دارا دارا اس کی موت کے بعد پیدا ہوا - ارد شیر کے

ساسان بعد خومانی کے بھائی ساسان کو وارث تخت و تاج کی امید تھی مگر جب اس کو معلوم ہوا کہ دارا کے بلوغ تک اس کی بہن یعنی دارا کی ماں سلطنت کا انتظام کرے گی تو وہ صدمے کے مارے پہاڑوں میں چلا گیا اور کردوں کے ساتھ مل کر گڈریا ہوگیا† - اہل ایران کا عقیدہ ہے کہ ساسانی بادشاہ اسی کی نسل سے ہیں اور آل ساسان کو وہ کیانیوں کے جائز وارث اور فر کیانی کو زندہ کرنے والے مانتے ہیں - اس خاندان کے بانی ارد شیر بابکان (ارتخ شتر ابن پاپک) کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ساسان (پسر بہمن پسر گشتاسپ مربیء زرتشت) کی چھٹی پشت میں تھا - غرض اس قسم کا نسب نامہ بیان کرکے ثابت کرنا چاہا کہ وہ ایران کے علی الاستحقاق بادشاہ اور حامی دین زرتشت ہیں اور یہ حیثیت سوائے ایک دو کے ہر ساسانی بادشاہ نے قائم رکھنے کی کوشش کی —

---

* مثنوی عجم صفحہ ۱۲ اور حاشیہ (۳) وغیرہ —

† دینپوری صفحہ ۲۹ —

سکندر کا قصہ

هم دیکھ چکے هیں کہ " قومی افسانہ " میں پارتھویوں (آشکانیاں یا ملوک‌الطوائف) کا تذکرہ برائے نام هے ' اور بظاهر یہ معلوم هوتا هے کہ قومی افسانہ کے رو سے ایرانی حکومت کی عنان دارائے ثانی کے هاتھہ سے نکل کر فوراً تاج پوشان ساسانی کے هاتھوں میں آگئی هوگی - مگر اس مقام پر ایک اجنبی واقعہ " افسانہ سکندر " کے نام سے سر ابھارتا هے ' اس افسانے کا اصل ماخذ تو فرضی کیلس تھنیز کا گم شدہ یونانی متن هے مگر ایشیا میں اس کے تراجم سریانی ' مصری ' حبشی * عربی اور جدید فارسی زبان میں موجود هیں - عجمی افسانوں میں سکندر کی قسمت کا عجیب حشر هوا هے -

سکندر زرتشتی روایت میں

خالص زرتشتی روایت مثلاً پہلوی ارداویراف نامک† میں وہ " مردود سکندر رومی " کے نام سے ظاهر هوتا هے اور شیطان کے ایما سے ایران کو ویران کرتا هے ' استخر اور اهل ایران کے سرمایۂ ایمان یعنی زرتشت نامہ کو جو بارہ هزار‡ بیلوں کی مدبوغ کھالوں پر آب زر سے نوشتہ ستاخر پاپکان کے دفتروں میں محفوظ تھا جلا کر خاکستر بناتا هے اور آخرش " خود کشی کر کے جہنم واصل هوتا هے " —

---

* کتاب سکندر از بج —

† مرتبہ هوگ و ویسٹ صفحہ ۴ اور ۱۴۱

‡ کتاب التفہیم مسعودی صفحہ ۹۱

سکندر شاہنامے میں

بعد کے زمانے میں اہل ایران نے جن میں فردوسی بھی داخل ہے سکندر اعظم کو اپنے بادشاہوں کی فہرست میں منسلک کرلیا ' اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ ان کو فرضی کیلس تھی نیز کے افسانے کے خوبصورت واقعات بہت پسند آے اور دوسرا یہ کہ سکندر کی تلوار سے ان کے قومی افتخار کو جو زخم پہنچا تھا اُس کو وہ مندمل کرنا چاہتے تھے - ہماری تاریخ میں ولیم فاتح اس خواہش کی مثال ہے یعنی انگلستان کے قدیم مورخوں نے ولیم کو بھی اپنے فرمانرواؤں میں شامل کرنا چاہا تھا ' بہرکیف اہل ایران نے واقعات گھڑ کر سکندر پر اس طرح قبضہ کیا : فیلقوس مقدونوی کی بیٹی دارائے اول کی زوجیت میں آئی ' بعد میں جب وہ اپنی بیوی سے ناراض ہو گیا تو اسے طلاق دیکر باپ کے گھر بھیجدیا ' واپسی پر اُسکے بطن سے سکندر پیدا ہوا جو فی الحقیقت دارا کے صُلب سے تھا ' لیکن فیلقوس چونکہ اس اہانت کو لپیٹنا چاہتا تھا جو ایرانی تاجدار کی طرف سے اس کی بیٹی پر عائد ہوچکی تھی اس لئے اس نے یہ مشہور کیا کہ سکندر میرا بیٹا ہے اور میری ایک بیوی کے بطن سے پیدا ہوا ہے - پس جس وقت سکندر نے اپنے چھوٹے سوتیلے بھائی دارائے ثانی سے ایران کی سلطنت چھینی تو گویا بڑے بھائی اور ولیعہد کی حیثیت سے اس نے اپنا وہ حق واپس لے لیا جس کا وہ پہلے سے حقدار تھا ' اس صورت سے ایرانی قدیم سلاطین پیشدادی و کیانی کے پر عظمت دور کو سکندر کے نام سے ختم کردیتے ہیں - سکندر کا تیسرا

قصہ سکندر نامہ نظامی (بارھویں صدی) میں درج ہے ' یہاں اس کو ایک پر اسرار شخص ذوالقرنین سے مطابق کیا گیا ہے جو حسب تعلیم قرآن موسیٰ علیہ السلام کا ہم عصر تھا (اگرچہ بعضوں کے نزدیک وہ خود ہی موسیٰ تھا) اس

سکندر نامہ کا سکندر

کے دانا اور خدا ترس معلم ارسطو یا ارسطا طالیس کی تعلیم کے اثر سے وہ ایک اعلیٰ قسم کا موحد بادشاہ بن گیا تھا اور کافر ایرانیوں کے جھوٹے عقائد کی بیخ کنی پر تل گیا تھا - سکندر کے متعلق یہ مختلف خیالات ذہن نشین رکھنے چاہئیں - اور ان کے ساتھ یہ واقعہ بھی کہ ایرانیوں کے قومی حافظے سے سکندر کی یاد حقیقۃً محو ہوگئی ہے اور اس کی دارا کے ساتھ اس کا ذکر ایک اجنبی ماخذ سے لے کر دیا گیا ہے ' ان کے قومی حافظے میں ساسانیوں کے عہد سے پہلے کا کوئی واقعہ محفوظ نہیں رہا -

پارتھوی دور

پارتھیوں کی نسبت یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ عجمی وقائع میں اُن کا حال نہ صرف مختصر ہے اور بے رغبتی سے لکھا گیا ہے بلکہ ایرانی اور عرب مورخوں نے سکندر کی موت اور ساسانیوں کے عروج کے درمیان ان کے عہد کے ۵۵۰ سال کو عادتاً گھٹا کر ۲۲۶ کردیا ہے - علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں اس مغالطہ آمیز اور خود ساختہ تاریخ کی لغویت اور اس کا سبب یہ بیان کیا ہے * - جب اردشیر بابکان نے ۲۲۶ ع میں یعنی

---

* " جغرافیات عربیہ " —

سکندر کے ۵۵۰ برس بعد آل ساسان کی بنا ڈالی تو تمام ملک میں ایک عام پیشین گوئی گشت لگارہی تھی کہ زرتشت کے ایک ہزار سال بعد ان کا دین اور ایران کی سلطنت تباہ ہوجائے گی - زرتشت کا زمانہ سکندر سے ۲۸۰ یا ۳۰۰ برس قبل سمجھا جاتا تھا اس حساب سے اس وقت تک تقریباً ۸۵۰ سال گزر چکے تھے ارد شیر کو خوف ہوا کہ مبادا پیشین گوئی (بظاہر اردشیر کو اس پر پورا یقین نہ تھا ورنہ وہ اس رد و بدل سے کیا امید کرسکتا تھا) عوام میں ہل چل ڈال کے اپنے آپ کو پورا نہ کردے اور اس کے خاندان کو عرصہ دراز تک حکومت کا موقع نہ مل سکے لہذا اس نے جان بوجھ کر اس مدت میں سے کوئی تین سو سال خارج کردیے اور مشہور کیا کہ ایک ہزار میں سے اس وقت تک صرف ۵۶۶ سال گزرے ہیں، اور اس کی اولاد کو ابھی ۴۳۴ سال تک اور حکومت کرنے کی گنجائش ہے؛ اور واقعہ یہ ہے کہ ساسانی دور رہا بھی اتنی ہی مدت کیونکہ آخری شاہ ساسان یزد گرد سوم ۶۵۱ - ۶۵۲ میں قتل کیا گیا مسعودی نے اس تاریخ میں اس حیرت انگیز کذب آمیزی کو ایک "سیاسی و مذہبی راز" بیان کیا ہے - اردشیر کا اس دروغ کو فروغ دے سکنا اس امر کا ثبوت ہے کہ سرکاری کاغذات اور فن نوشت و خواند کس قدر کامل طور پر مذہب و دولت کے ہاتھ میں تھا —

ہم بیان کرچکے ہیں کہ ساسانیوں کے آغاز سے قومی" افسانہ" اصل تاریخ کی اقلیم میں قدم رکھتا ہے اور جس قدر آگے بڑھتا جاتا ہے مستقل طور پر تاریخ بنتا جاتا ہے، اگرچہ فرضی قصے

اور جھوٹے واقعات بھی آزادی کے ساتھ اس کے دامن سے لپٹے رہتے ہیں - چونکہ ساسانیوں کی بحث آئندہ باب کے لئے مخصوص ہے اس لئے ہم اس کو یہیں چھوڑتے ہیں اور "قومی افسانہ" کی تاریخی حیثیت اور اس کی قدامت کی بحث شروع کرتے ہیں —

قومی افسانہ کی تاریخ و قدامت

اوستا میں شاهنامے کے مشاهیر ابطال کے حوالے کافی طور پر ثابت کرتے ہیں کہ اول الذکر کی تصنیف کے وقت تک "قومی افسانہ" کے ضروری خط و خال موجود تھے - لیکن ان کی قدامت کی صرف یہی دلیل نہیں کیونکہ نولدیکی نے ثابت کیا ہے کہ یونانی مورخوں نے قدیم سلاطین عجم کے جو حالات لکھے ہیں ان میں "قومی افسانہ" کے بعض اجزا مخلوط ہیں خصوصاً مورخ تی سی آز کے صفحوں میں جو اردشیر یمنوں کا درباری طبیب تھا اور جس نے اپنی تاریخ کو یقیناً ایرانی ماخذوں سے مرتب کیا ہے - اس کے سوا "قومی افسانہ" کے یہ اجزا بار بار اعادہ کرتے ہیں اور ایک بادشاہ بلکہ ایک خاندان سے دوسرے میں منتقل ہوتے ہیں' مثلاً هخامنشی خاندان کا پہلا بادشا سائی رس جب میڈیوں کے خلاف جد و جہد کر رہا تھا تو اس کی ابتدائی اور لڑکپن کی مہمیں جن حالات سے گھری ہوئی تھیں وہ ان حالات سے بغایت مشابہ ہیں جو آل ساسان کے پہلے بادشاہ اردشیر کو پارتھیوں کے مقابلے میں پیش آئے - ذیل کے قصوں میں اسی طرح کی قابل ذکر مماثلت پائی جاتی ہے۔ اول سیمرغ یا ہما کا (جو ان سب قصوں میں ایک عظیم شاہی پرندہ ہے) بادشاہ هخامنشی زال

اور اردشیر کی حفاظت کے لئے نمودار ہوجانا" دوسرا بلند پایہ خاندان قارین کے دو شخصوں کا جونوذر کیانی اور پیروز ساسانی کو تورانی دشمنوں کے چنگل سے بچانے کے لئے اسی طرح بر وقت پہنچ جانا جس طرح دارا ے دو پائی رس اور پیروز آخشندار کے قصے کے اشخاص پہنچتے ہیں —

(سکندر کی تاریخ میں سے جو اس کے حاجب کرس ساکن متی لینی نے لکھی تھی، گشتاسپ کے بھائی زیری ایڈریز اور شہزادی اُداتس کا قصہ آج تک باقی ہے اور مورخ ایتھی نی اس کے ذریعہ سے ہمارے پاس پہنچا ہے' یہی قصہ پہلوی کی سب سے پرانی داستان یات کار زریران (صفحۂ بالا ۱۸۶) کا موضوع ہے جو ۵۰۰ عیسوی کے قریب تصنیف ہوئی تھی) یہ کتاب ضخامت میں چھوٹی لیکن اہمیت میں بیش بہا ہے اور فارسی زبان میں قدیم ترین ہے لیکن اس میں "قومی افسانہ" کے سچے اجزا پائے جاتے ہیں' اگرچہ وہ اس کے صرف ایک قصے سے بحث کرتی ہے لیکن وہ سر بسر ناظرین سے توقع کرتی ہے' وہ "قومی افسانہ" کے پورے سلسلے سے آشنا ہیں' نولڈیکی نے لکھا ہے —:

یات کار زریران

"یا تو ہم سرتا پا دھوکے میں ہیں یا اس کتاب میں ایک بات نظر آتی ہے جس کا ظہور ہم مختلف قوموں کے تاریخی فسانوں میں بھی دیکھتے ہیں: قصے سب کو معلوم ہوتے ہیں' انکے بعض حصوں کی فصاحت و تخیل کی مدد سے

طول دیا جاتا ہے : پھر حذف و تخلیط'
انتخاب و پیوند اور اصلاح و ترمیم کی
بدولت ان واقعات سے ایک مربوط اور
جامع داستان طویل پیدا کی جا سکتی
ہے۔ افسانۂ زیر کی ضروری خصوصیات
طبری کے مختصر ترجمہ عربی میں
دوبارہ نمودار ہوتی ہیں اور طبری
کا بیان شاہنامے کے بالمقابل حصے سے
تمام و کمال مطابق ہوتا ہے بلکہ بعض
مقامات پر لفظی مطابقت بھی موجود
ہے ' لہذا افسانۂ مذکور کا ماخذ عام
قدیم روایات ہیں جو " افسانۂ اعظم"
کی بنیاد میں بھری ہوئی ہیں " —

اصلاح و ترمیم سے جیسا کہ نولدیکی خود بیان کرتا ہے ایسی تبدیلیاں مقصود ہیں جو ایک طویل افسانے کے مختلف قصوں کو باسلوب احسن آپس میں ضم کرنے کے لئے کی گئیں۔ فردوسی کے شاہنامے اور اسی افسانے کی دوسری صورتوں میں ان تبدیلیوں میں ایسے الفاظ اور خصوصیات کا حذف بھی شامل ہے جو مسلمان ناظرین کے لئے ناگوار خاطر تھی —

(۱) "قومی افسانے" کے ساسانی حصے کا ایک پہلوی قصہ کارنامک ارتخشتر پاپکان کے نام سے باقی ہے ' یہ کتاب اب شائع ہوگئی ہے ' اصل اور اس کا جرمن ترجمہ (۱۸۹ صفحہ بالا) دونوں متداول ہیں۔ شاہنامہ سے اس کا مقابلہ ' جو آئندہ باب میں

کیا جائے گا ' فردوسی کی دیانت کے متعلق ہماری رائے بہت بلند کردیتا ہے ' اس نے اپنے ماخذوں کی ایسی اچھی طرح پیروی کی ہے کہ اسر بسر واقعہ سے واقعہ ملتا چلاجاتا ہے کار نامک غالباً ۶۰۰ عیسوی کے قریب تالیف ہوئی ہوگی ' ساسان ' پاپک اور اردشیر کے بیان میں مورخ آگے تھی اس (۵۸۰ع) نے جو فارسی زبان میں لکھی ہوئی تاریخ بادشاہی کا حوالہ درج کیا ہے اس سے مزید ثبوت ملتا ہے کہ اس دور کے پہلوی ادبیات میں " قومی[۱] افسانہ " کے کم از کم انفرادی قصے ضرور موجود تھے —

شاہنامہ کی پہلوی میں آخری نظر ثانی

تیمور کے پوتے بیسنغر (۱۴۲۵ - ۱۴۲۶ ع) کے حکم سے شاہنامہ فردوسی کے شروع میں ایک مقدمہ منسلک کیا گیا تھا ' اس میں لکھا ہے کہ ساسانیوں کے آخری بادشاہ یزد گرد سوم کے عہد میں (دہقان دانشور نے کیومرث سے خسرو پرویز تک (۶۲۷ ع تک) " قومی افسانہ " کا مکمل اور صحیح شدہ پہلوی متن تیار کیا تھا ' نولدیکی نے اس پر یہ تنقید کی ہے کہ بجائے خود اس بیان کی قیمت خواہ کچھ قرار دی جائے لیکن خسرو پرویز کے واقعہ وفات تک عرب مورخین اور شاہنامے کے بیانات کی باہمی مطابقت اور اس واقعہ کے بعد سے ان کا باہمی سخت اختلاف یہ ثابت کرتا ہے کہ اس خاص لحاظ سے مقدمہ صحیح ہے ' مزید برایں اس میں قوم پرستی کا جوش اور جائز حقوق کی حمایت کا رنگ پھیلا ہوا ہے اور ان باتوں سے کافی طور پر عیاں ہوتا ہے کہ یہ کتاب سرکاری

نگرانی اور شاہی سرپرستی میں تدوین ہوئی تھی ـــ

اس پہلوی کتاب کا نام خدائے نامہ (نامک) ہے ، خمرہ اور مؤلف فہرست جیسے عرب مصنفوں نے اس کا جگہ جگہ حوالہ دیا ہے اور آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں ابن المقفع نے اس کا عربی میں بھی ترجمہ کیا ، اسطرح وہ ادبیات کے عرب کے دائرہ میں عام طور پر معروف ہو گئی لیکن شومی بخت سے ابن المقفع کا ترجمہ آج ناپید ہے ؛ اسی طرح اور فارسی نثر کا وہ ترجمہ بھی ہم تک نہیں پہنچا جو (۹۵۷ - ۹۵۸) میں ابو منصور معمری نے حاکم وقت ابو منصور بن عبدالرزاق کے لئے ہرات ، سیستان ، شاپور اور طوس * کے چار زر تشتیوں سے کرایا تھا ، - فارسی کے منظوم شاہنامہ کا قالب زیادہ تر اسی کتاب سے تیار ہوا ہے ، شاہنامہ سب سے پہلے دقیقی نے سامانی شہزادہ نوح بن منصور (۹۷۶ - ۹۹۷ ع) کے لئے شروع کیا تھا لیکن عہد گشتاسپ اور ظہور زرتشت کی نسبت صرف ایک ہزار شعر لکھنے پایا تھا کہ اس کو ایک ترکی غلام نے قتل کردیا ، یہ فردوسی کی قسمت میں تھا کہ جس کام کو دقیقی نے شروع کیا تھا چند سال کے بعد وہ اس کو پورا کرے اور دقیقی کے اشعار ملا کر تقریباً ساٹھہ ہزار بیتوں میں " قومی افسانہ " کا مرقع تکمیل اور خاتمہ

(حاشیہ: پہلوی شاہنامہ کے عربی اور فارسی ترجمے)

---

* دیکھو آثارالباقیہ البیرونی مترجمہ زخاؤ ، صفحہ ۱۱۹ اور ۱۲۵ ، " مثنوی عجم " از نولڈیکی صفحہ ۱۴ - ۱۵

کو پہنچا دے - جدید ادبیات ایران کی بحث میں ہم دقیقی اور فردوسی کی طرف دوبارہ متوجہ ہوں گے اس لئے باب هذا میں ان کے متعلق زیادہ صراحت کی ضرورت نہیں ، صرف اتنا یاد رکھنا چاهئے کہ شاهنامہ قومی افسانہ کی آخری اور رزمیہ مثنوی کی صورت ہے—

چوتھا باب

دور ساسان (۲۲۹ - ۶۵۲ ء)

اس باب میں نہ تو یہ مناسب ہے اور نہ ممکن کہ ساسانیوں کی مفصل تاریخ بیان کی جائے لیکن ان کا زمانہ اس قدر اہم اور دلچسپ ہے کہ اس کو بالکل نظرانداز بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس دور کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس میں ملک پرانی حالت سے نکل کر نئی حالت میں داخل ہوتا ہے، مگر دونوں حالتوں سے بخوبی روشناس رہتا ہے - فرّ ہخامنشی کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے لیکن تاریخی روشنی اس دور سے کہیں زیادہ اِس پر پڑتی ہے اور یہ وہ روشنی ہے جس کا منبع صرف اُس زمانے کے کتبات، سکے، مہر اور ملکی مرقومات (جو عرب اور ایرانی مورخ اور افسانہ نگاروں کے ہاں محفوظ ہیں) ہی نہیں بلکہ بزنطنی، شامی، ارمنی اور یہودی تحریریں بھی ہیں - آل ساسان وہ فرمانروا تھے جن کو یونانیوں نے خسرو اور عربوں نے کسری (جمع اکاسرہ) کا لقب دیا تھا، جو ایران کی دولت قدیم اور زرتشت کے

" بہ دین " کو زندہ کرنے والے تھے اور جن کی نسبت مسعودی (۹۵۶ ع) اپنی کتاب التنبیہ والاشراف کے دیباچہ صفحہ ۲ میں لکھتا ہے :—

" ہم اپنی اس کتاب میں ان ممالک
کے بیان پر ہی اکتفا کرتے ہیں کیونکہ
شاہان عجم کی مملکت نہایت وسیع '
ان کی حکومت نہایت قدیم اور بادشاہت
مسلسل تھی ' ان کا نظم و نسق اعلیٰ '
ان کا اصول عمل باقاعدہ اور ان کا علاقہ
خوش حال تھا ' وہ اپنی رعایا کی
خبر گیری کرتے تھے اور سلاطین عالم ان
کے حلیفان اطاعت شعار تھے ' اور
ان کو خراج ادا کرتے تھے ' اسی طرح
ان کا تسلط اقلیم چہارم پر بھی تھا
جو بابل کی اقلیم اور کرۂ زمین کا وسط ہے
اور ہفت اقالیم میں سب سے عمدہ ہے "

کتاب مذکور کے صفحہ ۳۷ میں ' ایک شاعر کے اشعار نقل ہیں جو مسعودی کی طرح رطب اللسان ہے ' اگر چہ یہ شاعر تصنیف میں عربی زبان سے کام لیتا ہے لیکن اپنے آپ کو فخریہ طور پر ایران کے شاہی خاندان سے منسوب کرتا ہے ' اشعار یہ ہیں :—

و قسمنا ملکنا فی دھرنا — اپنے زمانہ میں ہم نے اپنی سلطنت کی تقسیم کی —

قسمة اللحم علی ظہر الوضم | جس طرح تم ھتی پر گوشت کے ٹکڑے بناتے ھو
فجعلنا الشام والروم الي مغرب الشمس | یونان اورشام ان ملکوں تک جہاں سورج دیر میں غروب ھوتا ھے سلم کو دیا
سلم
و لطوج جعل الترک | اور طوج کو ترکوں پر حکمراں بنایا جہاں
لا
فبلاد الترک یحو یہا ابن عم | ھمارا ابن عم ابھی تک فرمانروائی کرتا ھے
و لایران جعلنا عنوۃ | اور فارس کو ھم نے بزور ایران کا ملک بنا دیا
فارس الملک وفزنا (ورثا) بالنعم | جہاں سے ھم کو ابھی تک برکتیں حاصل ھوتی ھیں ـــ

ساسانی بادشاھوں کا ربانی وجود

ذکر کیا جا چکا ھے کہ ساسانی بادشاہ اپنے آپ کو " دیوتا " یا " ربانی وجود " (پہلوی بغ ' کلدانی الاھا اور یونانی تھیاس) کہتے تھے اور قدیم کیانی خاندان ان کی اولاد ھونے کے علاوہ اپنے آپ - کو حکومت و " فرکیانی " کا جایز وارث سمجھتے تھے اور اپنا علو ' منصب ھر ممکن ذریعے سے رعایا کے دلوں میں جاگزیں کرتے تھے۔" فرکیانی " ایک طرح کا " سکینہ " یا "اسمانی حق" کی ایک مادی صورت تھی اس کی وجہ سے صرف آل ساسان کو عجمی تاج پہنے کا حق حاصل تھا - ساسانیوں کے خاندان میں اس کے منتقل ھونے کی قسمت ھم عنقریب ایک عجیب

روایت درج کریں گے ' یہاں سیرت رسول اللہ مرتبہ ابن ہشام (مرتبہ وستن فیلڈ کا صفحہ ۴۲) سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ وہ اپنا دبدبہ کس طرح قایم رکھتے تھے —

ساسانی شکوہ

" کسریٰ (یہاں خسرو انوشیروان مراد ہے) اپنے تخت والے " ایوان عام میں جلوہ آرا ہوتا جہاں اس کا تاج تھا ' لوگ بیان کرتے ہیں کہ تاج ایک بڑے قنقل کی مانند تھا اور اس میں یاقوت زبرجد اور موتی سونے چاندی میں جڑے ہوے تھے۔ یہ تاج شاہی نشست گاہ کی ایک محراب سے سونے کی زنجیر کے ذریعہ لٹکتا رہتا تھا - بادشاہ کی گردن تاج کا بوجھ سہار نہ سکتی تھی اس لئے وہ کپڑوں میں لپٹ کر دیوان میں جاتا اور تاج کے نیچے بیٹھ کر جہاں اس کی نشست گاہ تھی تاج میں اپنا سر داخل کرلیا کرتا تھا - جب بادشاہ اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاتا تو کپڑے ہٹا دئے جاتے ' جس شخص نے بادشاہ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا وہ اس کو دیکھتے ہی

مرعوب ھوکر گھٹنوں کے بل تعظیم
بجا لاتا تھا"۔۔۔

"آسمانی حق" کا مسئلہ ایران میں

ساسانیوں کے عہد میں بادشاھوں کے "آسمانی حق" کا عقیدہ جس تعمیم اور شد و مد کے ساتھہ ایران میں پالا گیا ھے غالباً اس کی مثال کسی دوسرے ملک میں نہیں مل سکتی، شاھی خاندان کے علاوہ کسی متنفس کی مجال نہ تھی کہ وہ شاھی لقب اختیار کرلیتا، اس کی جرأت زعم و شرارت کا ایک ایسا فعل سمجھا جاتا تھا جو بالاے فہم بلکہ بالاے وھم ھوتا، نولڈیکی نے باغی سردار بہرام چوبین اور غاصب شہر براز کے حوالوں میں اس خیال کی تصریح* کی ھے۔ دنیوری نے (صفحہ ۹۸) خسرو پرویز اور اس کے معاونان بزنطینی کے مقابلے میں بہرام چوبین کی شکست و فرار کا ایک قصہ لکھا ھے جس میں خاص طور پر اس امر کا پتہ چلتا ھے کہ "آسمانی حق" کی بابت اھل ایران کا خیال کیا تھا:۔۔۔

بہرام چوبین کا قصہ

"اور بہرام چوبین سر پر پاؤں رکھکر بھاگا، راستے میں اسے ایک بستی ملی یہاں وہ اُتر پڑا، اور اپنے ھمراھیوں مروان سینہ و یزدان گشتاسپ کے ساتھہ ایک بڑھیا کی جھونپڑی میں ٹھہرا، اس کے بعد انھوں نے کچھہ کھانا

* تاریخ عہد ساسانی صفحہ ۳۸۸ اور حاشیہ ۷ صفحہ ۳۷۷ اور حاشیہ ۴ وغیرہ۔۔۔

نکالا جو اُن کے ساتھہ تھا، خود کھایا اور بچا کُچھا بڑھیا کو دیدیا، پھر شراب نکالی اور بڑھیا سے کہا، "بڑی بی تمہارے پاس پینے کا کوئی برتن نہیں ہے"۔ اس نے جواب دیا "ایک چھوٹا سا گھڑا تو ہے"۔ چنانچہ وہ گھڑا لائی، انھوں نے اس کا ایک سرا کاٹ کے شراب کا پیالہ بنایا اور اس میں مے نوشی شروع کردی۔ پھر کچھہ نقل اور میوہ نکالا، اور بڑھیا سے کہا، "بڑی بی تمہارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں میوہ رکھکر کھائیں"۔ بڑھیا ایک چھاج اُٹھا لائی، جس میں انھوں نے اُلٹ دیا، بہرام نے حکم دیا کہ بڑھیا کو بھی شراب دی جائے، پھر بہرام بولا "کہو بڑی بی کیا خبریں ہیں؟"۔ بڑھیا نے جواب دیا کہ "آج کل تو یہ خبریں آرہی ہیں کہ کسریٰ یونانی فوج کے ساتھہ بڑھا تھا اور بہرام سے لڑا تھا، اب اس کو زیر کرکے اپنی سلطنت پر دوبارہ مسلط ہو گیا ہے"۔ بہرام نے پوچھا "بڑی بی بہرام کی بابت تمہارا کیا خیال ہے"۔

بڑھیا نے کہا "بہرام احمق ہے، شاہی
خاندان سے اسے کوئی تعلق نہیں اور
پھر بادشاہی کا دعویٰ کرتا ہے"۔ بہرام
بولا "جب ہی تو وہ کھپے میں شراب
پیتا ہے اور چھاج میں میوہ کھاتا ہے"۔
یہ ایرانیوں کا ایک مقولہ ہوگیا اور
وہ اس کو ضرب المثل کے طور پر نقل
کرتے ہیں" —

بعد کے زمانے میں اس مسئلہ کا اثر

بذات خود ہم گوبی نیو کے اس خیال کو تسلیم کرتے ہیں کہ "آسمانی حق" کی تعلیم نے ایران کی تمام آئندہ تاریخ پر نہایت وسیع و وقیع اثر ڈالا (مذہب شیعہ یا علی علیہ السلام کی ہمنوائی پر ایرانیوں کا اصرار اس کی نہایت بین مثال ہے، آنحضرت کے خلیفہ یا روحانی جانشین کا انتخاب جمہوریت پسند عربوں کے لئے تو بالکل قدرتی چیز تھا لیکن ایرانیوں کے نزدیک یہ انتخاب غیر طبعی اور نفرت خیز تھا، راشدین میں سے دوسرے خلیفہ حضرت عمر سے جو اہل عجم اس سے متنفر ہیں تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عمر غارت گر عجم تھے - اگر چہ اس نفرت کو مذہبی رنگ دیدیا گیا ہے لیکن اصل حقیقت اندر سے صاف نظر آتی ہے بخلاف اس کے آنحضرت کی دختر فاطمہ اور ان کے چچا زاد بھائی علی کے چھوٹے صاحبزادے حسین کی نسبت چونکہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ انہوں نے

ساسانیوں کے آخری تاجدار یزدگرد سوم کی بیٹی شہربانو سے عقد کیا تھا اس لئے شیعوں کے دونوں بڑے بڑے فریق یعنی اثنا عشریہ جو آجکل ایران میں غالب ہیں اور سبعیہ یا اسماعیلوں کے باقی اٹھ نہ صرف پیغمبری بلکہ شاہی حقوق و صفات کے وارث بھی ہیں، پیغمبر عربی (رسول کریم) سے بھی ان اماموں کا خون ملتا ہے اور آل ساسان سے بھی رشتہ ہوتا ہے، اس تعلق سے ایک سیاسی عقیدہ پیدا ہوگیا، جسکی نسبت محقق گوبی نیو نے ذیل کی عبارت ('' وسط ایشیا کا مذہب و فلسفہ '' صفحہ ۲۷۵) میں اشارہ کیا ہے —

سیاست شیعی کی بنیاد

ایران میں سیاسی تعلیم کا یہ ایک ذا متنازعہ فیہ مسئلہ ہے کہ صرف بنی علیؑ ہی جایز طور پر تاج و تخت کے مالک ہیں اور یہ اس دوھرے حق سے کہ ادھر تو وہ آخری تاجدار یزدگرد کی بیٹی بی بی شہر بانو کی طرف سے ساسانیوں کے وارث ہیں اور ادھر ملت حقہ کے سرداروں یعنی اماموں کی اولاد ہیں، بنی علیؑ کے سوا اور بادشاہ زور بازو سے بادشاہ ہیں نہ استحقاق سے اور کامل متشرع لوگ ان کو غاصب ہی سمجھتے ہیں، اور کوئی شخص ان کو سلطنت کا جایز وارث

تسلیم نہیں کرتا، ہم یہاں اس حتمی
اور قطعی رائے کے متعلق مطول گفتگو
نہیں کریں گے جسکو ہمیشہ دستورالعمل
نہیں بنایا گیا، ہم نے ایک دوسری کتاب
میں اس مسئلے پر کافی مفصل بحث
کی ہے، لیکن یہی وہ بنیاد ہے جس پر
سیاسیات بابی کی ساری عمارت تعمیر
کی گئی'' —

امام حسینؑ اور حضرت شہر بانو کی یہ شادی واقعةً ہوئی یا نہیں ہوئی لیکن صدیوں سے اہل تشیع اس کو ایک تاریخی واقعہ مانتے چلے آئے ہیں - متقدمین میں جن مصنفوں نے اس کا حوالہ دیا ہے ایک نام یعقوبی (مرتبہ ہوتسما جلد دوم صفحہ ۲۹۳) کا بھی ہے جو عربی مورخ تھا اور نویں صدی عیسوی کے اواخر میں ہوا ہے۔اس نے امام حسینؑ کی دردناک شہادت قتل کا بیان ان سطروں سے ختم کیا ہے —

,, امام حسینؑ کے صاحبزادوں میں ایک
علی اکبرؑ تھے، طف* میں شہید قتل ہوے''
انھوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، ان
کی والدہ کا نام لیلیٰ تھا جو ابو مرہ
بن عروۃ بن مسعود الثقفی کی بیٹی
تھیں، اور دوسرے علیؑ اصغرؑ جن کی

---

* یعنی عربستان کا وہ کنارہ جو سواد عراق کے متصل ہے —

والدہ یزد گرد کی بیٹی حوار*تھیں اور
جن کو امام حسینؑ غزالہ کہا کرتے تھے" -

شہر بانو فارسی تعزیوں میں

بی بی شہر بانو چوتھے سے بارھویں امام تک نو اماموں کی والدہ ہیں' ان کے ابنائے وطن آج تک ان کی محبت کا دم بھرتے ہیں - ان کے نام سے ایک پہاڑ (کوہ بی بی شہر بانو) بڑی مشہور ہوگیا ہے' جو طہران سے جنوباً تین یا چار میل کے فاصلے پر ہے' یہاں مردوں کے ناپاک قدم نہیں پہنچ سکتے' اور صرف وہ مستورات جاتی ہیں جو اپنی منتوں کے لئے اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ چاہتی ہیں' اس کے سوا شہر بانو ان دلسوز اور رقت انگیز ماتمی فقاؤں' تعزیوں کی خواتین میں سے ایک ہیں' جن کا تماشہ هر سال بلاد و دیہات ایران میں اشکبار انبوہ کو دکھایا جاتا ہے - تعزیہ غائب شدن شہر بانو" ایک ڈراما (مطبوعہ طہران سنہ ۱۳۱۴ ع) کا نام ہے جس کے صفحہ ۱۹ پر شہر بانو کی زبان سے یہ ادا کرایا جاتا ہے :-

ز نسل یزد جرد شہریارم — میں بادشاہ یزد گرد کی نسل
ز نوشیرواں بود اصل نژادم — اور نوشیرواں کی پشت سے ہوں
دراں وقتے کہ بختم کامراں بود — جب کہ میرا نصیبہ زور پر تھا
بداں شہر ریم اندر مکاں بود — میں شہر رے میں تھی

---

* سوائے شہر بانو کے جو موجودہ ایرانیوں میں سب سے زیادہ مشہور ہے اور مضمون نے ان کو اور ناموں سے بھی یاد کیا ہے مثلاً السلافہ اور شاہ زناں ہیں —

شبے رفتم بسوے قصر بابم	ایک شب کو میں اپنے باپ کے قصر میں سو رہی تھی
بیامد حضرت زہرا بخوابم	کہ حضرت فاطمہ صلوٰۃ زہرا مرے خواب میں آئیں
بگفت اے شہر بانو با صدآئیں	خواب میں آواز آئی کہ اے شہر بانو
ترا من بر حسین آرم بکابیں	میں تجھہ کو حسینؑ کی عروسی میں دیتی ہوں
بگفتم من نشستہ در مدائن	میں نے کہا میں مدائن میں ہوں
حسین اندر مدینہ ہست ساکن	اور حضرت امام حسینؑ مدینہ* میں
حالست ایں سخن فرمود زہرا	یہ بات ناممکن معلوم ہوتی ہے حضرت زہرا نے فرمایا
حسن آید بسرداری دراینجا	حضرت امام حسنؑ مدائن پر لشکر کشی کریں گے
تو گردی اسیر اے بے قرینہ	اے بے قرینہ تو اسیر ہوگی
برندت از مدائن در مدینہ	اور تجکو مدائن سے مدینہ لیجائنگے

---

* مدینہ کے معنی شہر اور مدائن اسکی جمع ہے۔ مدینہ کا قدیم نام یثرب تھا، اس شہر نے جب ہجرت نبی سے مشرف پایا تو اس کا نام مدینۃ النبی یا صرف مدینہ ہوگیا، یہاں مدائن سے طیسفون مراد ہے، جو کالدیا میں ساسانیوں کا دارالحکومت تھا، عرب جغرافئین کا بیان ہے کہ مدائن اس لئے مدائن کہلاتا ہے کہ وہ سات شہروں سے ملکر بنایا گیا تھا دیکھو "فرہنگ پارس" برہوتے میناوق ......

بفرزندم حسین پیوند سازی تو ان کے نکاح میں آجائے گی
مرا از نسل خود خرسند سازی اور مجکو اپنی اولاد سے خوش کرے گی
ز نسلت نو امام آید بدوران تیری نسل سے ایسے نو امام دنیا میں آئیں گے
کہ نبود مثل شان در دار دوران کہ جن کا نظیر صفحۂ ہستی پر کوئی نہ ہوگا

چند سطر آگے چل کر ایک مقام آتا ھے جس سے حضرت عمر کے خلاف ایرانیوں کی نفرت اور حضرت علیؑ کے ساتھہ ان کی الفت اس قدر عیاں ھے کہ ہم اس کو یہاں نقل کئے بغیر نہیں رہ سکتے ' بہادر حضرت امام حسینؑ شہر بانو کو پندیس میں شاهانہ احترام کے ساتھہ لاتے ھیں اور اس کے بعد شہزادی کی مصائب کا آغاز ہوتا ھے :—

ولے چون شد مدینہ منزل ما لیکن جب میں مدینہ پہنچی
غم عالم فزون شد بر دل ما تو مجھہ پر مصیبت کا آسمان ٹوٹ پڑا
یکے گفتہ کہ این دختر کنیز است ایک نے کہا کہ یہ کوئی کنیز ھے
یکے گفتہ بشہر خود عزیز است دوسرے نے کہا نہیں اپنے وطن میں معزز ھے
بہ مسجد مرد وزن در بام محضر مسجد میں مرد اور کوٹھوں میں عورتیں جمع ہوگئیں
مرا نزد عمر بردند مادر اور ھادری اماں! مجھکو لوگ حضرت عمر کے پاس لے گئے

کلامے گفت کا زو دارخروشم انھوں نے ایسے کلمے کہے کہ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی

بگفت این بیکساں را می فروشم کہنے لگے ان لاوارثوں کو نیلام کروں گا

چوتھے باب کی فصیل " شہر بانو فارسی تغریوں میں " ایک نظم پر ختم ہوتی ہے جس کے پانچویں چھٹے شعر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو " دون " " نادان " " ملعون " " غدار کہا ہے — استغفراللہ من ذالک

علی جدت چوبر آمد خروشاں لیکن پھر علی موقع پر آئے تو چلا ئے

بگفت اب بہ بندا ے دون نادان کہ اے دون نادان زبان بند کر!

نہ شاید برون ای ملعون غدار اے ملعون غدار یہ مناسب نہیں کہ

بزرگان را سر عریاں بہ بازار شریف زادیوں کو بے پردا کر کے بازار میں کھڑا کیا جاے

پس ازان خواری اے نور دو عیدم اے میری آنکھوں کے نور اس ذلت کے بعد

بہ بخشیدند بر بابت حسینم انھوں نے مجھہ کو تیرے باپ حضرت حسینؑ کے حوالہ کردیا

حسین کردہ وصیت برمن زار امام حسینؑ نے مجھہ کو وصیت کی

نہ مانم درمیان آل اطہار کہ میرے بعد آل اطہر کے درمیان تمھارا رہنا ٹھیک نہیں

اگر مانم اسیر و خوار گردم ورنہ ذلت اور اسیری کا منہ دیکھنا پڑیگا

برهنه سر بهر بازار گردم — سر کھلا ہو گا اور ماری ماری پھرو گی

توچون هستی امام وشهریارم — اب تم ہی میرے لئے امام ہو اور میرے سر تاج ہو

بدست تست مادر اختیارم — اے اماں میں اپنا اختیار آپ کو دیتی ہوں

اگر گوئی روم دردت بجانم — میں تم پر قربان ! اگر تم کہو تو میں چلی جاؤں

صلاحم گر نمیدانی بمانم — اگر تم اس میں میری بہتری نہیں سمجھتے تو پھر میں یہیں رہ جاؤنگی

ساسانیوں کے نسبت ان کی عیسائی رعایا اور معاصرین کی رائے

عہد ساسان کی تصویر عیسائیوں خاصکر سریانی مصنفوں نے نسبتاً تاریک تر دکھائی ہے - سریانی ماخذوں کی نسبت نولدیکی کا یہ بیان ہے کہ اس کو اکثر مستشرقین نے کافی طور پر استعمال نہیں کیا ، تاہم تاریخ ایران کے مطالعہ کرنے والوں کو جو راقم کے مثل سریانی سے نا بلد ہیں اور اصل متون تک نہیں پہنچ سکتے دو کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے ان میں سے ایک کتاب تاریخ ییوشع اسطوانی * کی ہے

* اس کا متن و ترجمہ ڈاکٹر ڈبلیو رائیٹ نے سنہ ۱۸۸۲ ؁ء میں کیمبرج سے شایع کیا ــ

سنہ ۵۰۷ ع میں لکھی گئی تھی اِس میں ایرانیوں کے اس حملے کا حال قلمبند ہے جو قباد نے ایشیائے کوچک پر کیا تھا، اور مخصوص طور پر اہالیان " رھاو آمد " (جن کو اب عرفہ و دیار بکر کہتے ہیں) کی وہ مصائب درج ہیں جو شروع ۶۰۰ ع میں ان پر نازل ہوئی تھیں، دوسری کتاب کا نام " اعمال شہدائے عجم * " ہے، جارج ھاف مان نے اس کو مختلف سریانی مخطوطات کے اقتباسوں سے مرتب کیا ہے اور جرمن میں ترجمہ کر کے اس کے ساتھ نہایت فاضلانہ حواشی لگائے ہیں، ان دونوں کتابوں میں مذہبی و سیاسی وجوہ سے ایرانیوں کی تصویر قدرتاً بد نما کھینچی گئی ہے، لیکن کم از کم تاریخ " نیوشع " کے پڑھنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایرانیوں نے اپنے عیسائی دشمنوں کی نسبت زیادہ تشدد و غداری سے کام لیا ہو، چونکہ مصنف نے کتاب کو حملہ کے دو تین سال بعد لکھا تھا اور دوران جنگ میں اس کا وطن بھی برباد کردیا گیا تھا اس لئے یہ بالکل قدرتی امر ہے کہ وہ ایرانیوں کو کہیں کہیں ان الفاظ سے یاد کرتا ہے :—

" اس شریر قوم کا سرمایہ مسرت
اس بات سے خوب واضح ہو جائے گا
کہ انہوں نے ان شخصوں پر بھی
رحم نہ کیا، جو اُن کے حوالے کردئے

* اقتباسات از اعمال شہدائے عجم بزبان سریانی مرتبہ جورگ ھوف مان (لیپزگ سنہ ۱۸۸۰)

گئے، سبب یہ ہے کہ وہ بنی آدم
کی تکالیف پر خوشیاں منانے کے
عادی ہیں " —

مذہبی تعصب کی مثالیں

عیسائی اور زرتشتیوں کے قالب مذہبی تعصب سے ہر وقت مشتعل رہتے تھے، اور رواداری کے نقطۂ نگاہ سے ایک کو دوسرے پر کوئی وجہ ترجیح نہ تھی ایک شخص کے فضائل اخلاق، اور رذائل طبع کے تعین میں جس حد تک اس کے مذہب کو دخل تھا، اس کی عمدہ مثال " یزدگرد اول " (۳۹۹ - ۴۲۰) کے حالات کے مقابلے میں ملتی ہے، اس کے حالات ایک طرف تو عرب مورخوں نے پہلوی خدائے نامہ سے جو مجوسیوں کے (یزدگرد الاثیم) کے زیر اثر قلمبند ہوا تھا مرتب کئے ہیں، دوسری طرف ایک سریانی عیسائی مصنف نے جو یزدگرد کا ہم دور تھا اس کی خصلت کا خاکہ کھینچا ہے، اول الذکر نے اسکو گناہگار (فارسی، بزہگر - عربی الاثیم) کا لقب عطا کیا، اور اس کی شرارت نفس، ضد و جہالت اور وحشت و سفاکی حد بشری سے آگے بڑھا دی ہے، اور عیسائی مصنف نے اسکی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں :—

" نیک و رحم دل عیسائی بادشاہ
یزدگرد، برکت مآب سلاطین! وہ
برکتوں سے یاد کیا جائے اور اس
کا مستقبل اوائل زندگی سے بہتر
ثابت ہو، وہ ہر روز غریبوں

اور مصیبت زدوں کے ساتھ بھلائی کرتا ہے *" —

نوشیروان" عادل " ۵۳۱ - ۵۷۸ ع

اسی طرح خسرو اول کو نوشیروان (انوشک ربان - لافانی روح والا) کا خطاب ملا اور اب تک وہ اس ہی نام سے یاد کیا جاتا ہے ' گویا کہ وہ سلطانی شمائل اور عدل و انصاف کا مجسم نمونہ تھا ' کیوں ؟ اس لئے کہ اس نے مزدک اشتراکی کی بدعتوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا ' اور مطابق اعتدال و نرمی سے کام نہیں لیا ' اور یہی ایک وصف تھا جو مجوسی موبدون کی نظر میں اس کے " لافانی " ہونے کا کافی سبب تھا ' موبدون کی قدر دانی نے اس کا رتبہ یہاں تک بڑھا دیا کہ شیخ سعدی جو ایک جوشیلے مسلمان تھے ' کہتے ہیں :—

زندہ است نام فرخ نوشیروان بعدل
گر چہ بسے گذشت کہ نوشیروان نماند

عیسائیوں کی نسبت نوشیروان کا خیال

دنیوری صفحہ ۷۲ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نوشیروان کو عیسائیوں سے بھی بدرجہ غائت تنفر تھا ' جب اُس کا بیٹا انوش زادہ اپنی عیسائی ماں کے عیسائی مذہب میں داخل ہوا ' اور باپ کے خلاف بغاوت کر بیٹھا ' تو نوشیروان نے " طیسفون " کے ایرانی گورنر کو جواباً ہدایت کی کہ " اسے عیسائیوں کے کثیر غول سے ہراساں نہ ہونا چاہئے ' کیونکہ ان میں باقی رہنے والی شوکت نہیں ہے اور حقیقت میں وہ زندہ

---

* " ساسانی " از نولڈیکی صفحہ ۷۱۵ نوٹ ۳ وغیرہ —

نہیں رہ سکتے ' جب کہ ان کے مذہب میں لکھا ہے کہ " اگر کسی عیسائی کے بائیں گال پر طمانچہ رسید کیا جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا دایاں گال بھی پیش کردے "—

اس باب کا مبحث اور اس کا خاکہ

اب ہم اس باب کا موضوع بیان کرتے ہیں' چونکہ اس دور کے بعض تاریخی حالات کے سوا زیادہ قلم فرسائی ہم نہیں کر سکتے اس لئے ہم اپنی توجہ خاص طور پر اس دور کی ابتدا و انتہا تک محدود رکھیں گے ' ابتدائی دور کو جس میں زیادہ تر قصص و روایات شامل ہیں ' ہم اس لئے زیر بحث لاینگے کہ اس کے ذریعے سے ہمیں" شاہنامہ " فردوسی کے بعض قصوں کو پہلوي کے کارنامک ارتخشتر پاپکان کے مرادف قصوں سے مقابلہ کرنے کا موقعہ ملے ' انتہائی دور کے بیان کی وجہ یہ ہے کہ اس کو عربی فتوحات سے بے حد قریب کا تعلق ہے ' اور عربی فتوحات ایران کے جدید یا اسلامی عہد کا سرچشمہ ہیں ' علاوہ ازیں ساسانی دور کے اواخر میں دو مذہبی تحریکیں ' جن کا تعلق مانی اور مزدک ' کے مشہور ناموں سے ہے ' پیدا ہوتیں اور کسی قدر توجہ کی مستحق ہیں (یہ تحریک اس فکر فلسفیانہ کی قدیم مثالیں ہیں' جو ایرانیوں کا خاص حصہ ہے ' کیونکہ انہوں نے مذہب میں جتنی بدعتی پیدا کئے غالباً دنیا کے کسی قوم میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی ' ان دونوں پیشواؤں میں

---

* آثارالباقیہ البیرونی ' مترجمہ ساشیو (لندن سنہ ۱۸۷۹) صفحہ ۱۲۱ —

جتنے مدعی پیدا کئے ' غالباً دنیا کے کسی قوم میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی ' ان دونوں پیشواؤں میں سے پہلا جیسا کہ وہ خود بیان کرتا ہے * آخری حکمران پارتھیہ اردوان (ارتبانس) کے عہد میں پیدا ہوا تھا ' اور آل ساسان کے بانی اردشیر کا معاصر تھا ' دوسرے کی نسبت مسطور ہوچکا ہے کہ سنہ ۵۲۸ یا ۵۲۹ ' میں نوشیروان نے اس کو قتل کرایا تھا اور یہ وہ زمانہ ہے جب کہ ساسانی اقبال کا ستارہ آسمان عروج پر تھا ' گو کہ اس زوال کی ابتدائی علامات بھی دکھائی دینے لگی تھیں - اس باب کے چارعنوان بالفاظ ذیل پیدا ہوتے ہیں :—

۱ - اردشیر کا افسانہ اور خاندان ساسان کی ابتدا -
۲ - مانی اور تعلیم مانی -
۳ - نوشیروان اور مزدک -
۴ - آل ساسان کے آخری ایام -

(۱)

اردشیر کا افسانہ

اس افسانے کے ممتاز قصے جس ترکیب سے پہلوی کارنامک اور شاهنامے میں درج ہیں بجنسہ اس مقام پر نقل کئے جاتے ہیں' اس وقت کارنامک (کا نفیس جرمن ترجمہ از قلم نولدیکی

* آثارالباقیہ البیرونی ' مترجمہ سخاو (لندن سنہ ۱۸۷۹ع صفحہ ۱۲۱ —

طبع علحدہ * صفحہ ۲۱ تا ۷۹ جس کا مقدمہ ۲۲ سے ۳۴ صفحہ تک چلا جاتا ھے) اور شاہ نامہ (میکن مطبوعہ کلکتہ جلد سوم صفحات ۱۳۶۵ تا ۱۴۱۶) ھمارے سامنے موجود ھے -

(۱) ساسان نے جو بہمن دراز دست (لونگی مے نس' دیکھو گزشتہ صفحہ ...) کی پانچویں پشت میں تھا' شہزادہ پارس پاپک (بابک) کے پاس شبانی کی خدمت اختیار کی' پاپک کو خواب میں آگاھی ہوئی کہ ساسان شاھی نسل سے ھے تو اس نے ساسان کو اعلیٰ عہدہ پر ممتاز کیا اور اپنی بیٹی کو اس کے عقد میں دیدیا - اردشیر اسی رشتہ مناکحت سے پیدا ہوا' (کار نامک † صفحہ ۳۶ ؛ ۳۸ شاہ نامہ صفحہ ۱۳۶۵) —

(۲) پاپک نے اردشیر کو گود لے لیا' جب وہ ھوشیار ہوا تو اس کی شجاعت و فطانت اور فروسیت کا شہرہ پارتھیا کے آخری

---

* یہ ترجمہ دراصل ایک مجموعۂ مضامین میں چھپا تھا جو پروفیسر نولڈکی کو ڈاکٹر کی ڈگری ملنے کی پچاسویں سالگرہ پر ان کے احباب نے ان کو پیش کیا تھا' پھر گوٹنجن سے ترجمے کے صفحات جو مجموعے میں ۲۱ سے ۷۹ تک تھے سنہ ۱۸۷۹ع' میں مستقل رسالہ کی صورت میں شایع کئے گئے -

† ان حوالوں کے لئے دیکھو —

صفحہ ۵ و بعد' کارنامک کا ترجمہ انگریزی حاسل المتنی مرتبہ " داراب دستور پشوتن سنجانا " (بمبئی سنہ ۱۸۹۶ع) شاہ نامہ کے اقتباسات بھی اسی کتاب میں بطور ضمیمہ شامل ھیں —

بادشاہ اردوان کے کانوں تک پہنچا - اردوان نے اس کو دارالحکومت رے میں بلا بھیجا اور عزت و احترام کے ساتھ دربار میں جگہ دی ' ایک دن شکار میں اردشیر نے کوئی اعلیٰ نشانہ سرکیا مگر اس کا مدعی اردوان کا ایک بیٹا بن گیا، اردشیر نے اس کو جھٹلایا تو اردوان کو غصہ آیا اور اُسے ذلت و رسوائی کے ساتھ شاہی اصطبل میں کام کرنے کو بھیج دیا - (کارنامک صفحہ ۳۸ تا ۴۱؛ شاہنامہ ۱۳۶۴)—

۳- ایک حسین و دانشمند لڑکی نے جو اردوان کی محرم راز تھی ' اردشیر پر ترس کھایا اور دو تیز گھوڑے مہیا کرکے اردشیر کے ساتھ پارس کا رخ کیا ' اردوان بھی ان کے تعاقب میں چلا مگر جب اسکو معلوم ہوا کہ "فرّکیانی" ایک نفیس مینڈھے (شاہنامے میں اسے غرّم لکھا ہے) کی شکل میں اردشیر کے ساتھ گھوڑے پر سوار جارہی ہے تو اس نے تعاقب سے ہات کھینچا اور واپس چلا آیا (کارنامک ۴۱ تا ۴۶ شاہنامہ ۱۳۷۰)—

۴- اردشیر نے پارتھیوں وغیرہ سے جنگ کی اور اردوان کو مع اس کے بیٹے کے شکست دی مگر کردوں کے مقابلے میں خود شکست کھاتا ہے (کارنامک ۴۶ تا ۴۹؛ شاہنامہ ۱۳۷۴)—

۵ - داستان ہفتان بوخت (ہفتواد) اور کرمان کے ہیبت ناک کرم کی سرگزشت جس میں متھرک (مہرک) کی لڑائی بھی شامل ہے (کارنامک ۴۹ تا ۵۷؛ شاہنامہ ۱۳۸۱) —

۶ - اردوان کس طرح اپنی بیٹی کو جو اردشیر کے عقد میں آئی تھی سزائے موت کا حکم دیتا ہے' اور وہ کس طرح موبد اعلیٰ کی (جس کو طبری نے ابرسام لکھا ہے) اعانت سے بچ جاتی ہے-

پھر کس طرح اس لڑکی کے بطن سے شاہ پور (شاہ پُہر یعنی شاہ زادہ) پیدا ہوتا ہے اور کس طرح ارد شیر اس کو پہچان لیتا ہے (کارنامک ۵۷ تا ۶۳؛ شاہ نامہ ۱۳۹۲) —

۷ – ارد شیر کو جب ہندوستان کے ایک راجہ کیت یا کید سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران کا تخت یا تو اس کے خاندان میں رہے گا یا اس کے دشمن مہرک کے خاندان میں، تو وہ آخرالذکر کی بیخ کنی کے درپے ہوتا ہے۔ مہرک کی ایک لڑکی جنگ کے مشغلوں سے بچ کر دھقان کے گھر میں پرورش پاتی ہے۔ جب وہ جوان ہوتی ہے تو شاہ پور اس کے دام محبت میں پھنستا ہے، شادی کے بعد "ھرمزد" پیدا ہوتا ہے، مگر شادی اور لڑکے کی پیدائش دونوں کو اپنے باپ ارد شیر سے چھپاتا ہے۔ آخرش "ھرمزد" سات برس کی عمر میں چوگان بازی کے لئے میدان میں اترتا ہے اور اس کی دلیری کے سبب سے اس کا دادا ارد شیر اس کو شناخت کر لیتا ہے (کارنامک ۶۴ تا ۶۸؛ شاھنامہ ۱۳۹۷) —

جس شخص نے کارنامک اور شاھنامے کے ان اجزا کو پہلو بہ پہلو رکھ کر پڑھا ہوگا وہ اس بات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رھا ہوگا کہ شاھنامے میں کارنامک کا نہ صرف بڑے بڑے واقعات میں کامل طور پر اتباع کیا گیا ہے بلکہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اس کے نقش قدم پر چلا گیا ہے - اسی طرح اگر ہم پہلوی داستان زریر (یات کار زریران - مترجمہ گائگر بزبان جرمن) اور شاھنامے کے بیانات کو مقابلے کرکے دیکھیں تو ھماری اس رائے کو مزید تقویت پہنچتی ہے کہ فردوسی نے نہایت پابندی کے ساتھ اصلی قدیم افسانوں کی اتباع کی ہے -

محض ایک اتفاقیہ بات ہے کہ ہم اصل کے ذریعے سے ان بیانات کی تنقیح کرسکتے ہیں، لیکن جن مقامات کی اصل موجود نہیں ہے اور تنقیح ہمارے اختیار سے باہر ہے ان کی نسبت ہم آسانی کے ساتھ فرض کرسکتے ہیں کہ فردوسی نے ان میں بھی اپنے قلب صداقت شعار کی تعمیل کی ہوگی اور قدیم روایتوں کو اپنے قلم کی تحریف و تصرف کی ہوا نہ لگنے دی ہوگی۔ ہمیں طوالت کا خیال ہے اس لئے ہم افسانۂ اردشیر کے صرف ایک یا دو واقعات کے مقابلے پر بس کرتے ہیں اور پہلے اردشیر کی پیدایش کا حال لکھتے ہیں —

کارنامک

" اسکندر رومی کی وفات کے بعد ایران میں ۲۴۰ کتخدا (ملوک طوائف) تھے ان میں سب سے بڑا شہزادہ " اردوان " تھا، جو سپاہان، پارس اور نواح کے اضلاع کا مالک تھا، شہریار پاپک مرزبان فارس تھا اور اردبان نے اسے مرزبان مقرر کیا تھا، اردوان، استخر میں رہتا تھا، اُس کے کوئی بیٹا نہ تھا جو اس کا نام زندہ رکھتا، ساسان پاپک کا شبان تھا اور ہمیشہ اپنے مویشیوں میں اپنی زندگی بسر کرتا تھا مگر وہ

دارا ابن دارا کی نسل سے تھا ، سکندر*
کے ناپاک عہد میں وطن چھوڑ کر کرد
قوم کے شبانوں میں جا بسا تھا پاپک کو
معلوم نہ تھا کہ ساسان کا تخم دارا † ،
دارا سے تھا - ایک رات پاپک نے خواب
میں دیکھا کہ ساسان کے سر سے سورج
چمک رہا ہے ، اور اس سے تمام عالم
روشن ہوگیا ہے ، دوسری شب کو پاپک
نے پھر خواب دیکھا کہ ، ساسان ایک
سفید آراستہ ہاتھی پر سوار ہے اور
کشور کی تمام خلقت اس کے گرد و پیش
جمع ہے ، اُس کو آداب و کورنش کرتی
ہے ، اور ستایش و آفرین کہتی ہے -
تیسری شب اس نے دیکھا کہ تینوں
قسم کی (مقدس) آگ یعنی فروباگ ‡
گشسپ اور مثھر $ ساسان کے مکان میں
شعلوں سے بلند ہورہی ہے اور اس نے
سارے عالم کو منور کردیا ہے یہ دیکھ کر

---

* پہلوی دشخدائی اسکندریہ —
† سدجانا ، داراب دارایان —
‡ فولتہ یکی فروبا —
$ پہلوی سنوں میں بوزین مثرا - -

پاپک کو بڑی حیرت ہوئی اور اُس نے داناؤں اور معبروں کو طلب کر کے تینوں رات جو کچھ دیکھا تھا ان کو کہہ سنایا اور اس کی تعبیر پوچھی - معبروں نے کہا " یا تو خود وہ شخص جس کی نسبت تونے خواب دیکھے ہیں یا اُس کی اولاد میں سے ایک جہاں کی پادشاہی پائے گا، کیونکہ خورشید اور پیل سپید آراستہ چیرگی اور توان وفیروزی* کی دلیل ہیں، اور آذرفروباگ† علمائے موبدان کی دین دانائی کا پتہ دیتی ہے، اسی طرح آذر گشسپ پہلوانوں اور سپہبدوں پر اور آذر برزین مترا جہان کے کاشتکاروں اور برز گیروں پر دلالت کرتی ہے، پس تاج شاہی یا تو اس شخص کے سر پر رکھا جائے گا یا اس کی اولاد میں کسی ایک کے سر پر "- جب پاپکان یہ تعبیر سن چکا تو اس نے معبروں کو رخصت کیا اور ساسان کو طلب کر کے دریافت

* متن سنجانا میں واؤ نہیں ہے —
† نولڈیکی فرو با —

کیا " تو کس خاندان اور کس نسل سے
ہے ' کیا تیرے باپ داداؤں میں کوئی
حاکم یا بادشاہ ہوا ہے ؟ " - اس پر
ساسان نے زنہار خواہی کی اور کہا کہ
" مجھے گزند و زیاں سے امان ملے " -
پاپک نے اسے منظور کیا ؛ اس پر ساسان
نے سارا بھید کھول دیا ' اور بتاتا ہے
کہ وہ کون ہے - پاپک خوش ہوا اور کہا
" میں * تیرا مرتبہ بڑھاونگا " - پھر
بادشاہ نے خلعت فاخرہ طلب کی اور
ساسان سے کہا اس کو پہن لے ' ساسان
نے اس کی تعمیل کی ' اس کے بعد وہ
چند روز تک پاپک کے حکم سے عمدہ
اور مناسب غذائیں کھاتا رہا ' تاکہ
اس کے بدن میں قوت پیدا ہو پھر
پاپک نے اپنی لڑکی کے ساتھ اس کی
شادی کردی اور جب وقت آیا تو لڑکی
حاملہ ہوئی اور اس سے ارتخشیر
پیدا ہوا " —

---

* سنجانا نے متن کو جس طرح پڑھا ہے وہ فارسی میں یوں ہے " تن بہ افزوں کن " یعنے بقول سنجانا اپنے تن کو (غسل سے) بلند کر - شاہ نامہ میں ہے " بہ گرما بہ شو " —

شاهنامه

(مرتبہ میکن، جلد سوم، صفحہ ۱۳۶۵ تا ۱۳۶۷)

چو دارا به رزم اندروں کشته شد — جب دارا لڑائی میں مارا گیا تو
همه دوده را روز برگشته شد — تمام خاندان کا قصیبہ پلٹ گیا
پسر بد ورا در یکے شاد کام — دارا کا ایک خوش نصیب بیٹا تھا
خرد مند و جنگی و ساسان نیام — خرد مند تھا اور پہلوان، نام اُس کاساسان تھا۔

پدر رابه آں گوشه چوں کشته دید — جب اس نے باپ کو اس طرح
سر بخت ایرانیاں گشته دید — مرتے اور ایرانیوں کی قسمت کا ستارہ اس طرح توبتے دیکھا

ازاں لشکر روم بگر یخت روی — تو یونانیوں کے ہاتھ سے
بدام بلا در نیاویخت روے — بچ نکلا اوران کے دام بلا میں نہ
بهندوستان در بزاري بمرد — گرفتار ہوا پھر هندوستان
زساسان یکی کود کی ماند خورد — پہنچ کہیں مر گیا اور ایک
بریں هم نشان تا چهارم پسر — خورد سال لڑکا چھوڑتا گیا
همیں نام ساسانش کردے پدر — اُس کا نام بھی ساسان ہی تھا اور یہ نام چار نسلوں تک باپ سے بیٹے کو پہنچتا رہا

شبانان بدندی دگر ساروان — یہ لوگ شبانی اور
همه ساله با رنج و کارگران — ساربانی کرتے اور زندگی رنج و مشقت سے کاٹتے تھے

چوں کہتر پسر سوی پاپک رسید	اس نسل کا آخر لڑکا جب پاپک
بدشت آمد و سرشباں را بدید	کی طرف چلا تو جنگل میں گڈریوں کے سردار کو آملا
بدو گفت مزدورت آید بکار	اور اس سے کہا کیا تجھہ کو
کہ ایدر گزارد بہ بد روزگار	کسی نوکري کی ضرورت هے میں موجود هوں اور یہاں تکلیف کے ساتھہ بھی بسر کرنے کو تیار هوں
بپذرفت بد بخت را سرشباں	سرشباں نے اُس کو نوکر رکھہ لیا
همی داشت با رنج روز و شباں	شبانہ روز اس سے سخت محنت لینے لگا
چو شد کار گر مرد آمد پسند	آدمی کام کرنے والا هو تو پسند
شباں سرشباں گشت بر گوسپند	آتا هی هے وہ شباں بکریوں کا سرشباں بن گیا
شبی خفتہ بد بابک رود یاب	ایک شب کا ذکر هے کہ بابک
چناں دید روشن روانش بخواب	سو رہا تھا اور اس کی روشن روح نے خواب میں دیکھا
کہ ساساں بہ پیل ژیاں برنشست	کہ ساسان ایک فیل مست پر
گرفتہ یکی تیغ هندی بہ دست	سوار اور اس کے هاتھہ میں ایک هندی تلوار هے
هر آنکس کہ آمد بر او دو فراز	جو شخص اس کے پاس آتا هے
بر او آفریں کرد و بردش نماز	اس کی تعظیم بجا لاتا هے اور اس کی صفت و ثنا کرتا هے

زباں را بخوبی بیا راستی | ساسان نے اپنی دانائی اور
دل تیرہ از غم بہ پیراستی | عدل و انصاف سے دنیا کو آراستہ اور غمگین دلوں کو غم سے خالی کردیا ھے

بدیگر شب اندرچوں بابک بخفت | دوسرے دن شب کو جب بابک
ھمی بود مغزش بہ اندیشہ جفت | پھر سونے لگا تو اس کے دل و دماغ پر ایک قسم کی فکر طاری ہوئی

چناں دید درخواب کاتش پرست | اس نے خواب میں دیکھا کہ
سہ آتش فروزاں ببردے بدست | ایک دستور تین قسم کی آگ کو ھاتھہ میں لئے جاتا ھے

چو آذر گشسپ و چو خراد و مہر* | یہ آگ آذر گشسپ تھی، خراد تھی
فروزاں چو بہرام و ناھید و مہر | اور مہر تھی اور بہرام و ناھید و آفتاب کی مانند روشن تھیں

ھمہ پیش ساساں فروزاں بدی | سب ساسان کے سامنے شعلے
بہر آتشی عود سوزاں بدی | اُگل رھی تھیں اور ھر آگ میں عود لکڑی جل رھی تھی

سر بابک از خواب بیدار شد | جب بابک نیند سے ھوشیار ھوا
رواں و دلش پر ز تیمار شد | تو اس کا دل صدمے سے بیٹھا جاتا تھا

---

* ان تینوں آذرھاے مقدسہ ۳ نسبت نولڈیکی کے ترجمۂ کارنامک میں صفحہ ۳۷ اور نوٹ (۳) دیکھو - فروبا، فرونگ کی بجاے فردوسی نے لفظ خراد استعمال کیا ہے -

کسانی که در خواب دانا بدند	وہ لوگ جو تعبیر خواب میں
بدان دانش اندر توانا بدند	مشق رکھتے تھے اور ان امور
	میں صاحب فہم و ذکا تھے
بایوان بابک شدند انجمن	بابک کے محل میں دانشمند
بزرگان فرزانۂ و رای زن	بزرگ اور اہل راے جمع ہوے
چو بابک سخن برکشاد از نهفت	ان لوگوں سے بابک نے دل کی
همه خواب یکسر بدیشان بگفت	بات کہی یعنے خواب کا ماجرا
	کہہ سنایا
پراندیشه شد زان سخن رهنمای	خواب سنتے سنتے یہ لوگ غور
نهاده به و گوش پاسخ سرای	میں ڈوب گئے اور ساتھہ کے
	ساتھہ جواب بھی سونچتے
	جاتے تھے
سرانجام گفت ای سرافراز شاه	آخرکار انھوں نے کہا اے بادشاہ
بتاویل این کرد باید نگاه	عالیجاہ اب خواب کے معنوں
	پر متوجہ ہو
کسے را که تو دیدی زینسان بخواب	جس شخص کو تو نے خواب میں
بشاهی برآرد سر از آفتاب	دیکھا ہے وہ شاہی تخت پر
	جلوہ آرا ہوگا
گر ایدون که این خواب ازو بگذرد	اگر اس کو تاج و تخت نہ ملا
پسر باشدش کز جهان بر خورد	تو اس کے بیٹے کو ملے گا
چو بابک شنید این سخن گشت شاد	جب بابک نے یہ سنا تو بہت
براندازه شان یک بیک هدیه داد	خوش ہوا اور ہر ایک کو انعام
	دے کر رخصت کیا

بفرمود تا سر شبان از رمہ
بر بابک آمد بروز دمہ

پھر بابک نے حکم دیا کہ سر شبان کو گلے سے لگاؤ گدریہ موسم کی تکلیف اٹھاتا ہوا حاضر ہوا

بیامد دمان پیش او با گلیم
پر از برف پشمین* و دل پر ز بیم

وہ دوڑتا ہوا شاہ کے حضور میں اس طرح آیا کہ اس کی اونی گدڑی برف سے اور دل خوف سے بھرا ہوا تھا

بپرداخت بابک ز بیگانہ جاے
بہ در شد پرستندہ و رہنماے

بادشاہ نے اجنبی لوگوں سے دربار کو خالی کیا اسی طرح جاں نثار اور مشیروں میں سے کوئی نہ رہا

ز ساسان بپرسید و بنواختش
بر خویش نزدیک بنشاختش

ساسان کا حال پوچھا اور اسے نوازا اور اس کو اپنے پاس بٹھایا

بپرسیدش از گوہر و از نژاد
شبان زو بترسید و پاسخ نداد

اس سے پوچھا کہ تیری اصل و نسل کیا ہے گدریہ سہم گیا اور اس نے کچھہ جواب نہ دیا

ازاں پس بدو گفت کہ اے شہریار
شبان را بجاں گر دہی زینہار

اس کے بعد اس نے کہا کہ اے بادشاہ اگر تو میری جان بخشی کرے

---

* نولڈیکی (ترجمہ کارنامک، صفحہ ۳۶) نے اس کو خوش بیانی کی ایک خاص مثال قرار دیا ہے - اور لکھا ہے کہ فردوسی نے پہلوی اصل کے مختصر اور خشک بیان میں ان الفاظ سے رنگینی اور جان پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ---

بگویم ز گوهر همه هرچه هست	تو میں تجھہ کو سارا حال
چو دستم به پیماں بگیری * بدست	سناؤں گا مگر شرط یہی ہے کہ تو مرا ہاتھہ اپنے ہاتھہ میں لے اور پختہ وعدہ کرے
که بامن نه سازی بدی در جہاں	کہ تو میرے ساتھہ کبھی کوئی
نه در آشکار و نه اندر نہاں	برائی نہ کرے گا نہ علانیہ اور نہ در پردہ
چوں بشنید بابک زباں بر کشاد	بابک نے یہ سنا تو خدا کی حمد
ز یزداں نیکی دہش کرد یاد	و ثنا کے بعد کہا
که بر تو نسازم بچیزے گزند	کہ میں تجھہ کو ذرہ برابر
بداوست شاداں دل و ارجمند	گزند نہ پہونچاؤں گا اور تجھہ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھوں گا
وبابک چنیں گفت ازاں پس جواں	اس کے بعد اس نوجوان نے بابک
که من پور ساسانم اے پہلواں	سے کہا کہ میں ساسان کی اولاد سے ہوں
نبیرہ جہاندار شاہ اردشیر	جہاں کے بادشاہ اردشیر کا
که بہمنش خوانندی ہمی یادگیر	پوتا ہوں وہی اردشیر جس کا دوسرا نام بہمن تھا

* ساسانیوں کے شجرہ نسب کا " محافظ زرتشت اور اول " حامی و معین مذہب زرتشت " شاہ گشتاسپ (وشتاسپ) تک پہنچانا مقاصد تصنیف کا ایک رکن ہے - اس خاندان کے افراد کو قدیم ایرانی بادشاہوں کے جایز اور بلا واسطہ جانشین " بہ دین " کا " ارثاً " ناصر و معین قرار دینا اس کا مطمح نظر ہے —

سر افراز پور یل اسفندیار   اور پہلوان اسفندیار کی نسل
ز گشتاسپ* اندر جہاں یادگار   سے تھا جو خود گشتاسپ کی
یادگار تھا

چو بشنید بابک فرو ریخت آب   بابک نے یہ سنا تو اس کی
ازاں چشم روشن کہ او دیدہ خواب   آنکھہ سے آنسو ٹپک پڑے جس
نے خواب دیکھا تھا

بیاورد پس جامۂ پہلوی   اس کے بعد بابک ایک شاہی
یکے اسپ با آلتِ خسروی   لباس نکال لایا اور ایک گھوڑا
بھی جس پر شاہی زین تھا آیا

بدو گفت بابک بہ گرما بد شو   گڈریے کو حکم دیا کہ وہ حمام
ہمی باش تا خلعت آرند تو   میں جائے اور لباس آنے تک
وہیں رہے

یکے کاخ پرمایہ او را بساخت   پھر اس کے لئے ایک بڑا محل
ازاں سر شبانی سرش برفراخت   تیار کرایا اور سر شبانی سے
اس کو بلند مرتبہ پر پہونچایا

چو اورا بداں کاخ در جائے کرد   جب شاہ نے ساساں کو محل میں
غلام و پرستندہ بر پائے کرد   پہونچایا دیا تو وہاں غلام اور
نوکروں کو مقرر کیا

بہر آلتی سرفرازیش داد   اس کو ہر قسم کا سامان مہیا
ہمہ ازخواستہ بی نیازیش داد   کیا اور مال و زر سے بے نیاز کردیا

---

† پیماں بدست گیری "کی نسبت دیکھو دیندیداد' فرد گرد چہارم' پنجم - ۲ (ڈارم شتٹر کا انگریزی ترجمہ مطبوعہ ایس - بی - ای کی جلد اول صفحہ ۱۲۵ پر)

بدو داد پس دختر خویش را | سب سے آخر میں اسے اپنی لڑکی
پسندیدہ وافر خویش را | دی جو اس کے لئے سرمایہ ناز تھی

چون نو ماہ بگذشت ازین خوب چہر | جب اس مہتاب رخ کو نو مہینے
یکی کودک آمد چو تابندہ مہر | گزر گئے تو آفتاب کے مثل ایک لڑکا پیدا ہوا

بمانندۂ نامدار اردشیر | جو اردشیر نامدار کا ہم شکل تھا
فرآئندہ و فرخ و دل پذیر | فرخ و دل پذیر اور ترقی کرنے والا

ہماں اردشیرش پدر کرد نام | باپ نے اس کا نام اردشیر رکھا
کہ باشد بدیدار او شاد کام | تا کہ اس کو دیکھ کر خوش ہوا کرے

دوسرا قصہ جو ہم نقل کرنا چاہتے ہیں وہ اردشیر کی فراری کی بابت ہوگا جب کہ وہ اردوان کے دربار بمقام رے سے پارس چلا گیا، اس کے ساتھ وہ خوب صورت اور عقیل لڑکی بھی تھی جو فردوسی کے اشعار میں گلنار کے نام سے مذکور ہوئی ہے اور جو اب تک اردوان کے مشیر و صلاح کار کی حیثیت رکھتی تھی لیکن اب اردشیر کی محبت سے مغلوب ہوکر اس کی شریک قسمت بن گئی تھی —

کارنامک *

" اردوان فوراً چار ہزار آدمیوں کو مسلح کر کے ارتخشیر کے تعاقب میں پارس کی سڑک پر چلا ' دوپہر کو وہ ایک مقام پر آیا جہاں سے پارس کو سیدھی سڑک جاتی تھی اور وہاں کے لوگوں سے دریافت کیا " وہ دو سوار جو اس جانب کا رخ کئے ہوئے تھے یہاں سے کس وقت گزرے ؟ " - لوگوں نے جواب دیا " صبح سویرے جب کہ آفتاب طلوع ہوا ' وہ ارتائی + ہوا کی مانند اڑے ہوئے جارہے تھے اور اُن کے پیچھے ایک بہت بڑا منیڈھا بھی دوڑ رہا تھا ' جو اس قدر خوبصورت تھا کہ اس سے بہتر ملنا ناممکن ہے - اب تک تو وہ کئی فرسنگ نکل چکے ہیں اور تمھارے ہاتھ نہیں آسکتے " - پس اردوان وہاں نہیں ٹھیرا اور آگے چل کھڑا ہوا ' جب وہ ایک اور مقام پر پہنچا تو وہاں بھی لوگوں سے پوچھا " وہ دونوں سوار یہاں سے کب گزرے ؟ " - انھوں نے جواب دیا ' آج دوپہر کو '

---

* سنجانا صفحہ ۱۶ ویر نولڈیکی صفحہ ۴۴ وبعد مطابق میں ترجمہ نولڈیکی وسنجانا —

+ نولڈیکی (ترجمہ کارنامک صفحہ ۴۴ نوٹ) کہتا ہے کہ کارنامک کے دونسخوں میں اس ' ہوا ' کو ارتائی اور متن میں ارتاک لکھا ہے ' لیکن اس کے معنی معلوم نہیں ہوسکے ' بقول سنجانا ترجمہ کارنامک صفحہ ۱۶ نوٹ ۴ اردابی پڑھنا چاہئے (یعنی لڑنے والی کش مکش کرنے والی) جو فارسی کلمۂ ' اردب ' بمعنی جنگ و جدال کے مطابق ہے —

ان کی رفتار ارتائی ہوا کی مانند تیز تھی اور ان کے پیچھے پیچھے ایک مینڈھا بھی اُڑا جا رہا تھا ' اردوان کو بڑا تعجب ہوا اور وہ بولا "ذرا سوچو * سواروں کو تو ہم جانتے ہیں لیکن ان کے ساتھ یہ مینڈھا کیسا ہے ؟" - پھر اُس نے دستور سے دریافت کیا ' اس نے جواب دیا " مینڈھا † شاہی جلال (خرّہ خدائیہ) ہے وہ ابھی سواروں تک نہیں پہنچا ہے اب ہمیں جلدی کرنا چاہئے ' ممکن ہے ‡ کہ مینڈھے سے قبل ہم ان کو پکڑلیں - اردوان اور اس کے ساتھیوں نے نہایت تیز رفتاری سے آگے کا رخ کیا ' دوسرے دن انھوں نے ۷۰ فرسنگ طے کر لئے ' پھر انھیں ایک قافلہ ملا ' اردوان نے اہل قافلہ سے سوال کیا " وہ دو سوار تمھیں کس جگہ ملے تھے ؟" - وہ بولے "تمھارے اور اُن کے درمیان ہنوز ۲۰ فرسنگ کا فاصلہ اور ہے ' ہم نے دیکھا ہے کہ اُن دو سواروں میں سے ایک کے ساتھ ایک کلاں و چابک مینڈھا بھی گھوڑے پر سوار تھا " - اردوان نے

---

* متن فارسی میں یوں ہے :- انگار کہ اسوار دوگانہ را دانیم —

† سلجھانا - (ترجمہ انگریزی صفحہ ۹ ا نوٹ ۷) پہلی لفظ کولوک فارسی لوہ = (یعنی عقاب) پڑھتا ہے اور نولڈیکی ' برک ' فارسی برہ - فردوسی اس کو غرم کہتا ہے جس کی نسبت لغات الفرس اسدی (مرتبہ ہارن ' صفحہ ۹۳) پر ہے " میش کوہی بود " معیار جمالی میں بھی اسی طرح - مگر فردوسی اس کی نسبت برابر کہتا ہے کہ وہ سیمرغ بال اور طاوس دم تھا اور سرو گوش و سم اس کے رخش کی طرح ہیں —

‡ سلجھانا ' تاکہ ' بجائے ' ممکن ہے ' —

دستور سے پوچھا " اس مینڈھے سے جو اردشیر کے پہلو میں گھوڑے پر ہے کیا مراد ہے؟ " - اس نے جواب دیا " اے [1] بادشاہ تو ہمیشہ زندہ رہے۔ شاہی جلال (یعنی خرّک کیان = فردوسی۔ فرکیانی: اوستا میں کویم ھوریفو) ارتخشیر کے پاس جا پہنچا ' اب ہم اس کو کسی [ایسے] طریق سے اسیر نہیں کر سکتے ' لہذا اب تم نہ اپنے آپ کو تھکاؤ اور نہ اپنے سواروں کو تھکاؤ ' گھوڑوں کو بھی زیادہ نہ تھکانا چاہئیے ایسا نہ ہو کہ وہ تھک کر مر جائیں؛ ارتخشیر کو کسی اور ترکیب سے قابو میں کرنے کی فکر کرو " - جب اردوان نے یہ سنا تو وہ پلٹا اور اپنے جائے گاہ میں واپس آیا —

شاہ نامہ

(صفحہ ۷۲۵)

هم انگاہ شد شاہ را دل پذیر — اب تو بادشاہ کو یقین آگیا کہ
کہ گنجور او رفت با اردشیر — اس کی خزانہ دار (کنیز) بھی اردشیر کے ساتھ چلدی

دل مرد جنگی برآمد ز جای ' — وہ طیش میں بھر آیا اور فوراً
بیالای بور اندر آورد پای " — گھوڑے پر سوار ہوا

سواران جنگی فراوان ببرد — اپنی کثیر جنگ آزما سپاہ کو
تو گفتی ہمی پارہ آتش سپرد — ساتھ لایا اور آگ کی طرح روانہ ہو گیا

---

[1] پہلوی ' انوشک بڑی —

برہ بریکی نامور دیہ جائی راستے میں اس کو ایک
بسی اندر او مردم و چار پائی بستی ملی جہاں بے شمار
آدمی اور مویشی تھے

بپرسید ازایشان کہ شبگیر ہور اس نے اہل قریہ سے پوچھا کہ
شنید ایچ کس بانگ نعل ستور صبح کے وقت کسی نے ٹاپوں
کی آواز سنی تھی

دوتن بر گزشتند پویان براہ یاکسی نے دو سواروں کو جاتے
یکی بارہ فنگ ودیگر سیاہ ہوے دیکھا ایک سفید اور
دوسرا سیاہ گھوڑے پر سوار
تھا ایک شخص بولا کہ ہاں

یکی گفت کہ ایدر برہ بر گزشت اس راستے سے دو سوار آئے
دوتن بود و اسپ اندر آمد بدشت اور میدان کی جانب چلے گئے
سواروں کے پیچھے پیچھے

بدم سواران یکی غرم پاک ایک نورانی مینڈھا بھی تھا
چو اسپی ہمی بر پر اگندہ خاک جو گھوڑوں کی طرح خاک
اڑاتا ہوا جا رہا تھا

بدستور گفت آن زمان اردوان اردوان نے دستور سے پوچھا
کہ این غرم یاری چرا شد روان کہ یہ مینڈھا ان کے پیچھے
کیوں بھاگ رہا ہے

چنین داد پاسخ کہ این فر اوست انھوں نے جواب میں کہا کہ
بشاہی زنیک اختری بر اوست وہ فر کیانی ہے اپنے اقبال سے
اردشیر کو بادشاہ بنا دے گی۔

گرین غرم دریابد اورا بتاز اگر اس مینڈھے نے اردشیر کو
همه کار گردد بما بر دراز پکڑ لیا تو ہمارے کر و فر سب خاک میں مل جائینگے
فرود آمد آن جایگاه اردوان اردوان اس مقام پر اُتر پڑا
بخورد و بر آسود و آمد دوان کچھه کھایا کچھه آرام لیا اور پھر روانه ہو گیا
همی تاختند از پس اردشیر یه لوگ اردشیر کے تعاقب میں
به پیش اندرون اردوان با وزیر برابر گھوڑے دوڑاتے رہے اردوان وزیر کے ساتھه آگے آگے تھا

[پندرہ اشعار (۱۰ تا ۲۴) محذوف کردئیے گئیے]

بدانگه که بگذشت نیمی ز روز جب آدھا دن ڈھل گیا اور آفتاب
فلک را به پیمود گیتی فروز نصف النہار پر پہنچا
یکی شارسان دید با رنگ و بوی تو شاہ کو ایک اور گلزار آبادی
بسی مردم آمد بنزدیک اوی نظر پڑی وہاں کے لوگ اس کے نزدیک جمع ہوگئے
چنین گفت با موبدان نامدار بادشاہ نے وہاں کے موبدوں سے
که کی بر گذشتند آن دو سوار سوال کیا که دو سوار اس طرف سے کس طرح گزرے تھے
چنین داد پاسخ بدو رهنما انھوں نے......... کہا .... که
که ای شاه نیک اختر و پاک را اے خوش نصیب وفہمیدہ سلطان
بدانگه که خورشید برگشت زرد جب آفتاب غروب ہونے لگا اور
بگسترد شب چادر لاجورد شب نے اپنی تاریک چادر پھیلائی

برین شهر بگذشت پویان دوتن	تو دو سوار یہاں سے سرپٹ گزرے
پراز گرد و بی آب گشته دهن	ان کا بدن خاک آلود اور ان کا دهن خشک تها
یکی غرم بود از پس یک سوار	ان میں سے ایک سوار کے پیچھے
که چون او ندیدم بایوان نگار	ایک مینڈھا سوار تھا کہ محلوں کے نقش و نگار بھی ویسے خوب صورت نہیں ہوتے
چنین گفت باار دوان کدخدائی	اردوان کے صلاح کار نے اس سے
کزایدر مگر باز گردی بجای	کہا اب یہاں سے واپس لوٹ جانا چاهئے
سپه سازی و ساز جنگ آوری	اور لڑائی کا سامان کرنا چاهئے
که اکنون دگر گونه شد داوری	کیونکہ اب حالات کا رخ بدل گیا ھے
دهبختش پس پشت او درنشست	اردشیر کا نصیب بلند اس کے
ازین تاختن باد باشد بدست	ساتھ اس کی پشت پر ھے پس ہماری کد و کاوش بے سود ہوگی
یکی نامه بنویس نزد پسر	اپنے پسر کو ایک خط لکھا اور
بنامه بگو این سخن در بدر	اس میں اس واقعہ کا تمام وکمال حال قلمبند کر
نشانی مگر یابد از اردشیر	ممکن ھے کہ تیرا بیٹا اردشیر
نیابد * که او دو شد غرم شیر	کا پتہ چلائے لیکن وہ مینڈھے کا دوبارہ پیچھے پائے اور هاتھ آجائے

*نیابد که گردون همان غرم شیر (کارنامک موقبه سنجانا -
اقتباسات شاهنامه صفحه ۹) —

چو بشنید زوارد وان این سخن — اردوان نے جو یہ مشورہ سنا تو
بدانست کان کار او شد کہن — اس کو یقین ہوگیا کہ مرے ایام
گردش میں آگئے

همان شارسان اندر آمد فرود — پھر اردوان اُسی آبادی میں
همی داد نیکی دهش را درود — اُتر پڑا اور خدا کے سامنے
گڑ گڑایا

چو شب روز شد با مداد پگاه — جب شب تمام ہوئی اور دن نکلا
بفرمود تا باز گردد سپاه — تو اس نے سپاہ سے کہا کہ وہ
واپس ہو جاے

بیامد او رخسارہ هورنگ نی — وہ خود بھی اپنے افسردہ چہرہ
چو شب تیرہ گشت آندر آمد بہ ري — کے ساتھ شب تک شہر رے میں
پہنچ گیا

داستان هفتان بوخت هفتواد اور سر گزشت کرم کرمان اس قدر دلچسپ ہے کہ قلم انداز نہیں کیا جاسکتا ' تاہم طوالت کے خیال سے ہم اس کے وہ اجزا نقل کرتے ہیں جن میں اس خطرناک جانور کي ہلاکت کا ذکر ہے ' اس کرم کا شہر کرمان سے تعلق لغظی اشتقاق عامیانہ پر نہیں ہے ' مگر اس سے یہ نکتہ حل ہوجاتا ہے کہ بعض لوگ جو کرمان کو با فتح کاف (کَرمان) لکھتے ہیں ایسے ہجے کو استعمال کرتے ہیں جو کم سے کم گزشتہ نو صدیوں میں ایرانیوں نے کبھی استعمال نہیں کیا' اس سے پہلے خواہ اس کی صورت کچھ ہو' اس قسم کا حسن لفظی بوستان سعدی میں بھی وارد ہوا ہے (مرتبہ گراف صفحہ ۸۷ سطر ۵۳۵) " هفتان بوخت " (ساتوں نے بچا لیا) پر نولدیکی نے نہایت

پر لطف نوٹ لکھا ھے (ترجمہ کارنامک صفحہ ۴۹ حاشیہ ۴) جس میں اس نے بتایا ھے کہ لفظ " بوخت " (بچالیا) سے بہت نام مرکب ھوے ھیں، خصوصاً عیسا ئیوں کے مثلاً " مارا بوخت " خدا نے* بچالیا - " یشوع بوخت یا بوخت دشوع " عیسیٰ نے بچالیا؛ زرتشتیوں میں " سہ بوخت " تین † نے (یعنی نیک خیالات ، نیک اقوال اور نیک اعمال) بچا لیا ؛ " چہار بوخت " چار نے بچالیا کہتے ھیں ، اس کے بعد نولدیکی لکھتا ھے کہ " ھفت " اردشیر کے مد مقابل کے نام میں سات سیاروں کے لئے آیا ھے جو اھرمن ناپاک کی تخلیق سے ھیں، پس یہ نام ایسے وجود کے لئے بے حد موزوں ھے جو دوزخ کی قوتوں اور شیاطین کے سحر پر مدار رکھتا ھو ، فردوسی نے شاید ضرورت بحر سے اس کو " ھفتواد " (شاھنامے کی فرھنگوں میں اس کے معنی " سات بیٹوں والا " درج ھے ‡) بنا لیا اور یہ صورت ھفتان بوخت کے درمیانی تین حروف یعنی ا ن ب کو خارج کرنے سے حاصل ھوتی ھے کیونکہ آخری تین حرفوں (وخت) کو پہلوی رسم الخط میں اوخت بھی پڑھ سکتے ھیں اور وات بھی § —

---

* مار سیدنا (سریانی) —

† ھوست ، ھوخت ، ھورشت —

‡ (کارنامک صفحہ ۵۱ سنجانا صفحہ ۲۷) میں بھی یہ لکھا ھے کہ اس کے سات بیٹے تھے —

§ مگر دارم شتیتر نولدیکی کے اس گھڑے خیال کو رد کرتا ھے ، دیکھو " ایرانی علوم " جلد دوم صفحہ ۸۲ اور ۸۳ —

پھر اُس نے لوگوں کو کرم کے مقابلے میں بھیجا، بُرجک اور بُرجاتُر کو اپنے رو برو بلایا اور ان سے صلاح و مشورہ کیا، پھر انھوں نے بہت سے چاندی سونے کے سکے اور کپڑے لئے، خود ارتخشیر نے خراسانیوں کا سا لباس پہن لیا اور برجک اور برجاتر کو لیکر قلعہ* گلار کے دامن میں جا پہنچا اور کہا "میں خراسان کا باشندہ ہوں اپنے خداوندان † عالی مرتبہ کی اس مہربانی کا خواستگار ہوں کہ مجھ کو اس بارگاہ کی پرستش کی اجازت دی جائے" بت پرستوں نے ارتخشیر کو مع اس کے دو ساتھیوں کے قلعہ میں داخل کر لیا اور خانۂ کرم میں ان کو جگہ دی، تین دن تک ارتخشیر نے ادائے عبادت اور خدمت کرم میں نہایت سرگرمی دکھائی خدام کو چاندی سونے کے سکے اور کپڑے دئے، ان چیزوں کو دیکھ کر ساکنان قلعہ حیران رہ گئے اور سب نے ارتخشیر کو آفریں کہی، آخر اردشیر نے کہا کہ "میری آرزو ہے کہ مجھے تین دن تک کرم کو اپنے ہاتھ سے خورش دینے کی اجازت دی جائے" خدام اور ملازم سب نے اس کی اجازت دے دی - پھر اردشیر نے سب کو رخصت کردیا اور اپنی

---

* یہ عبارت پروفیسر براؤن نے کسی وجہ سے حذف کردی ہے

† سنسکرتنا میں واحد ہے

فوج کے چار سو هنرمند اور جانسپار والا گوهر جوانوں کو حکم دیا کہ وہ قلعہ کے سامنے "پہاڑ کی ایک جهوت میں چهپ کر بیٹهہ جائیں اور فرمایا کہ " آسمان * کے دن اگر تم قلعہ کرم سے دهواں اٹهتا هوا دیکهو تو مردانگی اور هنرمندی دکهانا اور دامن قلعے میں آ کهڑے هونا " - اس دن ارتخشیر نے پگلا هوا پیتل † خود اٹهایا اور برجک و برجا تر نے خدا کی حمد و ثنا ‡ کہی - پهر جب کرم کی خورش کا وقت آیا تو وہ روز کی طرح چلایا - ارتخشیر نے کرم کے خادم اور دربانوں کو پہلے هی سے کهانے کے وقت شراب پلا کر مست و بے هوش کر دیا تها ' پهر اردشیر خود نوکروں کے ساتهہ کرم کے پاس گیا اور همراہ کرم کا راتب یعنے بیل اور بهیڑوں کا خون جس طرح اس کو روز دیتا تها اس کے پاس لے گیا ' لیکن جونهی کرم نے خون پینے کو اپنا منه کهولا اردشیر نے پگلا هوا تانبا اس کے منه میں الٹ دیا اور جب یہ جسم کے اندر پہنچا تو کرم پهٹ کر دو ٹکرے هو گیا اور اس سے اتنا شور هوا کہ قلعے کے سب آدمی اُس

---

* مهینے کی ستائیسویں —

† پہلوی روتی - پروفیسر براون اس کا ترجمہ کهیں پیتل کر رهے هیں کهیں تانبا - اس لفظ پر دیکهو سنجانا کا ترجمہ ۱۱ صفحہ ' ۳۳ کار نامک) —

‡ پہلوی مطابق " فارسی " نیرشنی و آزمایشنی یزدان نواز کردند —

جانب دوڑے اور سارے قلعے میں آشوب بپا ہو گیا ' اردشیر نے شمشیر و سپر سنبھالی اور قلعے کے بہت لوگوں کو زخمی اور قتل کیا - پھر اس نے حکم دیا کہ " آگ روشن کرو تاکہ اس کا دھواں دلاوران غار کو نظر آ جائے ' نوکروں نے اس کی تعمیل کی اور جس وقت ان بہادروں نے قلعہ سے دھواں اٹھتا ہوا دیکھا تو وہ تیزی کے ساتھ اردشیر کی مدد کو قلعے کے دامن میں آئے اور یہ نعرہ مارتے ہوئے زبردستی اندر گھس گئے کہ " پیروز پیروز باد ارتخشیر ' شاہ شاہان ' پاپکانی —

شاہ نامہ

(۷۳۲)

وزان جایگہ * شہ سوئے جنگ کرم وہاں سے کرم کے ساتھ
سپاھش ھمہ کردہ آھنگ کرم لڑنے کے لئے چلا ادھر کو
چلی فوج بھی
بیاوردہ لشکر دہ و دو ھزار بارہ ھزار فوج اس
جہاندیدہ و کار کردہ سوار جہاندیدہ و کار کردہ
نے جمع کی

* اقتباسات شاھنامہ ملحق بہ کارنامگ مرتبہ سنجانا صفحہ ۳۲ —

پراگندہ لشکر چو شد هم گروہ — بکھری ہوئی فوج جب اکٹھی
بیاورد شاں تا میان دو کوہ — ہو گئی تو وہ اس کو دو پہاڑوں کے درمیان میں لے آیا

یکے مرد بد نام او شہر گیر — فوج میں شہر گیر نام کا
خرد مند و سالار شاہ اردشیر — ایک خردمند سپہ سالار تھا
چنیں گفت بس شاہ با پہلوان — بادشاہ نے اس پہلوان سے کہا
کہ ایدر ہمی باش روشن روان — کہ اے فرزانہ فوج کو یہاں روک کر

شب و روز کردہ طلایہ بپائی — دن رات کا پہرہ قائم کردے
سواران با دانش و رہنمائی — اور اس کام کے لئے ہوشیار سواروں کو چن

ہماں دیدہ بان دار وہم پاسباں — دیدہ بان اور پاسباں الگ ہوں
نگہدار لشکر بروز و شباں — اور لشکر ہر طرح سے محفوظ رہے

من اکنوں بسازم یکے کیمیا — میں ایک حکمت عملی
چو اسفندیار آنکہ بودم نیا * — سوچتا ہوں اور اپنے بزرگ اسفندیار کی طرح ترکیب سے کام نکالتا ہوں

---

* اس شعر میں تسخیر روئین وز کی طرف اشارہ ہے جس میں اسفندیار سوداگر کا بھیس بدل کر داخل ہو گیا تھا - دیکھو شاہنامہ مرتبہ میکن جلد سوم صفحہ ۱۱۴۳ وغیرہ—

اگر دیدہ بان دود بیند بروز شب آتش چو خورشید گیتی فروز	اگر پہرہ والے دن کے وقت دھواں دیکھیں یا شب کو آگ مثل سورج کے روشن کرنے والی
بدانید کامد بسر کار کرم گزشت اختر و روز بازار کرم	تو جان لینا کہ کرم کا کام تمام ہوا، اس کا ستارہ تاریکی میں آگیا اور زور شور جاتا رہا
گزین کرد ازان مہتران ہفت مرد دلیران و شیران روز نبرد	پھر فوج میں سے اس نے سات آدمی چنے جو مثل شیروں کے دلیر تھے —
ہم آنکس کہ بودے ہم آواز اوئی نگفتے بباد ہوا راز اوئی	جتنے بھی اس کے صلاح کار اور مشیر تھے وہ ہوا کو بھی راز کی خبر نہیں ہونے دیتے تھے
بسے گوہر از گنج بگزید نیز ز دیبا و دینار و ہر گونہ چیز	پھر خزانے سے اس نے بہت سے گوہر، ریشمی کپڑے، دینار اور ہر قسم کی چیز لی
بچشم خرد چیز ناچیز کرد دو صندوق پر سرب و ارزیز کرد	ہر شے کو ناچیز سمجھ کر بھر لیا اور دو صندوق سیسے اور قلعی سے بھرے
یکے دیگ روئین ببار اندرون کہ استاد بود او بکار اندرون	اپنے سامان میں اس نے ایک پیتل کی دیگ بھی رکھی کیونکہ وہ ہر کام میں استاد تھا
چو از بردنی کارہا کرد راست ز سالار آخور خر دہ بخواست	لینے کی چیزیں جب وہ لے چکا تو پھر آخور سے دس خر طلب کئے

چو خر بندها جامہاے گلیم	گدھوں پر گدھوں کے بورے تھے
بپوشید و بارش همه زر و سیم	مگر بوروں میں سامان تھا زر و سیم کا
همیشه خلیده دل و راه جوے	اب سوچتے سمجھتے لشکر سے
ز لشکر سوے وژ نهادند روے	قلعے کی طرف چلے
همان روستائی دو مرد جوان	اس نے ان موجودہ جوان مردوں
که بودند روزے ورا میزبان	کو جنھوں نے اس کو ایک موقع پر پناہ دی تھی
ازان انجمن برد با خویشتن	همراهیوں میں سے چھانٹا
که همدوست بودند و همراےزن	کیونکه وہ دوست بھی تھے اور صلاح کار بھی
چو از راه نزدیک آن وژ شدند	جب یه لوگ قلعے کے قریب
ببردند بر کوه و دم بر زدند	پہنچے تو پہاڑی پر چڑہ کر ذرا سستانے لگے
پرستنده کرم بد شصت مرد	کرم کی خدمت پر ٦٠ آدمی
نه پرداختے یک تن از کار کرد	مامور تھے اور هر وقت اس کے پاس حاضر رهتے تھے
نگه کرد یک تن بآواز گفت	ان میں سے ایک آدمی نے اردشیر
که صندوق را چیست اندر نهفت	کی جماعت کو دیکھا اور پوچھا که صندوق میں کیا هے
چنین داد پاسخ بدو شهریار	اردشیر نے یه جواب دیا
که هر گونه چیز دارم ببار	که سرے ساتھه هر شے لدی هوئی هے

ز پیرایه و جامه و سیم و زر	لباس، کپڑے، سونا، چاندی،
ز دیبا و دینار و خز و گهر	ریشم، جواهرات اور جامهٔ زرنگار
بیا زارگانے خراسانیم	میں خراسانی تاجر هوں راحت
برنج اندروں به* تن آسانیم	کو رنج سے بدلنے کے لئے نکلا هوں
بسے خواسته دارم از بخت کرم	کرم کے کرم سے بے شمار مال و
کنون آمدم شاد تا تخت کرم	دولت کا مالک هوں اس وقت میں خوشی کے ساتھه اس کے حضور میں آیا هوں
اگر بر پرستش فدایم رواست	اگر میں اس کی خدمت کروں
که از بخت وے کار ما گشت راست	تو مجهه کو زیبا هے کیونکه اس کی برکت سے میرا ستارهٔ بخت چمکا هے
پرستندهٔ کرم بشنید راز	جب کرم کے محافظوں نے یه
هم انگه در وژ کشادند باز	عجیب بات سنی تو اسی وقت قلعه کے دروازے کهول دیے
چوں آن بارها راند اندر حصار	اور جب سامان قلعے کے اندر
بیاراست کار آن شه نامدار	پهنچ گیا تو ارد شیر نے اپنا کام شروع کیا
سر بار بکشاد زود اردشیر	تهیلیوں کو جلد جلد کهول کر
به بخشید چیزے که بد ناگزیر	جس شخص کو جو چیز مطلوب تهی دی

(١٩) [illegible]

یکی سفره پیش پرستندگان
بگسترد و برخاست چون بندگان

پھر اس نے محافظوں کے سامنے کھانا چنا اور خود مثل نوکروں کے کھڑا ہوگیا

ز صندوق بکشاد بند کلید
برآورد و پر کرد جام نبید

اس کے بعد اس نے قفلوں کو کھولا اور شراب سے جام بھرے

هرانکس که زی کرم بردی خورش
زشیر و برنج انچه بد پرورش

لیکن هر اُس شخص نے جو کرم کی غذا مثلاً شیرو برنج کرم کے پاس لیجاتا تھا

به پیچید گردن ز جام نبید
که نوبت بدش جای مستی بدید

شراب کی طرف سے اپنا منہ موڑ لیا مبادا وہ بدمست ہوکر اپنے فرض سے نہ چوک جاے

چو بنشست برپای جست اردشیر
که با من فراوان برنج است وشیر

اس پر اردشیر اپنی جگہ سے تڑپ کر اُٹھا اور کہا کہ میرے پاس برنج وشیر بہتیرا ھے

بدستوری سر پرستان سه روز
مر اورا بخوردم منم دلفروز

میں درخواست کرتا ہوں کہ تین روز تک مجھہ ھی کو اجازت ھو کہ میں کرم کو کھانا کھلا کر اپنا دل خوش کروں

مگر من شوم درجهان شهرهٔ
مرا باشد از اخترش بهرهٔ

اور اس طرح سے ایک عالم میں نام پیدا کروں اور کرم کی برکت سے مزید سعادت حاصل کروں

شها می گسارید خرم سه روز تم لوگ مزے سے تین دن شراب
چهارم چو خورشید گیتی فروز پیو اور چوتھے روز طلوع آفتاب پر
برآید یکی کلبه سازم فراخ میں ایک کشادہ قیام گاہ اپنے
سر طاق برتر ز دیوار کاخ واسطے بناؤنگا جو محل کی
چوٹی سے زیادہ رفیع ہوگی

فروشندہ ام هم خریدار جوئی میں سوداگر تو ہوں لیکن
فزاید مرا نزد کرم آبروئی مجھے خدمت کا بھی شوق ہے
اس سے کرم کی نظروں میں
میری آبرو بڑھ جائیگی

برآمد همه کام وی زین سخن ایسی چکنی چپڑی باتوں نے
بگفتند کورا پرستش توکن ان لوگوں پر اثر کیا اور وہ
راضی ہوگئے کہ تم ہی کرم کی
خدمت کرو

براور فرینده هر گونه رنگ اب اردشیر اپنے مقصد کے لئے
پرستنده بنشست باسے بچنگ طرح طرح کے کام کرنے لگا اور
کرم کے محافظ عیش و نشاط میں
مصروف ہوگئے

به خوردند چیزی و مستان شدند انھوں نے شراب پی ہی تھی
پرستندگان سے پرستان شدند کہ محافظوں سے سے خوار بن گئے
چو از جام مے مست شان شد روان جب وہ لوگ نشے میں بالکل
بپیامد جهاندار با میز بان چور ہوگئے تو اردشیر اپنے
ساتھیوں کے ساتھ آیا

بیاورد ارزیز و روئین کوید	قلعی لایا اور پیتل کی دیگ
بر افروخت آتش بروز سفید	پھر اس نے دن کے وقت آگ جلائی
چون آن کرم را بود گاہے خورش	کرم کے کھانا کھانے کا وقت آیا
ز ارزیز جوشاں بدش پرورش	تو اس کے لئے کھولتی ہوئی قلعی تیار ہوئی
سوے کندہ آورد ارزیز گرم	اور گرم گرم اس کے گڑھے کے
سر از کندہ برخاست آن کرم نرم	پاس رکھی گئی کرم نے آہستہ سے اپنا سر اُٹھایا
زبانش بدیدند ہم رنگ سنج	اس کی زبان پیتلی جھانجھ
بدانسان کہ از پیش خوردی برنج	کے مانند نظر آئی ایسی حالت میں جب کہ وہ برنج کھایا کرتا تھا
فروریخت ارزیز مرد جوان	اردشیر نے قلعی کو اس کے
بکندہ درون کرم شد ناتوان	جبڑوں میں الٹ دیا اور وہ اپنے گڑھے میں بے جان ہو کر تڑپنے لگا
طراقی بر آمد ز حلقوم اوی	اس کے حلق سے تڑاق سے ایک
کہ لرزان شدہ کندہ و بوم اوی	آواز نکلی کہ قلعہ اور گڑھا دونوں متزلزل ہو گئے
بشد با جوانان چو باد اردشیر	اردشیر اور اس کے ساتھی
کشیدند گوپال و شمشیر و تیر	پھرتی کے ساتھ گوپال و شمشیر و تیر لے کر تیار ہو گئے —

پرستندگان را که بودند مست	محافظ شراب سے بدمست
یکی زنده از دست ایشان نه رست	تھے ہی' کسی کو ان کے ھاتھ سے نجات نہ ملی
بر افگیخت از بام دژ تیره دود	قلعے سے سیاہ دھواں اٹھایا
دلیری به سالار لشکر نمود	تاکہ اطلاع کا مرانی سالار لشکر کو مل جائے
دوان دیدبان شد بر شهرگیر	دیدبان نے جب یہ دیکھا تو
که فیروز گر گشت شاه اردشیر	شہر گیر کے پاس دوڑا اور اس کو اردشیر کی کامیابی سنائی
بیامد سبک پهلوان با سپاه	شہر گیر فورا اردشیر کے پاس
بیاورد لشکر بنزدیک شاه	مع سپاہ کے آیا اور سپاہ کو پیش کیا —

اردشیر کا تاریخی وجود افسانوں سے گھرا ہوا ہے

گزشتہ بیانات سے دو باتیں پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہیں ایک تو یہ کہ فردوسی نے پہلوی افسانوں کو کمال دیانت کے ساتھ استعمال کیا (نولڈیکی نے ثابت کیا ہے کہ ان افسانوں کو فردوسی نے پہلوی متنوں سے نہیں لیا بلکہ ان کے فارسی ترجموں سے)۔ اور دوسری یہ کہ " ارتخشیر ملکان ملکا ایران وان ایران بری پاپکا ملکا (یعنی اردشیر شہنشاہ ایران و غیر ایران بن شاہ پاپک) کی شخصیت کے گرد و پیش افسانوں کا کتنا زبردست جال پھیلا ہوا ہے' حالانکہ وہ فی الحقیقت ایران کا بادشاہ تھا اور ایک تاریخی انسان

تھا ' اس کی تصدیق نہ صرف تاریخی نوشتوں بلکہ ان سکے اور کتبوں * سے بھی ہوتی ہے جن پر اس کے عہد کی تاریخیں ثبت ہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ اردشیر ہی کے زمانے سے حالات ایران کتبات اور افسانوں کی تاریکی سے نکل کر تاریخ کی روشنی میں آنے لگے ہیں (فسانۂ سکندر جیسا کہ اوپر دیکھہ چکے ہیں خارجی افسانہ ہے) ' اس نکتے کو ابن واضح الیعقوبی نے تاریخ یعقوبی (مرتبہ ہوتسما جلد اول صفحات ۱۷۸ - ۱۷۹) جو نویں صدی عیسوی کے آخر میں گزرا ہے ' بالفاظ ذیل ادا کیا ہے : —

ایرانی روایات اور ایرانی تاریخ پر یعقوبی کا خیال

" اہل ایران کا عقیدہ ہے کہ شاہان ایران فوق الفطرت خصایل رکھتے تھے مگر کون شخص ہے جو ایسی لغو باتوں پر کان دھرتا ہے ' یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک انسان کے متعدد منہ اور متعدد آنکھیں نکل آئیں ' یا کسی کا منہ تانبے کا ہو † یا کسی کے شانوں پر دو ناگ ‡ ہوں اور آدمی کا بھیجا

---

* نقش رستم میں دیکھو کیر پورٹر ج اول پلیٹ ۲۳ ' صفحہ ۵۴۸ ؛ اور فلاندین چہارم ۱۸۲ —

† غالباً اسفندیار روئین تن سے مراد ہے —

‡ یہاں ضحاک کی طرف اشارہ ہے —

کھا کر جیتے ہوں، کوئی بادشاہ
صدیوں تک زندہ رہے، کوئی موت
کو انسان سے دور رکھے، وغیرہ
یہ سب مزخرافات اور محض
گھڑے ہوئے افسانے ہیں، ان
کی کوئی بنیاد نہیں اور عقل ان
کو تسلیم نہیں کرتی - خود ایرانیوں
میں وہ لوگ جن کو خدا نے عقل سلیم
دی ہے علم و آگاہی بخشی ہے، جو
صاحب گوہر شاہزادے اور امیر زادے
ہیں اور جو ماہران روایت اور بہرہ
اندوز شایستگی ہیں وہ نہ تو ایسی
باتوں پر یقین لاتے ہیں، نہ ان کا
دعویٰ کرتے ہیں اور نہ اعادہ، ان
کے نزدیک دولت ایران کی تاریخ
اردشیر بابکان کے عہد سے شروع ہوتی
ہے، ...... لہذا ہم نے بھی ان افسانوں
کو بے بنیاد سمجھ کر چھوڑ دیا ہے،
کیونکہ ہمارا طریق واقعہ نگاری اس
کی اجازت نہیں دیتا " —

شاپور اول

شاپور ابن اردشیر کی پیدایش اور شناخت کی بابت جو دل آویز افسانہ کارنامک شاہ نامے اور عربی تاریخوں میں درج ہے اس کو ہم طوالت کے باعث

قلم انداز کرتے ہیں مگر شاپور کا نام مغربی تاریخوں میں جلی قلم سے لکھا ہوا ہے ' اس کا سبب یہ ہے کہ اس نے کامیاب یورشوں سے رومیوں کا ناطقہ بند کر دیا تھا اور بادشاہ ویلورین کو زندہ پکڑ لایا تھا ' نقش رستم اور شاپور * کی نقاشی † اور بت تراشی انہی واقعات کی یادگار ہیں - یونانی ترجمہ جو نقش رجب میں شاپور کے دو لسانی اور مختصر پہلوی کتبے (جس سے ساسانی اور ہخامنشی کتبات پڑھنے کی ابتدا ہوئی) کے ساتھ کندہ ہے وہ غالباً کسی یونانی اسیر جنگ کا کام معلوم ہوتا ہے - حاجی آباد کے بڑے کتبے میں ابھی بعض باتیں حل نہیں ہو سکتیں؛ گو تھامس (۱۸۶۸) ویسٹ (۱۸۶۹) ہاگ (۱۸۷۰) اور دیگر محققین نے بڑا زور لگایا ہے اور اس کی عمدہ نقلیں (سانچے' چربے اور فوٹو) بھی موجود ہیں - تھامس نے پہلوی کے تمام معلومات کتبات کو شایع کر کے ایک بہت بڑی خدمت انجام دی ہے مگر جس قدر کامیابی کہ اس کو حروف شناسی میں ہوئی ' اس قدر معنی سمجھنے میں نہ ہو سکی' اس کا ترجمہ عجیب و غریب معانی پر مشتمل ہے کیونکہ اس نے

شاپور کے کتبے

حاجی آباد کا کتبہ

* دیکھو " پرشیا " مصنفہ لارڈ کرزن جلد دوم صفحہ ۱۲۰ اور ۲۱۱ —

† ابن البلخی فارس نامہ (مطبوعہ برلن صفحہ ۵۰ سطر ۱۱) پر اسی اصطلاح کو Sculpturi کے معنوں میں استعمال کیا ہے —

بعض کتبوں کی تشریح کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ ان میں سلاطین ساسان نے خدائے یہود و نصارا کو تسلیم کیا ہے۔ تھامس کے مفہوم اور دیگر محققین مذکور کے تراجم میں اتنا زبردست فرق ہے کہ لارڈ کرزن اپنی تصنیف "پرشیا" کی جلد دوم صفحہ ۱۱۶ تا ۱۱۷ میں لکھتا ہے :—

"کتبات حاجی آباد کے مختلف ترجموں
سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہنوز پہلوی حروف
کی شناخت محققانہ درجے تک نہیں
پہنچی، مجھے نہ تو مسٹر تھامس کے
مائل بہ نصرانیت خیال کا یقین اور
نہ ڈاکٹر ہاک کے تیراندازی کے مضمون
پر اعتبار، اگرچہ آخر الذکر اکثر اہل
تحقیق کو اپنا ہمنوا کرچکا ہے، میں بے
حجابانہ جہالت کو ان خیال آفرینیوں
سے زیادہ محفوظ سمجھتا ہوں"—

تاہم جس شخص کو تفحص و توازن دلائل کی ذرا بھی تمیز ہے وہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ہاگ اور ویسٹ کے ترجمے عام طور پر صحیح ہیں اور یہ کہ ان دونوں کو تھامس پر اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ وہ کتابی پہلوی سے بہرہ ور تھے اور یہ بالکل نا آشنا۔ ساسانی پہلوی عبارت کے ایک سو پندرہ الفاظ میں سے نصف درجن الفاظ کے معنی ہنوز مشتبہ ہیں اور شومیء بخت سے یہ وہ الفاظ ہیں جن کے سبب سے پورا مطلب اٹکا ہوا ہے، باقی الفاظ اور کتبے کی

ساڑھے چھہ سطریں صاف ہیں - ابہام مطلب کی بڑی وجہہ یہ ہے کہ ہم اُس رسم کی حقیقت سے نا بلد ہیں جو کتبے میں مذکور ہے اور نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ بادشاہ نے اپنے چھ‌ڑتے اور سوُنے غار سے جو تیر میدان میں پھینکا تھا اس کی اصل غرض کیا تھی - تاہم ان چیزوں کی نظائر بالکل مفقود نہیں ' ساسانی عہد میں موقعہ انتخاب کرنے کے لئے اکثر تیر پھینکا جاتا تھا۔ چناچہ طبری (مترجمہ نولدیکی صفحہ ۲۶۳ اور ۲۶۴) اور دنیوری صفحہ ۶۶ میں لکھتا ہے کہ ایرانی جنرل اور فاتح گورنر یہن وہرز کا آخری وقت قریب آیا تو اس نے تیر و کمان طلب کرکے خادموں سے کہا کہ مجھہ کو ذرا اوپر اُٹھاو اور ایک تیر ہوا میں چھوڑکر نزدیک والوں کو حکم دیا کہ وہ تیر گرنے کی جگہ پر نشان بنالیں اور وہاں اس کے لئے ایک مقبرہ تیار کریں؛ اغلب ہے کہ شاپور کا تیر بھی جس کا حاجی‌آباد کے کتبے میں ذکر آتا ہے اسی مقصد کے ساتھہ کمان سے جدا ہوا ہو ' لیکن یہ تحقیق نہ ہوسکا ورنہ کتبے کا پورا مفہوم آئینہ * ہوجاتا --

حاجی‌آباد کے کتبے کا ترجمہ ایف ملر کے قلم سے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بحث کے سلسلے میں فریڈرک ملر کے پر مغز اور نئے ترجمے (مطبوعہ وائنا اوری انٹل

* انتخاب موقعہ کے لئے تیر کا استعمال اسلامی دور تک رائج تھا بلکہ عرب و ایران دونوں قومیں اس ذریعے سے کام لیتی تھیں' دیکھو کتاب فتوح البلدان بلاذری (مرتبہ دخویہ صفحہ ۲۷۹) نیز کتاب ثانی سلاطین باب ۱۳ ' آیات ۱۴ تا ۱۹ سے مقابلہ کرو—

جرنل ماں سنہ ۱۸۹۲ جلد ششم صفحہ ۷۱ تا ۷۵) کا ذکر کیا جاے ' فریڈرک نے ھومر کی الیڈ (۸۵۲ - ۲۳) کے ایک مقام اور چارلس ششم (" میریہ تھریسہ اور جو سف دوم " از ایم برمن' صفحہ ۳۸) کے ایک واقعۂ زندگی کی تمثیل و تشبیہ قائم کرکے بتایا ھے کہ کتبے کے لفظ "مینو" (= روح بخیال ھاگ) کو ایک ایسا اعزازی و متداول شاھی لقب مان لینا چاھئے جیسے کہ آج کل ترکی و ایران کا لقب "عالی" اور چین کا "آسمانی" ھے ' دوسرے لفظ" چیتاک" کو (= چیدگ = پتھر کا تیر' بلوچی زبان میں) ستون کے معنوں میں جو بطور نشانے (= ؟ ھومر) کے کھڑا کردیا گیا ھو سمجھنا چاھئے اور لفظ " ویاک " (= ھومر) کو بمعنی پرندے کے ' اس کے بعد وہ حاجی آباد کے مبہم کتبے کے مفہوم کو یوں ترجمہ کرتا ھے :—

یہ میرا فرمان ھے پرستار مزد شاپور کا
جو دیوتاؤں کی صف میں ھے' ایران
اور غیر ایران کے بادشاھوں کا بادشاہ
ھے اور خدا کی آسمانی نسل سے ھے' اور
بیٹا ھے پرستار مزد ارتخ شیر کا جو
دیوتاؤں کی صف میں تھا' ایران کے
بادشاھوں کا بادشاہ اور خدا کی آسمانی
نسل سے تھا اور پوتا ھے پاپک کا جو
دیوتاوں کی صف میں اور بادشاہ تھا۔
اور جبکہ ھم نے یہ تیر چلایا تو
اسکو صوبہداروں شہزادوں امرا و شرفا

کی موجودگی میں چلایا، ہم نے اس پتھر*
پر قدم رکھکر ان نشانون میں سے ایک
نشانے پر تیر مارا، مگر جہان تیر پڑا
اس کے نزدیک کوئی پرندہ نہ تھا اور
اگر وہاں نشانہ سیدھا نصب ہوتا تو
تیر صاف (یا زمین میں گڑا ہوا)
نظر آتا''

''پھر ہم نے حکم دیا کہ ایک نشانہ
اعلیٰحضرت کے لئے مخصوص کرکے الگ
نصب کیا جائے' آسمانی ہاتھ (= یعنی
بادشاہ کے ہاتھ) نے یہ لکھا :۔

''خبردار نہ کوئی شخص اس پتھر
پر قدم رکھے اور نہ اس نشانے پر تیر
چلائے''۔اس کے بعد میں نے شاہی تیر سے
ان نشانوں پر نشانہ لگایا ۔
یہ (بادشاہ کے) ہاتھ کا نوشتہ ہے''۔

مانی اور پیروان مانی

مانی اور اُس کی تعلیم — جیسا کہ علامہ البیرونی (گیارھویں صدی عیسوی) کے تصنیف آثارالباقیہ مترجمہ

---

* غالباً " اُس جگہ " سے مراد ہے کیونکہ نولدیکی (دیکھو پرسی پولس از شتولت جلد دوم کا دیباچہ) اس لفظ کو جو اب تک دیکی یا دیکی۔ تصور کیا گیا تھا۔ دوکی (= آرامی دوختا) یعنی جگہ پڑھتا ہے۔

ژخاؤ صفحہ ۱۲۱) سے پتہ چلتا ہے سافیز یا مانی مذہب مانویہ کا بانی دور پارتھوی کے اختتام اور بادشاہ اردوان (۲۱۵ - ۲۱۶ ع) کے چوتھے سال میں پیدا ہوا تھا، اس کا مذہب ابتدا سے لیکر بدبخت فرقہ البی جین سیہ کے اخراج یعنے تیرھویں صدی عیسوی تک ایشیا اور یورپ دونوں براعظموں میں بڑے بڑے مظالم کا تختۂ مشق بنا رہا، زرتشتیوں نے اس کے استیصال میں کوئی کسر نہ کی، عیسائیوں نے اس کی جڑ کاٹی، مگر باوجود اس کے وہ صدیوں تک ہزارہا دلوں پر حکومت کرتا رہا اور مشرق و مغرب کے مذہبی خیالات کو اس نے اپنے شکنجۂ اثر میں دبائے رکھا ــــ

مانی نظام ملت خذ ما صفا کے اصول پر قایم تھا، اور اگرچہ مانی نے قدیم مذہب بابل اور بدھ مت کی تعلیمات سے بہت سا مواد حاصل کیا لیکن بقول مورخ گبن اُس کی تمام تر جد و جہد کا منشا یہ تھا کہ "عیسویت اور زرتشتیت دونوں کے عقاید کو باہم بغل گیر کرادے" مگر اس کا صلہ یہ ملا کہ اُس پر ایک جانب سے نصرانی اور دوسری طرف سے ایرانی ٹوٹ پڑے تاہم چونکہ وہ یقیناً ایرانی حکومت کی رعایا تھا اور غالباً وہ کم سے کم اُس ایک جانب سے ایرانی تھا اس لئے اس کے نظام میں مسیحیت پر زرتشتیت کا رنگ غالب ہے؛ اس نے ایک کتاب بادشاہ شاپور کے لئے لکھی تھی، اسے یقین تھا کہ وہ اس ترکیب سے بادشاہ کو اپنی تعلیم کا حلقہ بگوش

---

* ہرمزد بہرام اول یا بہرام دوم (دیکھو "تاریخ آل ساسان" مترجمہ از طبری نولڈیکی صفحہ ۴۷ نوٹ وغیرہ ــــ

کرلے گا مگر شاپور کے جانشینوں میں سے ایک فرمانروا نے اس کو نہایت بے دردی سے قتل کرادیا* ' اس کتاب کا نام شابرقان تھا یا شاپہرکان ' اس کی نسبت البیرونی کا خیال ھے کہ " فارسی کتب میں یہی ایک وثوق کے لایق ھے " کیونکہ " مانی نے اپنے احکامات میں دروغ بیانی سے روکا ھے اور اسے کوئی ضرورت نہ تھی کہ وہ تاریخی واقعات کو بدل دیتا " —

حالات اور تعلیم مانی کے ماخذ

مانی کی تفصیل حیات اور تعلیم و تصنیف کا حال مشرقی اور مغربی دونوں ماخذوں سے فراھم ھوسکتا ھے لیکن جب سے کہ مورخان ایشیا کی بالخصوص فہرست ' البیرونی ' ابن واضح ' الیعقوبی ' اور ' شہرستانی * کی تصنیفات ملنے لگی ھیں ' عام طور سے خیال کیا جاتا ھے کہ مشرقی بیانات اُن معلومات سے زیادہ قابل سند ھیں جو سینٹ آگستائن کی تالیف اور " اعمال آرکیلاس " وغیرہ میں

---

* فہرست (سنہ ۹۸۷ کی تصنیف) مرتبہ فلوگل صفحات ۳۲۸-۳۳۸ ' فلوگل نے مانی کے حالات فہرست سے لیکر مع ترجمہ جرمن الگ بھی شایع کئے ھیں اور اس پر مقدمہ اور حواشی لکھے ھیں (۱۸۶۲) —

آثار الباقیہ البیرونی مترجمہ زخاؤ صفحات ۲۷ ' ۸۰ ' ۱۲۱ ' ۱۸۹ ' ۱۹۱ ' ۲۲۵ اور ۳۲۹ ' ابن واضح مرتبہ ھوتسما جلد اول صفحہ ۱۸۰ تا ۱۸۲ ' —

شہرستانی مترجمہ ھاربرکر برتاں جرمن ' جلد اول صفحہ ۲۸۵ - ۲۹۱ ' نیز دیکھو - معجم از اسپیگل جلد دوم صفحات ۱۹۵ تا ۲۳۲ علاوہ ہوایے سوبر (۱۷۳۴) موشایم ' باؤر ' اور کیسلر کے =

درج ھیں اور جن پر قدیم الایام میں یورپ کے ارباب قلم نے اس نامور شخص کے حالات لکھنے میں تکیہ کیا تھا - طوالت کا لحاظ دامن گیر ھے اس لئے ھم اس موضوع کو ' جس کی مکمل بحث کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاھئے جو نوٹ مندرجہ کے آخر میں بیان کی گئی ھیں ' چند صفحوں میں محصور رکھیں گے - مفصلہ بالا عربی کی چار کتابوں میں سے الیعقوبی کا ھنوز کسی یورپ کی زبان میں ترجمہ نہیں ھوا ھے - چنانچہ پہلے ھم اس کا بیان ترجمے کے ذریعے سے ھدیۂ ناظرین کرتے ھیں ' پھر بعض ایسے خیالات کا اضافہ کردیں گے جو خاکۂ مضمون کی مزید صراحت کے لئے ضروری ھوگا —

الیعقوبی کا بیان

زندیق مانی ابن حماد شاپور بن اردشیر کے عہد میں ظاھر ھوا ' اس نے شاپور کے (زرتشتی) مذھب کو باطل ٹھیرایا اور اس کو اپنی تعلیم ثنویت کی طرف بلایا ' اور شاپور مائل بھی ھوگیا - مانی کہتا تھا کہ کائنات میں متصرف دو ھیں اور ازلی و ابدی عناصر دو ھیں ' نور اور ظلمت ' خالق دو ھیں خالق خیر اور خالق شر - نور و ظلمت میں سے ھر ایک پانچ صفات یعنی رنگ ' ذایقہ ' بو ' لمس ' اور صوت سے متصف ھے ' انھی کے ذریعے سے وہ سنتے دیکھتے اور علم حاصل کرتے ھیں؛ جو کچھ اچھا اور مفید ھے اس کا منبع نور ھے اور جو کچھ برا مضر اس کا منبع ظلمت ھے —

ابتدا میں یہ دونوں (عناصر) الگ الگ تھے ' بعد میں وہ ایک دوسرے سے مل گئے؛ اور اس کا ثبوت یہ ھے کہ پہلے کچھ نہ تھا بعد

میں حوادث کا وجود ہونے لگا ۔ظلمت کی طرف سے اس آمیزش کی ابتدا ہوئی' کیونکہ پہلے وہ ایک دوسرے سے اسطرح متصل تھے جیسے سا یا اور دھوپ ؛ اس کا ثبوت یہ ہے کہ کسی چیز کو دوسری چیز کے بغیر وجود میں لانا ممکن نہیں - آمیزش کی ابتدا ظلمت کے طرف سے ہوئی' سبب یہ ہے کہ ظلمت و نور کی آمیزش آخرالذکر کے لئے مضر تھی' ناممکن ہے کہ ابتدا نور نے کی ہو؛کیونکہ نور فطرتاً خیر ہے- اس بات کی شہادت کہ خیرو شر دونوں ازلی وابدی ہیں ' اس سے ملتی ہے کہ ایک شئے کا وجود تسلیم کیا جائے تو اس سے دو متضاد فعال پیدا نہیں ہوسکتے- مثلاً آگ ' گرم اور جلتی ہوی چیز ہے' اس لئے وہ چیزوں کو ٹھنڈا نہیں کرسکتی' اسی طرح جوچیز ٹھنڈا کرسکتی ہے وہ گرم نہیں کرسکتی؛ جو شے باعث خیر ہو وہ شر نہیں پیدا کرسکتی' اور جو فاعل شر ہے وہ خیر نہیں پیدا کر سکتی - اس کا ثبوت کہ یہ دونوں عنصر زندہ اور عامل ہیں یہ ہے کہ خیر ایک کا نتیجہ ہوتا ہے اور شر دوسرے کا ''—

'' اس تعلیم کو شاپور نے مان لیا ' اور اپنی رعایا کو ترغیب دی کہ وہ بھی اس کی تقلید کرے - مگر اس سے رعایا کو صدمہ ہوا ' سلطنت کے دانشمندوں نے یکدل ہوکر بادشاہ کو اس اعتقاد سے ہٹا نا چاہا' لیکن بادشاہ نے ان کا کہا نہ مانا اور مانی نے ایک کتاب لکھی جس میں اس نے نور ظلمت کے اثبات پر زور دیا ہے' اس کی تصنیفات میں ایک کتاب کا نام

---

* دیکھو ''مانی از فلو گل'' نوٹ ۳۲۴ —

کنزالاحیا * ھے، اس میں مصنف نے روح میں نور کے عمل حسنہ اور ظلمت کے اثر شنیعہ کا ذکر کیا ھے، اور وہ معیوب اعمال کو ظلمت سے منسوب کرتا ھے؛ اس کی ایک اور کتاب شاپرقان ھے، جس میں نجات یافتہ روح اور رفیق شیاطین، و معایب روح کا حال ھے، وہ آسمان کو ایک سطح مسطح بیان کرتا ھے، اور کہتا ھے کہ زمین ایک ڈھلواں پہاڑ پر قایم ھے جس پر چرخ بلند گردش کرتا ھے؛ اس کی ایک تصنیف کتاب الہدی والتدبیر ھے اور ایک صحف دوازدہ " ان میں سے ھر ایک کا نام تہجی کے ایک ایک حرف پر ھے، ان میں نماز اور راہ نجات کا ذکر ھے؛ ایک کتاب سفرالاسرار* ھے جس میں نبیوں کے معجزے باطل کرکے دکھائے گئے ھیں؛ ایک سفرالجبابرہ ھے ان کے علاوہ کئی اور کتابیں اور ملفوظات ھیں —

پس شاپور اس مذھب پر دس سال تک جما رھا - پھر ایک موبد آتش پرست شاہ پور کے پاس آیا، اس سے کہا "اس آدمی نے تیرا ایمان بگاڑ دیا، اسے میرے مقابلے پر لا، تاکہ میں اس سے بحث کروں"- پس ان دونوں کا مناظرہ ھوا، موبد نے مانی کا منہ بند کردیا، اور شاپور ثنویت سے مجوسیت کی طرف پھر لوٹ آیا، اس نے مانی کے قتل کا ارادہ کیا مگر وہ بھاگ نکلا، اور ارض ھند میں آ پہنچا، جہاں وہ شاپور کی وفات تک

---

* دیکھو فلوگل کتاب مذکور صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳ جہاں کتاب الفہرست کے مطابق اس کتاب کے مضامین اجمالاً منقول ھیں، یہ کتاب ۱۸ بابوں پر ختم ھوئی تھی —

مقیم رہا —

''شاپور کے بعد اس کا بیٹا ہرمز سریر آرائے سلطنت ہوا' وہ بڑا دلاور تھا' اسی نے شہر رام ہرمز بسایا تھا' مگر اس کی زندگی نے وفا نہیں کی اور وہ صرف ایک سال تک عنان حکومت پر قابض رہا —

اب عنان حکومت بہرام پسر ہرمز کے ہاتھ میں آئی' جو تفریح و معشوق کے سوا کسی چیز سے سروکار نہ رکھتا تھا' مانی کے چیلوں نے اس کو ہندوستان لکھ بھیجا کہ نیا بادشاہ نو عمر اور عیش کا دلدادہ ہے پس وہ ایران واپس آگیا اور اب اس کے کاموں کا آوازہ پھیل گیا اور اس کی قیام گاہ کا بھی پتہ لگ گیا' بہرام نے طلب کرکے اس کی تعلیم کا حال پوچھا' اور مانی نے اپنی سرگزشت بیان کی' پھر بہرام نے ایک موبد کو بلاکر اس کے مقابلے پر کھڑا کیا موبد نے اس سے بحث کی اور کہا کہ ''ہم میں سے ہر ایک پگلا ہوا سیسہ اپنے اپنے پیٹ پر ڈالے جو ضرر سے محفوظ رہے گا وہی حق پر ہوگا*'' - لیکن مانی نے

---

* ''پگلے ہوئے پیتل کی آزمایش'' پہلوی اور عربی کتابوں میں اکثر مقامات پر مذکور ہے' پہلوی مقامات کے لئے دیکھو- اردا ویراف نامک مرتبہ و مترجمہ ہاگ صفحہ ۱۴۴' خاصکر دین کرت کے وہ اقتباسات جو نوٹ میں منقول ہیں' نیز شکند گومانیک ویجار مرتبہ ویسٹ کا صفحہ ۱۲ بھی' عربی مقامات کے لئے القزوینی کی آثار البلاد' صفحہ ۱۹۷ قابل دید ہے' موبد اور مانی کی یہ (تمہید) آزمایش تاریخ گزیدہ (نسخہ کیمبرج نمبر ڈی ۳' ۳۳ ایف ۱۴۵ اے) میں درج ہے —

جواب میں کہا "یہ فعل ظاہت کا ہے" اس پر بہرام نے اس کو زندان میں ڈلوادیا' اور کہا "صبح ہوگی تو میں تجھے بلاکر ایسے طریقے سے قتل کروں‌گا کہ اس طرح تجھ سے پہلے کوئی قتل نہ ہوا ہوگا" —

"پس تمام شب مانی کی کھال کھینچی گئی' تا آنکہ صبح سے قبل اس کا قالب عنصری بے جان ہوگیا' جب صبح ہوئی تو بہرام نے اس کو طلب کیا' لیکن اس کی روح پرواز کرچکی تھی' بہرام نے حکم دیا کہ اس کا سر کاٹ کر جسم میں بھس بھر دیا جائے' پھر اس نے مانی کے معتقدوں پر تشدد کیا' ان کی تعداد کثیر کو تہ تیغ کرادیا' اور بہرام پسر ہرمز نے تین سال حکومت کی" —

کتاب الفہرست* میں مانی کا حال زیادہ مفصل درج ہے' لیکن چونکہ جرمن فان فلوگل کے جرمنی ترجمے میں اس کا مطالعہ کرسکتے ہیں' اس لئے یہاں ہم صرف چند کام کی باتیں درج کرتے ہیں' فہرست میں مانی کے باپ کا نام فُتّق آیا ہے جو غالباً فارسی "پاتک†" کا معرب ہے' اہل یورپ نے اس نام کو پاتیکی اوس' پے تیکی اس' فیتّی کی اس اور پتیری کی اس لکھا ہے' مانی کا وطن ہمدان تھا؛ یہاں سے وہ ترک وطن کرکے بابل (باکرا یا باگسایا) آیا اور مغتسلہ میں جا ملا' یہ فرقہ مینڈایون سے تھا' اور غالباً اسی فرقے کا اثر تھا کہ مانی یہودی مذہب

---

* الفہرست مرتبہ فلوگل صفحہ ۳۲۷ وبعد —

† دیکھو یوسٹی کی کتاب اعلام ایرانیاں (Justis Iranisches-Namenbuch) زیرمانی —

اور بت پرستی سے بہت نفرت کرنے لگا تھا - مانی کی ماں کا نام مختلف شکلوں میں وارد ہوا ہے وہ کہیں مار* ' مریم' کہیں اوتاخیم اور کہیں میس ہے' کم از کم ممکن ہے کہ وہ آشکانیوں یا پارتھیوں کے شاہی خاندان سے ہو - اگر یہ قیاس صحیح ہے تو مانی کے خلاف ساسانی بادشاہوں کے اندیشے اور مخاصمت کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے - خود مانی کے بیان کے مطابق جس کو شابرقان سے البیرونی نے نقل کیا ہے اس کا سال پیدایش ۲۱۵' ۲۱۶ ع نکلتا ہے اور اس† کی ایک ٹانگ میں لنگ تھا - پیدایش سے پہلے توم‡ نامی فرشتہ نے ماں کو اس کے بیٹے کے عظیم الشان مشن سے خواب میں آگاہ کردیا تھا مگر وحی الہی بارھویں برس میں البیرونی کے خیال سے تیرھویں برس یعنی (سنہ۲۲۷ - ۲۲۸ میں) اترنی شروع ہوئی اور تلقین و اشاعت مذہب کا حکم اس کو ۲۴ سال کی عمر میں

---

* فہرست میں مرمریم لکھا لیکن وہاں مرمرا ہے —

† وکان احذف الرجل فہرست صفحہ ۳۲۸ سطر (۱) —

‡ فہرست میں صرف یہ ہے کہ بیٹے کے متعلق اچھے اچھے خواب دیکھا کرتی تھی اور بیداری میں اسے ایسا نظر آتا تھا گویا کوئی شخص اس کے بیٹے کو لیکر خلا میں چڑھ گیا ہے ' اور اور پھر اس کو لوٹا گیا ہے ' کبھی کبھی یہ غیر حاضری دو دو دن کی ہوتی تھی - صاحب الفہرست نے لفظ توم سریانی لفظ 'تاما' سے لیا ہے' جس کے معنی قرین کے ہیں اور جس کو انگریزی میں ڈبل کہتے ہیں اور جو غالباً ہماری اصطلاح میں 'ہمزاد' کے مرادف ہے - صورت لفظی میں سریانی تاما عربی توأم — بابلی توآم —

ملا - مروی ھے کہ اس نے اپنے دعاوی کا باقاعدہ اعلان شاپور کے سامنے ۲۰ مارچ سنہ ۲۴۲ع کو بادشاہ کے دربار تاج پوشی میں کیا، بظاہر ایسے اہم شاہی دربار میں اس کو شاپور کے بھائی فیروز کی وساطت سے جو اس کی تعلیم پر سر ایمان خم کرچکا تھا رسائی حاصل ہوئی ہوگی۔ غالباً جب وہ بادشاہ کی نظروں سے گرگیا تو اس نے ہندوستان اور مشرق * کے طویل سفر کئے، اس کی واپسی اور اس کا وحشیانہ قتل بہرام اول کے مختصر عہد (۲۷۳ - ۲۷۹ع) کے واقعات ہیں جن کو البیرونی، الیعقوبی اور طبری تینوں نے لکھا ھے، البیرونی+ "سادھہ زخاؤ صفحہ ۱۹۱ کا بیان یہ ھے :—

"ملت مانی کو اردشیر، اس کے بیٹے شاپور اور شاپور کے بیٹے ہرمزد کے عہد میں بتدریج فروغ ہوتا رہا تا آنکہ ہرمزد کا بیٹا بہرام مسند نشین ہوا۔ اس نے مانی کو تلاش کرایا اور جب وہ ھاتھ آگیا تو اس نے کہا، یہ شخص لوگوں کو تخریب عالم کی دعوت دیتا ھے اس لئے ضروری معلوم ہوتا ھے کہ اس کے منصوبے بارور ہونے سے پہلے ابتدائے تخریب ہم اسی کی ذات سے کریں۔ مشہور یہ ھے کہ بہرام نے مانی

* فارس نامہ ابن البلخی صفحہ ۹۲ و بولایت چین رفت

+ مطابق آثارالباقیہ میں عربی صفحہ ۲۰۸ سطر ۱۵ —

کو قتل کیا، پھر اس کی کھال اُتروائی، اس میں بھس بھروایا اور پھر اس کو جندی شاپور کے دروازے پر لٹکایا جو اب تک "مانی دروازہ" کہلاتا ہے۔ ھرمزد نے بہت سے مقلدان مانی کو بھی مروا ڈالا - میں نے اسپہبد مرزبان بن رستم سے خود سنا ہے کہ شاپور نے اس کو ملک بدر کردیا اور یہ زرتشت ایشی۔ حکم کی تعمیل میں کیا گیا کہ نبوت کے جھوٹے دعویداروں کو جلا وطن کردیا جائے اور مانی کو اس شرط کا پابند کیا کہ وہ ایران میں پھر قدم نہ رکھے۔ پس وہ ھندوستان اور تبّت اور چین گیا اور اپنے مذھب کی منادی کرتا پھرا، بعد میں وہ واپس آگیا اور بہرام کے ھاتھ سے گرفتار ھوکر قتل ھوا، کیونکہ وہ نقض شرط کا مرتکب ھوا، اس لئے اس کا خون مباح ھو گیا"—

دیکھنا یہ ھے کہ مانی کے عقاید ایسے کیا تھے تو کہ پارسی ملاؤں کے دل میں بیر پڑ گیا، دیگر ممالک تو درکنار صرف مشرق میں آٹھویں صدی کے آخر تک یہ ملّا اس قدر قوت و اثر رکھتے تھے کہ عباسی خلیفہ المہدی نے ایک افسر تحقیقات

مقرر کیا جو "صاحب" یا عارف الزنادقہ کہلاتا تھا ' تا کہ ان لوگوں کا پتہ چلا کر سزا دی جاے' جو بظاہر مسلمان اور در پردہ مانی کے پیرو یا زندیق تھے - اس کے سوا ہم یہ بھی دیکھنا چاھتے ھیں کہ لفظ زندیق جس کا اطلاق اولاً پیروان مانی پر ہوتا تھا رفتہ رفتہ بلکہ آج تک دنیاے اسلام میں کس طرح دھریوں اور ملحدوں کے لئے استعمال ہونے لگا -

زندیق کا مفہوم

ہم آخرالذکر سوال کو پہلے چھیڑتے ھیں' کیونکہ یہ بلحاظ اختصار چند سطروں کا محتاج ھے - عام خیال* ھے کہ "زندیک" فارسی کا 'اسم صفت' ھے' اور اس کے معنی "ژند کا معتقد" ھیں' یعنے اصل متن کی بجاے تفسیر اوستا صفحہ (۱۳۹ و ۱۴۰) کا معتقد ھو اور اس کو اپنا دین و ایمان سمجھے - یہ لفظ مانیوں کے لئے اس واسطے تجویز کیا گیا تھا کہ وہ غیر مذاھب کی الہامی کتابوں کے معنے اپنی راے کے مطابق لینے پر مائل تھے اور اپنی منشاء کے موافق ان کے معنی پیدا کرتے تھے' یہ طریقہ کچھ ایسا ھی ھے جیسا کہ مسلک ادریت میں "معرفت" (یونانی ناسز) اور بعد کے اسماعیلیوں کی اصطلاح میں "تاویل" کا طریقہ تھا† - لیکن پروفیسر بے ون کی تشریح اس سے زیادہ قرین

---

* مثلاً دیکھو فارس نامہ ابن البلخی (گب سیریز) صفحہ ۶۲ سطر ۱۷ —

† لفظ "زندیکہ" مینو خرد میں بھی آیا ھے (مرتبہ ویسٹ بابت سنہ ۱۸۷۱ باب ۳۶' صفحہ ۳۷) اور اس کی تشریح یہ کی گئی ھے "شیطان کو اچھا سمجھنے والا" صفحہ (۲۲ و ۲۳) —

صحت معلوم ہوتی ہے۔ فہرست ("مانی" صفحہ ۹۴ از فلوگل) اور البیرونی (مترجمہ زخاؤ صفحہ ۱۹۰) میں درج ہے کہ لفظ "سماع" (سننے والا) مانیوں کے اس ادنیٰ طبقے کے لئے مخصوص تھا، جو افلاس، تجرد، اور مجاہدات مذہبی کے متعلق تمام پابندیاں اپنے آپ پر عاید نہ کرنا چاہتا تھا اور صلحا و زہاد جنھیں حکم تھا کہ افلاس کو تمول پر ترجیح دیں، حرص و ہوا کو ترک کریں، زہد کو کام میں لائیں مسلسل روزے رکھیں، اور جہاں تک ممکن ہو خیرات کریں، اُن کے لئے لفظ "صدیق" (جمع صدیقوں) تجویز کیا گیا تھا، یہ لفظ عربی ہے مگر غالباً اس کی اصل آرامی زبان میں "زدّیقاے" تھی جو فارسی میں آکر "زندیک" ہو گئی۔ زدّیقاے، کی دال مشدد۔ زندیک میں "ند" سے جس اصول پر بدل گئی اس کی ایک تمثیل "شنبذ" (موجودہ شنبہ) میں ملتی ہے، یعنے یہ لفظ در اصل "سبّث" تھا، فارسی میں اس کی مشدد ب "نب" سے بدل کر لفظ "شنبذ" ہو گیا۔ دوسری تمثیل کے لئے سنسکرت کا لفظ "سدّھانت" ملاحظہ ہو، جو اصول مذکور پر "سندھند" بن گیا ہے (اس قول کے مطابق "زندیک" (جو عربی میں زندیق بنا لیا گیا) آرامی "زدیقاے" کی محض فارسی شکل ثابت ہوتی ہے جو صرف تقویٰ شعار مانویوں کے لئے استعمال ہوتا تھا اور ابتدا میں فرقۂ مانویہ کے لئے مخصوص تھا مگر بعد کے زمانے میں عام طور پر "بدعتی" کے معنوں میں استعمال ہونے لگا) پروفیسر بے ون نے ایک اور دلچسپ جرمن لفظ کیٹ زر (= بدعتی) کی نظیر پیش کی ہے،

جو یونانی لفظ کتھرائے (= پاک) سے مشتق ہے* —

مانویوں کے عقاید

ناظرین کو یاد ہوگا کہ مسلمان مصنف مانویوں کو مرقیونیہ† اور بردیصانیہ کی طرح اہل ثنویت میں شمار کرتے تھے - مگر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زرتشتی بھی تو حقیقتاً ثنوی ہیں' پھر زرتشتی اور مانوی مذہب میں اس قدر شدید دشمنی کس طرح پیدا ہوئی- اس کے جواب کے لئے زیادہ غور و تحقیق کی ضرورت نہیں- آتش پرستوں کے ہاں نیک و بد موجودات یعنے (ہرمزد اور انزرہ مینوش = اہرمن) کی جداگانہ اقلیموں میں سے ہر ایک بجائے خود روحانی جز اور مادی جز پر مشتمل ہے - نہ صرف امشسپند اور فرشتے ہیں بلکہ عناصر مادی جملہ حیوانات و نباتات جو انسان کے لئے مفید ہیں نیز وہ لوگ جو دین با آئین یعنی زرتشتی مذہب کو سرمایۂ ایمان سمجھتے تھے اہرمزد کی طرف سے اہرمن کے لشکر دیو' درج' خرفستر‡ یعنی موذی حیوانات' ساحروں' شعبدے بازوں' بد عقیدہ لوگوں اور بدعتیوں سے لڑے - زرتشتی مذہب میں اگرچہ روحانی عہدہ داروں کا ایک باضابطہ و دقیق نظام قایم

---

* دیکھو "تاریخ و تعلیم" فرقہ کتھرائے یا البی جیسیہ مصنفہ سی شمت (پیرس ۱۸۴۹)—

† دیکھو الفہرست صفحہ (۳۲۸ - ۳۲۹)—

‡ دیکھو پہلوی بازند فرہنگ مرتبہ ہاگ (نہ معلوم پروفیسر براؤن نے جو املا اس لفظ کا دیا ہے اس کی سند کیا ہے)—

کیا گیا ہے لیکن بہ حیثیت مجموعی اور حقیقتاً وہ اس لحاظ سے ایک مادی مذہب ہے کہ وہ اپنے معتقدوں کو "توالد و تکاثر اور زمین کو معمور کرنے" کی تاکید کرتا ہے اور تخم ریزی اور فصلیں حاصل کرنے میں جانفشانی کا حکم دیتا ہے* - برخلاف اس کے مانی کی تعلیم میں نور و ظلمت کی آمیزش جس نے عالم مادی کو پیدا کیا سرے سے بری چیز تھی اور محض قوائے ظلمت کا نتیجۂ عمل تھا، آمیزش کو اگر اچھا کہہ سکتے ہیں تو صرف اس اعتبار سے کہ اس میں نور کے ان ان اجزا کے لئے جو ظلمت میں اٹک کر رہ گئے تھے، اپنے مناسب مقام کی طرف واپسی اور نجات حاصل کرنے کے ذرائع (عیسیٰ، حساس؟ دیکھو "عجم" از اسپیگل، دوم صفحہ ۲۲۶) موجود ہیں، جب ان اجزا کو حتی الامکان نجات حاصل ہوجائے گی تو وہ فرشتے جن پر زمین و آسمان قایم ہیں، اپنی اپنی گرفت کو ڈھیلا کردیں گے اور عالم مادی درہم و برہم ہوجائے گا، آخر کار کائنات جل کر خاک ہوجائے گی تب لافانی اور ناقابل تسخیر ظلمت سے نور کی علیحدگی اور اس کی نجات کا آخری وقت آئے گا۔ قبل اس کے یہ حالت رونما ہو، عمودالسبح† (یعنی پرہیزگاروں کی نماز و تسبیح تقدیس اور اعمال صالحہ سے جو آسمان کی طرف

---

* مقابلہ کرو ڈارم شٹیٹر کے انگریزی ترجمہ اوستا سے، مطبوعہ ایس بی ای جلد اول صفحہ ۴۶ اور نوٹ نمبر ۱ سے ۲ تک نیز گرد چہارم صفحہ ۴۷ پر لکھا گیا ہے ——

† الفہرست صفحہ ۳۳۰ سطر ۲۵۔

چڑھتے هیں اور کہکشاں * بن کر صاف نظر آتے هیں) کے ذریعے نور کے ٹکڑے ظلمت کی قید سے آزاد هوکر اوپر بلند هوتے هیں اور بالآخر آفتاب و مہتاب کی کشتیوں میں سوار هوکر " جنان النور " میں جو اُن کا اصلي مستقر هے پہنچ جاتے هیں ؛ لہذا مانویوں کے نزدیک هر وہ فعل جواس نور و ظلمت کی آمیزش کا معاون هو (مثلاً مناکحت و تناسل ' مذموم اور قابل گرفت هے)- اب هم سمجھہ سکتے هیں که هرمز کا ان الفاظ سے " اِس شخص نے تخریب عالم کي لوگوں کو دعوت دی هے " کیا مطلب تھا- الغرض زرتشتیت میں عصبیت اور جنگ جوئی ' مادیت اور شہنشاهی (Imperialism) اقتدار و تسلط کی تعلیم هے ؛ مانویت میں عدم عصبیت ' تسلیم و رضا اور زهد و بے نفسی کی هدایت هے ؛ اصولاً دونوں فرقوں میں بعدالمشرقین هے ' با وجود ظاهری مماثلت کے جیسے اسپیگل نے " عجم " جلد دوم صفحه ۱۹۵ - ۲۳۲ میں تفصیل سے بیان کیا هے - درحقیقت دونوں میں لزوماً اور اصولاً تضاد موجود هے ' یہودی مذهب اور روایتی (Orthodox) عیسویت و اسلام سے بھی مانی کی تعلیم اسی قدر متضاد هے ' اس میں شک نہیں که دوسرے تین مذاهب کی نسبت یہود نے مانویه کو کم تکلیفیں دیں ' لیکن اس کا سبب یہودیوں کا اجتناب ایذا رسانی نه تھا بلکه ان کی بے بسی اور بے مائگی تھی ' کیونکه اوپر مذکور هوچکا هے که مانی کے دل میں یہودیوں سے

---

* دیکھو مانی از فلوگل صفحه ۲۳۱ " عجم " از اسپیگل جلد دوم صفحه ۲۱۷ ـــ

خاص طور پر نفرت تھی —

اس فرقے کے بعض مسائل مثلاً نور و ظلمت کی آمیزش کے اسباب ،ملک جنان النور اور اس کے متعلق خیالات ، انسان اول، شیطان ، نور کو قید سے رہا کرنے کے لئے عالم مادی کے اسباب، حضرت آدم و حوا اور ھابیل و قابیل کی بابت مانویوں کے مضحک اعتقادات ، حکیمۃالدھر ، ابنۃالحرص ، روفریاد ، برفریاد ، اور شاثل (شیث) وغیرہ کی تفصیل اس مقام پر ناممکن ھے - مانی نے انبیاء عبرانی کو اپنے نظام سے خارج کیا (مگر ان کے عوض نہ صرف زرتشت اور بدھ کو نبی مرسل تسلیم کیا بلکہ حضرت عیسیٰ کو بھی مان لیا ، تاھم " وہ مسیح صادق " کو جو عالم نور کا ایک خیال * اور لباس طیفی میں ملبوس تھا ، مسیح مصلوب سے الگ بتاتا ھے ، جو اس کا مثیل اور دشمن اور " ابن ارملہ " تھا ، اور عجیب بات ھے کہ حضرت مسیح کی بابت مانی کا یہ عقیدہ (حضرت) محمد (صلعم) نے اختیار کرلیا † ، قرآن (سورہ ۴ آیت ۱۵۶)

---

* خیال بمعنی طیف جیسے حماسہ کے شعر میں (خیال لام السلسبیل و دونہا ، مسیرۃ شہر للبرید المذبذب) —

† یہ عبارت اور اس کے ثبوت میں ایک آیت نقل کرنے سے ظاھر ھوتا ھے کہ مصنف قرآن کریم کو آنحضرت علیہ السلام کی تصنیف سمجھتا ھے —

اختیار عقیدۂ مانی غلط و خیال تصنیف غلط در غلط— مترجم

میں آیا ھے —

وقولہم انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ و لکن شبہ لہم و ان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالہم بہ من علم الااتباع الظن وما قتلوہ لقیناً ، بل رفعہ اللہ الیہ و کان اللہ عزیزاً حکیماً —	اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مریم کے بیتے عیسیٰ مسیح کو جو رسول خدا تھے قتل کر ڈالا اور (حقیقت یہ ھے کہ) نہ تو انھوں نے ان کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا مگر ان کو ایسا ھی معلوم ھوا ، اور جو لوگ اس بارے میں اختلاف کرتے ھیں وہ اس معاملے میں شک میں پڑے ھوے ھیں ، ان کو اس کی خبر نہیں ھے اور صرف گمان کی پیروی کرتے ھیں ، یقیناً لوگوں نے عیسیٰ کو تو قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ نے اپنی طرف اُٹھا لیا اور اللہ زبردست اور حکمت والا ھے —

مشرق میں مانو یہ کی ترقی

مشرق میں مانو یہ کی تاریخ کی نسبت ہم بیان کرچکے ھیں کہ (خلیفہ ھارون کے باپ المہدی کے عہد (۷۷۵ - ۷۸۵ عیسوی) کی تعداد

اس قدر کثیر تھی کہ حکومت کی جانب سے ایک خاص افسر * مامور کیا گیا تاکہ انھیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دے - مصنف الفہرست (۹۸۸ ع) اکیلے بغداد میں ۳۰۰ نفوس کو جانتا تھا اور البیرونی (سنہ ۱۰۰۰ ع) ان کی تصنیفات خصوصاً شابرقان (صرف یہی کتاب ہے جس کو مانی نے فارسی میں یعنی بزبان پہلوي لکھا باقی اس کی اهم کتابوں میں سے چھ سریانی میں ہیں) سے واقف تھا اور اس نے بعض اقتباسات نقل بھی کئے ہیں جن میں ابتدا کے یہ الفاظ † (مترجمہ زخاؤ صفحہ ۱۹۰) بھی شامل ہیں :—

مانی کی ایک کتاب کا اقتباس

" خدا کے رسول نوع انسان کے پاس وقتاً فوقتاً حکمت اور اعمال لائے ہیں چنانچہ ایک زمانے میں خدا کے رسول ان کو ہندوستان لائے ' دوسرے میں زرتشت ایران میں لائے ' پھر مغرب میں حضرت عیسیٰ ' ان سب کے بعد آخری زمانے میں یہ وحی اور یہ پیشین گوئی میری یعنی مانی رسول خدائے حق کی معرفت بابل میں اتری "—

الفہرست (صفحہ ۳۳۷) میں مانیوں کا نقل مکان اس طرح بیان کیا گیا ہے :—

" سمنیہ کے علاوہ فرقۂ مانی وہ پہلا مذہبی گروہ تھا جو بلاد ماوراالنہر میں داخل ہوا ' اس کا سبب یہ تھا کہ جس

* اس کو عارف الزنادقہ کہتے تھے —

† مطابق آثار الباقیہ مترجمہ سخاؤ صفحہ ۲۰۷ [illegible]

وقت کسریٰ (بہرام) نے مانی کو قتل و مصلوب کیا
اور اپنی مملکت میں مباحث مذہبی کو ممنوع قرار دیا تو اس نے پیروان مانی کو

مانویوں کا نقل مکان

جہاں پایا وہیں قتل کرنا شروع کیا اس پر یہ لوگ بہرام کے سامنے سے بھاگ نکلے اور دریاے بلخ کو عبور کرتے ہوے ولایت خان (خاقان) میں آباد ہو گئے - خان (خاقان) ان کی زبان کا وہ لقب ہے جو ترک بادشاہوں نے اختیار کر رکھا تھا، پس یہ لوگ عرصے تک ماورالنہر میں رہے، یہاں تک کہ اقبال ساسان نحوست میں آیا اور اہل عرب کو عروج ہونے لگا، اس پر وہ ان ممالک (عراق، بابل) میں واپس لوٹے، بالخصوص جبکہ حکومت ایران کے اجزا پراگندہ ہو رہے تھے اور بنی امیہ کو مسند خلافت مل چکی تھی - خالد بن عبداللہ القسری * نے ان کو اپنی حفاظت میں لے لیا لیکن اس فرقے کی امارت کا عہدہ سوائے بابل کے کسی اور حصۂ ملک میں قایم نہ ہو سکا، لیکن اس کے بعد رئیس جہاں کہیں زیادہ سلامتی دیکھتا وہاں چلا جاتا - مانویہ کا آخری اخراج خلیفۃالمقتدر (۹۰۸ - ۹۳۲) کے زمانے میں ہوا، جب کہ وہ جان کے خوف سے خراسان چلے گئے تھے، باقی جو پیچھے رہ گئے تھے وہ اپنا مسلک چھپاتے تھے اور ان اضلاع میں

---

* یہ شخص مانویہ کا زبردست حامی تھا، خلیفہ الولید کے ہاتھ سے ۷۴۳ میں مارا گیا : دیکھو " مانی " از فلوگل صفحہ ۳۲۰ - ۳۲۲ —

مارے مارے پھرتے تھے۔ ایک دفعہ تقریباً پانسو کی
کی تعداد میں وہ بمقام سمرقند جمع ہوے اور ان کے
عقائد کا حال کھل گیا - خراسان کے گورنر نے ان کے قتل کا
ارادہ کیا مگر خاقان چین (شاید صاحب تغزغز مراد ہے) نے
اس کو لکھا کہ "میرے ہم مذہب جس قدر تعداد میں وہاں
ہیں اس سے دوگنی تعداد میں تیرے ہم مذہب یعنے مسلمان
میری سلطنت میں ہیں" پھر قسم کھائی کہ اگر تیرے ہاتھہ
سے میرا ایک ہم مذہب بھی مارا گیا تو میں انتقاماً سارے
مسلمانوں کو تہ تیغ کردوں گا، مسجدوں کو ڈھادوں گا اور
اپنی باقی مملکت میں تحقیقات کراکے ہر ایک مسلمان کو
نکالونگا، اور انہیں قتل کراونگا - اس بنا پر خراسان کے والی
نے اُن کو چھوڑ دیا اور صرف جزیہ لینے پر اکتفا کیا - اسلامی
حدود میں ان کی تعداد گھٹ گئی، معزالدولہ (۹۴۶ - ۹۶۷)
کے عہد میں مدینۃالسلام کے اندر ان کے تین سو آدمیوں کا
مجھہ کو علم تھا لیکن آج دل پایۂ تخت میں ان کے پانچ
آدمی بھی نہیں اور یہ لوگ آجاری کے نام سے مشہور ہیں
اور سمرقند و صغد کے دیہات خصوصاً نویکت میں پھیلے
ہوے ہیں" —

مؤلف الفہرست نے ان لوگوں کی ایک طویل فہرست درج
کی ہے جو بظاہر مسلمان تھے مگر بباطن مانوی عقائد رکھتے
تھے ان میں اشخاص ذیل بھی شامل ہیں —

۱ - الجعد بن درهم*، اموي خليفه هشام (۷۲۴-۷۴۳ ع) کے هاتهه سے مارا گیا —

۲ - شاعرَ بشّار بن برد - سنه ۷۸۴ ع میں قتل هوا —

۳ - برامکه کا تقریباً پورا خاندان سواے محمد بن خالد بن برمک —

۴ - خلیفه مامون رشید (۸۰۳ - ۸۳۳ ع) مگر مصنف فهرست کے نزدیک یه صحیح نهیں هے —

۵ - محمد ابن الزیات † وزیرالمعتصم، سنه ۸۴۷ ع میں قتل کردیا گیا، ان کے سوا اور لوگ —

مانویه کے مختلف طبقے اور ان کے فرائض | پیروان مانی پانچ طبقوں میں تقسیم تھے :—

۱ - معلمون — اساتذه جو ابناء العلم کہلاتے تھے —

۲ - مشمسون - (وه جن کو شمس نے منور کیا ‡) جو ابناء العلم کہلاتے تھے —

۳ - قسیسون - (مذهبی پیشوا) جو ابناء العقل کہلاتے تھے —

۴ - صدیقون — (یا صاحبان ایمان) جو ابناء الغیب کہلاتے تھے —

---

* یہاں جناب پروفیسر سے کچھه تسامح هوا هے - صاحب فهرست نے جعد کو رؤساء منانیه میں تو شمار کیا هے مگر اس کی نسبت یه نهیں لکھا که وه بظاهر مسلمان تھا —

† و قیل کان محمد بن عبدالملک الزیات زندیقاً الفهرست صفحه ۳۳۸ —

‡ دیکھو " مانی " از فلو گل صفحه ۲۹۴ - ۲۹۹ اس کے معنی مشتبه هیں —

۵ - سماعون (سننے والے) جو ابناءالفطنہ کہلاتے تھے—

/ان کے لئے نماز چہارگانہ یا ھفتگانہ فرایض میں داخل تھی ' اور بت پرستی ' جھوٹ ' بخل ' قتل ' زنا ' چوری اور تعلیم حیل و سحر ' ریا فی الدین اور فرائض میں سستی سے بچنے کا حکم تھا - ان احکام عشرہ کے علاوہ دیگر معتقدات یہ تھے:- چار حقایق اعلیٰ کا یقین یعنی خدا کا جو جنان نور کا بادشاہ ھے اور خدا کے نور کا ' اس کی قدرت اور اس کی حکمت کا ' ھر ماہ میں سات دن کے روزے ' اور " مواھیر ثلاثہ " کا ایمان ' سینٹ آگستائن اور دوسرے عیسائی مصنفوں نے ان " مواھیر ثلاثہ " کو منہ ' ھاتھہ اور قلب کی مہریں (فشافات) لکھا ھے اور ان سے مراد یہ ھے کہ انسان کو برے الفاظ ' برے کام اور برے خیال سے بچنا چاھئے ' یہ اصول پارسیوں میں بھی ھخت (الفاظ نیک) ھورشت (اعمال نیک) ' ھُمت (خیالات نیک) کے نام سے رائج ھے - صوم و صلواۃ اور بعض ارکان صلواۃ کی تفصیل کتاب الفہرست میں منقول ھے ' اسی کتاب سے یہ بھی معلوم ھوتا ھے کہ مانی کے بعد روحانی افضلیت کی بنا پر اس مذھب میں کتنے فرقے پیدا ھوے اور دو خاص فرقوں میں ایک - مہریّہ کہلاتا تھا اور دوسرا مقلاصیّہ - بیان ھوچکا ھے کہ مانی کی کتابوں میں سے چھہ سریانی اور ایک پہلوی میں تھی ' لیکن ان کا رسم الخط جسے مصنف نے خود ایجاد کیا تھا ' نہایت عجیب و غریب تھا ' فہرست میں اس کا نمونہ درج ھے مگر یہ نمونہ موجودہ نسخوں میں بہت حد تک مسخ اور بدنما ھو چکا ھے (موجودہ بابیوں نے بھی ایک جدید

طرز کی تحریر نکالی ہے جس کو وہ خط بدیع کہتے ہیں) مگر بظاہر مانیوں نے اپنے رسم الخط اور عموماً فن کتابت پر بہت کاوش اور توجہ کی ہے، چنانچہ الجاحظ (نویں صدی ع) نے اس خط کے سلسلے میں ابراہیم السندی کا ایک قول نقل کیا ہے کہ "اگر وہ نہایت سفید، بہتر سے بہتر کاغذ اور نہایت کالی روشنائی اور کاتبوں کی ترتیب پر اس قدر جان کاهی نہ کرتے تو اچھا ہوتا" (اس قول سے جیسا کہ پروفیسر بے ون استدلال کرتا ہے ایران میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ مانی٭

ارژنگ مانی کا افسانہ

ایک اعلیٰ درجے کا مصور تھا، آج بھی اہل ایران کا عام عقیدہ ہے کہ مانی نے ارژنگ یا ارتنگ نام کی ایک کتاب التصاویر تیار کی تھی اور اس کو وہ اپنی فوق البشر طاقت اور ربانی سفارت کے ثبوت میں پیش کرتا تھا† —)

(۳۰)

نوشیرواں اور مزدک

سیرت نوشیرواں

بیان کیا جاتا ہے کہ رسول خدا حضرت محمد (صلعم) نے فرمایا کہ "میں نوشیرواں عادل

٭ خاں نے کاق نے طرفان (وسط ایشیا) کے کھنڈروں سے مانویہ کی کتابوں کے اوراق یا پرچوں کے ٹکڑے اور دیگر مواد حاصل کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مانویہ کو حقیقتاً اپنی کتابوں وغیرہ کو مصور اور رنگین کر لے کا خاص شوق تھا۔ مترجم

† دیکھو شاہ نامہ جلد سوم صفحہ ۱۴۵۳—۱۴۵۴ مترجمہ میکن —

کے عہد میں پیدا ہوا تھا" (ولدت فی زمن ملک العادل) آپ کی مراد خسرو انوشک رواں (لافانی روح کا) سے ہے' اہل ایران آج تک نوشیرواں کو عادل کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور شاہانہ صفات کا کامل نمونہ سمجھتے ہیں لیکن اوپر تصریح ہو چکی ہے کہ یہ فیصلہ بلا تامل منظور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ نوشیرواں نے اپنا لقب معدلت و انصاف (جس طرح کہ ان الفاظ کو ہم سمجھتے ہیں) کی بدولت حاصل نہیں کیا تھا بلکہ اہل بدعت کے قتل و استیصال کے صلے میں مجوسی پیشواؤں نے اس کو عطا کیا تھا' جن کے متعصب ہاتھوں سے قومی تواریخ کا مرقع تیار ہوا تھا؛ اسی طرح یزدگرد اول (بزہ گر-گنہگار) کا وہ داغ بدنامی ہے جو اس کی زندگی کے کسی مذموم فعل سے علاقہ نہیں رکھتا بلکہ اس کی وسیع القلبی اور مذہبی رواداری بلکہ اُس بے اعتنائی کا نتیجہ ہے جو فرمانروائے مذکور نے اپنے زرتشتیوں کے ساتھ برتی۔ تاہم کوئی شخص نوشیرواں کی نسبت' جو اگر چہ سیاسی ضرورت سے خوارج و اہل بدعت کے لئے اپنا خنجر تیز رکھتا تھا' یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ مذہب کے معاملے میں اشد متعصب اور دیوانہ تھا بلکہ برعکس اسکے وہ مذاہب غیر کی باتیں اور مسالک فلسفہ کی حکایتیں شوق اور دلچسپی کے ساتھ سنتا تھا۔ اس لحاظ سے وہ خلیفہ مامون اور شہنشاہ اکبر کا جو افکار فلسفہ اور مباحث مذہب کے شیدائی تھے ہم مذاق معلوم

ہوتا ہے - نولدیکی ("تاریخ آل ساسان" صفحہ ۱۶۰* نوٹ نمبر۳) جو اہل ایران کو پسند کرنے کی طرف مائل نہیں نوشیروان کے خصائل کی نہایت موافق تلخیص کرتا ہے اور اپنے بیان کا خاتمہ ان الفاظ کے حوالے کرتا ہے :—

"بہ حیثیت مجموعی خسرو (نوشیروان) یقیناً ایران کے سب سے بڑے اور سب سے بہتر بادشاہوں میں ہے لیکن اس کی عظمت و خوبی اُس کو اندھا دھند بے رحمی سے نہ روک سکی اور حق و راستی کا اسے اس قدر پاس تھا جس قدر اہل ایران کو (جن میں ان کے بہترین افراد بھی شامل ہیں) ہوا کرتا ہے [یعنی بہت کم]"

نفس واقعہ یہ ہے کہ مزدکیوں کے استیصال، رومیوں (بزنطینوں) کی سرکوبی، اس کے دانشمندانہ آئین، قومی اغراض کی نگہداشت اور اس کے عہد (۵۳۱—۵۷۸) کی سرسبز اور مرفہ حالت ان تمام چیزوں نے ایشیا میں اس کے نام کو چار چاند لگا دئے ہیں اور وہ سلاطین کے لئے بہترین نمونہ خیال کیا جاتا ہے، لیکن یورپ میں اس کی شخصیت نے اس سبب سے اپنا رنگ جمایا ہے کہ اس نے یونانی فلاسفروں کا جو شاہنشاہ جستنین نے ان کی

---

* نولدیکی کا نوٹ جس کا حوالہ دیا گیا ہے صفحہ ۱۶۰ سے شروع ہوتا ہے نہ کہ ۱۵۰ سے، خاتمہ کے الفاظ صفحہ ۱۶۲ پر ہیں —

فلسفیان یونان یا افلاطونین جدید (نیو پلیٹونسٹ فلاسفرز)

مذھبی تنگ ظرفی سے تنگ آکر اپنے وطنوں سے بھاگ نکلے تھے، اپنے دربار میں خیر مقدم کیا اور رومیوں کو شکست دے کر جب صلح نامہ مرتب کیا تو اس میں یہ مخصوص دفعہ رکھی کہ یہ علما اپنے ملک کو واپس جائیں تو ان کو نہ چھیڑا جائے، اور آزادیء خیال دی جائے، دوسرے وہ علم و فن کا عاشق اور ارباب فضل کا قدر دان تھا، اس نے جندی شاپور میں ایک زبردست طبیہ مدرسہ قایم کیا تھا اور نہ صرف یہ بلکہ سنسکرت اور یونانی کتابوں کو پہلوی میں ترجمہ کرایا ھے، ان وجوہ سے اس کی نسبت اھل یورپ کا یہ اعتقاد ھوگیا تھا کہ "ایران کے تخت پر افلاطون کا شاگرد جلوا آرا ھے*" —

افلاطونیات جدید (نیو پلے ٹونسٹ آئڈیاز) کی ایران میں اشاعت

ھمارے نزدیک افلاطونین جدید یا مذکور الصدر یونانی فلسفیوں کی دربار عجم میں باریابی اور اس کی اھمیت پر کافی توجہ نہیں کی گئی ھے، اھل یورپ کو اب کچھہ خیال ھو چلا ھے کہ اھل ایران کے متاخر تصوف یا تعلیم صوفیہ کو جس کا مفصل ذکر اواخر کتاب میں آئے گا افلاطونیت جدید نے کہاں تک متاثر کیا ھے اور اگر دارم شتیٹر کا خیال صحیح ھے تو خود پیروان زرتشت نے بھی

* گبن کی مشہور قلم کا نوشتہ نوشیرواں کا حال تاریخ گبن "انحطاط و زوال" جلد دوم کے صفحہ ۲۹۸ - ۳۰۷ میں دیکھو، ایڈیشن سنہ ۱۸۱۳ ع —

اس چشمے سے مستفید ہونے میں دریغ نہیں کیا، اس مسئلے پر ہمارے دوست اور سابق شاگرد آر۔ اے نکلسن، فیلو ٹرینٹی کالج، کیمبرج نے اپنی تالیف "انتخاب دیوان شمس تبریز" (کیمبرج سنہ ۱۸۹۸) میں حسن اسلوب کے ساتھ بحث کی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ تاریخی زمانے میں یونان کے فلسفی اور علمی خیالات سے اہل مشرق زیادہ تر آل عباس کے ابتدائی دور حکومت میں روشناس ہوے۔ مامون بن ہارون رشید (۸۱۳ تا ۸۳۳) کا عہد اس لحاظ سے خاص طور پر ممتاز تھا جس میں یونان کا مایۂ علوم منتقل کرلیا گیا تھا لیکن گمان غالب ہے (گو پہلوی خصوصاً غیر مذہبی کتب کے ناپید ہوجانے سے اس گمان کو ثابت نہیں کیا جاسکتا) کہ یہ در آمد علوم نوشیروانی عہد یعنی چھٹی صدی عیسوی میں شروع ہوچکی تھی اور دیگر خیالات کے مثل عقاید صوفیہ کا آغاز اسلامی دور سے پہلے ساسانی ایام میں ہوا تھا۔ نوشیروانی حکومت میں عیسائیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا تھا اور اگرچہ دین مسیحی کی امن دوست تعلیم کو نوشیروان نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا اور اس کے عیسائی بیٹے، نوش زادہ نے بغاوت کرکے (صفحہ بالا ۱۳۶) اس کو برہم بھی کردیا تھا مگر یہ امور خطرناک اور سرکش مانوفی سائٹ* (وحدت مسیح کے ماننے والے) عیسائیوں کو نوشیروان کے ہاتھ سے حقوق دلوانے میں حائل اور رومیوں سے صلح کرتے وقت صلح نامے میں

---

* دیکھو "ساسانی" مصنفہ نولڈیکم، صفحہ ۱۶۲ وغیرہ بعد

رومن کیتھولک* کو مراعات عطا کرنے میں مانع نہ ہوے، بلکہ پروآگیری اس اور سی بی اوس نے تو یہ دعوی کیا ہے کہ مرنے سے پہلے نوشیروان خفیہ طور پر اصطباغ سے مشرف ہوگیا تھا، یہ خیال گو بالکل غلط ہے لیکن اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عام طور پر نوشیروان کو عیسائیوں پر مہربان سمجھا جاتا تھا، اور بخیال نولدیکی عیسائیوں نے اپنی شکر گزاری کا رقت انگیز ثبوت بادشاہ کی وفات کے ایک سو برس بعد اس وقت دیا جب کہ انھوں نے اس کے بدنصیب اور آخری جا نشین یزد گرد سوم کی لاش کا غیر مدفون پڑا رہنا گوارا نہ کیا۔ لیکن نوشیروان کی رواداری سلطنت کی سلامتی اور امن عامہ کے تابع تھی اور اشتراک پسند مزدک کی تعلیم جس کا ذکر اب شروع کیا جاتا ہے ان دونوں چیزوں کو صدمہ پہنچانا چاہتی تھی —

مزدک | مزدک کے متعلق جس قدر حالات ملتے ہیں ان کو نولدیکی † نے نہایت احتیاط سے جمع کرکے اپنی

---

* گبن صفحہ ۳۰۵ اور حاشیہ ۵۲ وغیرہ —

† اس محقق نے رسالہ ڈی۔ آر میں (بابت فروری سنہ ۱۸۷۹ صفحہ ۲۸۴ وغیرہ) اس کا زیادہ عام فہم حال لکھا ہے، مزدک کی بابت نہایت قدیم اور معتبر حالات یا حوالہ جات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں —

ماخذ معلومات ۱ - پہلوی | (۱) ویندیداد مزد گرد چہارم و پنجم صفحہ ۴۹ کے پہلوی ترجمے میں متن اوستا کے ان الفاظ " یہ وہ شخص ہے جو بے ایمان اشموغہ (شیطان، بدعتی) کے

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

معرکۃالآرا تاریخ آل ساسان (جس کے حوالے بارہا درج ہوچکے ہیں) ضمیمہ ۴ میں قلم بند کردیا ہے لیکن یاد رکھنا

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ —

خلاف جد و جہد کر سکتا ہے جو کچھ کہاتا پیتا نہیں" کی تشریح ان الفاظ "مثل مزدک ابن بام داذ" سے کی گئی ہے - بہمن یشت میں بھی "مزدک مردود" کا تذکرہ ہے مگر یہ پہلوی کتاب سب سے آخری زمانے کی ہے بلکہ حسب خیال ویسٹ اس کا موجودہ نسخہ بارھویں صدی عیسوی کا ہے ' مزدک نامک ایک اور پہلوی کتاب تھی جو ابن المقفع کے بے شمار پہلوی کتابوں کے عربی ترجموں میں سے تھی لیکن بدقسمتی سے کتاب کا کہیں پتہ نہیں ' صرف عرب مصنفین کی بعض کتابوں میں اس کے جستہ جستہ حصے باقی ہیں —

۲ - یونانی | یونانی میں مزدک کا ذکر پروکوپی اس ' تھیوپےتیز اور جان ملالاس کی تصنیفات میں آیا ہے —

۳ - سریانی | سریانی میں یشوعع اسطوانی کی تاریخ (مرتبہ و مترجمہ رائٹ دفعہ ۲۰) جس میں بادشاہ قباد کی "مذموم روش" کا ذکر ہے کہ اس نے "ناپاک فرقہ مجوس کو جو زراوشتگان کہلاتا ہے اور عورتوں کو مال مشترک بناتا ہے" دوبارہ زندہ کیا —

۴ - عربی | عربی میں مفصلہ ذیل مورخوں نے حوالے ثبت کئے ہیں —

۱ - الیعقوبی (قریب سنہ ۲۶۰ ھ کے مرتبہ ہوتسما جلد اول صفحہ ۱۸۶) جس کا بیان ہے کہ مزدک اور اس کا اُستاد زرتشت

(باقی بر صفحہ آئندہ)

چاھئیے کہ یہ ضمیمہ تمام تر ان عیسائی اور زرتشتیوں کے بیانات پر مبنی ھے جو مزدک کی تعلیم کے سخت دشمن تھے' اگر

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) —

خرگان دونوں نوشیروان کے ھاتھہ سے قتل ھوئے —

۲ - ابن قتیبہ (متوفی * سنہ ۲۷۰ - ۲۷۶ ھ ' کتاب المعارف مرتبہ وستنفیلڈ سنہ ۱۸۵۰ ع صفحہ ۳۲۸) —

۳ - دنیوری (متوفی سنہ ۲۸۲ - ۲۹۰ ھ مرتبہ گرگاس صفحہ ۶۹) —

۴ - طبری (متوفی سنہ ۳۱۰ ھ مرتبہ ڈے خویہ سلسلہ ۱ جلد دوم صفحات ۸۸۵ - ۸۸۶ ترجمہ نولڈیکی صفحہ ۱۴۰ - ۱۴۴ [طبری] صفحہ ۸۹۳ - ۸۹۴ نولڈیکي ۱۵۴ و ۱۵۵) —

۵ - حمزہ اصفہانی (اوائل چوتھی صدی ھجری) —

۶ - یوتی کی آس (سعید بن بطرق) (متوفی ۳۲۸ ھجری)۔

۷ - مسعودی (متوفی ۳۴۶ ھ مروج الذھب مرتبہ بی - ڈے میناری جلد دوم صفحہ ۱۹۵ - ۱۹۶) —

۸ - البیرونی (متوفی ۴۴۰ ھ مترجمہ زخاو صفحہ ۱۹۲) (آثار الباقیہ من عربی صفحہ ۲۰۹) —

۹ - شہر ستانی (متوفی ۵۴۸ ھ کتاب الملل مرتبہ کیورٹن صفحہ ۱۹۲ - ۱۹۴ — ترجمہ ھاربرکر صفحہ ۲۹۱ - ۲۹۳) —

۱۰ - ابن الاثیر (متوفی سنہ ۶۳۰ ھ) —

۱۱ - ابوالفدا (متوفی سنہ ۷۳۲ھ مرتبہ فلا یشر صفحہ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

---

* دیکھو ابن خلکان مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۰ ھ ج ۱/: ۲۵۱ ۔ ابن قتیبہ کی تاریخ وفات میں اختلاف ھے ۔ بعض ۲۷۰ بعض ۲۷۱ بعض ۲۷۶ اس کی تاریخ وفات بتا تے ھیں مگر ۲۷۶ والے قول کو ابن خلکان نے اصح الاقوال بتا یا ھے —

صفائی کے بیانات بھی آج محفوظ ہوتے تو ہمیں اس کی بعض پاکیزہ خصوصیات یا کم از کم تردیدی عذرات نظر آسکتے جن کا اب ہمیں مطلق علم نہیں - اگر مثال کے طور پر ہم جدید زمانے کی نظیر پر غور کریں تو بغض و عناد کے کرشموں پر ہمیں انگشت بدندان ہونا پڑےگا - بابیوں کی تعلیم و اصول معلوم کرنے کے لئے اگر ہم سرکاری تاریخ نویس مثلاً درباری مورخ لسان الملک کی ناسخ التواریخ یا رضا قلی خاں جیسے قابل شخص کے ذیل روضۃالصفا یا غیر متعصب اہل یورپ کے بیانات پر جن کا ماخذ رائج دربار قصص تھےپورا پورا تکیہ کرلیں تو ہم جان سکتےہیں کہ اس قسم کے مبالغہ امیز اور عناد آلود حالات سے بابیوں کی نسبت ہمارا فیصلہ کہاں سے کہاں پہنچ جاے گا - اس سلسلے میں یہ پہلو ذکر کے لایق ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں مزدکیوں اور انیسویں میں بابیوں دونوں کے خلاف ان کے دشمنوں نے یہ مشہور کیا کہ ان کے ہاں اشتراک پسندی اور اباحت * خصوصاً عورتوں کے معاملے میں عین دین

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

(۸۸ - ۹۱) نیز دیگر مورخین —

۵ - فارسی | فارسی میں شاہنامہ فردوسی (مرتبۂ میکن جلد سوم صفحہ (۱۹۱۱ - ۱۹۱۹) اور سیاست نامہ نظام الملک (مرتبہ شیفر صفحہ ۱۶۶ - ۱۸۱) خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں —

* اصل میں ہے " ایناتی نومین ازم " یعنی " ناموس شکنی " ایناتی نومین جرمنی کا ایک فرقہ تھا جو ۱۵۳۵ کے قریب

باقی پر صفحہ آئندہ

وابیمان ھے لیکن چونکہ اس وقت ثابت ھوچکا ھے کہ اشتراکیت کا اصول جس حد تک شروع زمانے کے عیسائیوں کی طرح ابتدائی بابیوں میں رائج تھا وہ محض اتفاقی تھا اور اس کو کسی معنی میں بھی بانیء مذھب کی خصوصیت قرار نہیں دے سکتے ' اس لئے ھمارا یہ گمان بیجا نہ ھوگا کہ مزدک اور اس کے پیروؤں کی اشتراکیت بھی کسی حد تک بشرح صدر اتفاقی تھی —

تعلیم مزدک

یہ امر مشتبہ ھے کہ جو اعتقادات مزدک سے منسوب کئے جاتے ھیں وہ درحقیقت اسی کے دماغ کا نتیجہ ھیں کیونکہ بعض ماخذوں میں لکھا ھے کہ ان کا اصل بانی زرادشت بن خرگان ھے جو فسا علاقۂ فارس کا رھنے والا تھا - بہر نوع اس تعلیم کی علمی بنیاد سے ھم اس قدر بھی واقف نہیں جس قدر کہ اس کے عملی نتایج سے روشناس ھیں ' نولڈیکی نے خوب کہا ھے کہ " موجودہ اشتراکیت اور سوشلزم (جہاں تک ان ملکوں کو اشخاص کے تخیلات سے نہیں بلکہ ان کے معمول * سے علاقہ ھے) سے تعلیم مزدک کو جو چیز جدا کرتی ھے وہ آخرالذکر کا مذھبی رنگ ھے " - مزدک کے خیال میں ھر ایک بڑے فعل کا

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

وجود میں تھا ' کہتے ھیں کہ ان کے نزدیک نصاری کے لئے نوامیس اخلاق کی پابندی ضروری نہ تھی - " ناموس " بمعنی قانون ' عربی میں یونانی سے مستعار لیا گیا ھے ' اسلامی اصطلاح میں ایسے لوگ اباحی کہلاتے ھیں (مترجم) —

* Practice

سر چشمہ یا تو حسد ھے ' غصہ ھے یا لالچ اور یہی تین رذائل ایسے ھیں جنھوں نے خدا کی مرضی اور حکم کے خلاف مساوات انسانی فنا کر رکھا ھے ؛ اس مساوات کا از سر نو قایم کرنا اس کا مقصد تھا ۔ رھبانیت کا عنصر جو مانی کی تعلیم کے اجزاے کبار میں تھا اور جس پر زرتشتیوں کو اس قدر اعتراض تھا ' مزدک کے مذھب میں بھی اس حد تک موجود تھا کہ اس میں خونریزی اور گوشت سے لوگوں کو منع کیا گیا ھے - فی الحقیقت جیسا کہ ھم اوپر لکھہ آئے ھیں (صفحہ ۲۹۸ نوٹ (۱) وغیرہ) زرتشتی موبدوں کے نزدیک مزدک سب سے زیادہ وہ "بے دین اشموغہ تھا جو کھاتا نہیں" -

مزدکیوں کا عروج و زوال

بادشاہ کواذ (قباد) نے بعض سیاسی وجوہ سے ' جن میں بخیال نولدیکی بڑی وجہہ یہ تھی کہ امرا اور موبدوں کی زبردست طاقت کو توڑ دیا جائے ' ابتداً تعلیم نو پر التفات کیا ' مگر جب اس کی بدولت کواذ کو اپنے بھائی جاماسپ کے لئے عارضی طور پر تخت خالی کرنا پڑا تو غالباً اس کے خیالات میں بے حد انقلاب پیدا ھوگیا اور مزدکیوں کے ساتھہ اس کا طرز سلوک بدل گیا ' تاریخی شواھد کے موازنہ سے پایا جاتا ھے کہ عام روایات مزدکیوں کے

مزدکیوں کا قتل ۵۲۸ - ۵۲۹ ع

جس قتل کو خسرو اول سے منسوب کرتی ھیں اور جس کے سبب سے وہ "نوشیروان" (= انوشک روبان = لافانی روح والا) کے اعزاز سے ملقب ھوا وہ قباد کے آخر عہد کا واقعہ ھے ۔ اس کا مروج اور مشہور حال (جو پوری تفصیل کے ساتھہ سیاست نامہ نظام الملک طوسی '

سرٹیپه شیفر صفحه ۱۶۶ تا ۱۸۱ اور ترجمه صفحه ۲۴۵ تا ۲۴۶ میں درج هے) یه هے که شہزادہ نوشیروان نے جب اپنے باپ بادشاہ کواذ کے سامنے مزدک کی فتنه پردازی اور شعبدہ بازی کی قلعی کھول کر رکھه دی تو اس کے بعد مصنوعی اقرار و ایمان سے شہزادے نے مزدک کو دھوکه دیا اور ایک خاص دن مقرر کرکے اس سے طے کیا که وہ تمام پیروان مزدک کے روبرو نئے مذهب کا باضابطه اور علانیه اقرار کرے گا - مزدکیوں کے نام دعوت نامے جاری کئے گئے تاکه وہ شاهی باغات میں شہزادے کی ایک جلیل‌القدر دعوت کے لئے مجتمع هوں لیکن جس وقت ایک گروہ باغ میں داخل هوتا تو سرکاری سپاهی جو دروازے کے قریب چھپائے گئے تھے نکل کر اس کو پکڑ لیتے ' اورهر شخص کو قتل کرکے اس طرح دفن کردیتے که اس کا سر اور دھڑ زمین میں اور ٹانگیں زمین سے باهر نکلی رهتیں - جب سارے مزدکی زمین کے پیوند هوگئے تو نوشیروان نے مزدک کو طلب کرکے اپنے ایوان خاص میں بٹھایا ' دعوت میں ذرا دیر تھی اس لئے وقت کاٹنے کے بہانے سے وہ مزدک کو اپنے ساتھه باغ میں لے گیا ' اور باغ کی پیداوار دکھانے لگا - جب یه دونوں باغ میں داخل هوے تو نوشیروان نے اٹھی هوئی ٹانگوں کی طرف اشارہ کرکے کہا " دیکھه یه تیری مذموم تعلیم کی فصل کھڑی هے " - پھر اس نے ایک اشارہ کیا ' سپاهی جھپٹے اور مزدک کو باندھ کر مٹی کے ایک چبوترے میں جو باغ کے بیچوں بیچ اس کے لئے خاص طور سے تیار کیا گیا تھا سرنگوں کرکے زندہ دفن کردیا -

غیبی شہادت

اس قتل کا ایک بیان جو ایک عینی شاھد تی سو تھی آس ' ایرانی سے مروی ھے '
تھیو فینیز اور جان ملا لاس کی کتابوں میں محفوظ ھے -
اس دردناک موقع پر بادشاہ کا طبیب مسیحی بشپ بے زے نیز
بھی موجود تھا ' زمانۂ حال میں اس کی ایک عجیب نظیر پائی
جاتی ھے ' یعنے آنجہانی ناصرالدین شاہ کا درباری طبیب ڈاکٹر
پولک بھی دور شمائل بابی خاتون قرۃالعین کے قتل کے ھولناک
سانحہ کے وقت موجود تھا ' جو سنہ ۱۸۵۲ ع میں واقع ھوا

مزید حالات

اس قتل میں جو آخر سنہ ۵۲۸ یا شروع ۵۲۹ کا واقعہ
ھے ' مزدک کے پیرو خواہ کتنی ھی کثیر تعداد
میں کام آئے ھوں لیکن یہ قرین قیاس نہیں کہ پورا فرقہ ایک
دن میں معدوم ھوگیا ھو اور ھم بربنائے وجوہ کہہ سکتے ھیں کہ
نوشیروان نے اپنی تخت نشینی پر ۵۳۱ ع میں ان کو ضرور
مصائب کا شکار کیا ھوگا - اس کے بعد اس فرقے کا وجود گو
علانیہ نہ رھا لیکن غالباً اس کے افراد چھپے چوری باقی رھے -
بعض اسلامی مصنفوں کے اقوال سے یہ خیال پیدا ھوتا ھے کہ مزدکی
اصول مانوی عقائد کی طرح دور اسلام تک زندہ رھے اور
بعد کے زمانے میں بعض انوکھے اور اباحی فرقوں نے ان کو
کم و بیش ان کی اصلی صورت میں پیش کیا جن کی
تفصیل و بحث آئندہ ابواب کے لئے مخصوص ھے ' ھم اس رائے کو
غیر اغلب نہیں سمجھتے - مشہور نظام الملک طوسی نے اس
خیال کی شد و مد سے تائید کی ھے اور ' سیاست نامے ' میں اس
نے وضاحت کے ساتھہ دکھلایا ھے کہ اسمٰعیلیہ اور باطنیہ جن

سے اس کو سخت نفرت تھی (اور بجا تھی، کیونکہ ۱۴ - اکتوبر سنہ ۱۰۹۲ ع کو ایک باطنی کے خنجر سے ہلاک ہوا تھا) مزدکیوں کے بلاواسطہ جانشین ہیں—

(۴)

آل ساسان کا انحطاط و زوال

نوشیروان کے دراز و ممتاز دور حکومت میں (جو ۵۳۱ع سے ۵۷۸ع تک رہا) کوئی سال ایسا یادگار اور نتیجہ خیز واقعات سے لبریز نہیں گزرا جیسا کہ بیالیسواں سال (۵۷۲ - ۵۷۳ ع) جسے اہل عرب " عام فیل " کہتے ہیں - اس سال ایک طرف تو نوشیروان نے بڑے بڑے معرکوں کے بعد یمن کی شاداب اور اور قدیم حکومت کو ایران میں داخل کر کے اس زمانے کے عجمی پرستاران شہنشاہیت کے لئے ناز و مسرت کا سامان پیدا کیا اور دوسری طرف بعیدالفاصلہ مکہ میں وہ وجود پیدا ہوا جس کی تعلیم آل ساسان اور کیش زرتشت کو صفحۂ وجود سے مٹانے والی تھی، یعنی محمد رسول الله (صعلم) آپ کی ولادت کی شب کو ان روایتوں کے مطابق جنھیں پرہیزگار مسلمان نہایت محبوب سمجھتے ہیں، تاجدار عجم کا محل زلزلے سے ہل گیا تھا - یہاں تک کہ اس کے چودہ کنگورے زمین پر گر پڑے —

ساسانیوں کی سلطنت کے لئے بدشگونی

مقدس آگ جو ایک ہزار سال سے جل رہی تھی، بجھ گئی - ساوہ جھیل کا پانی دفعتاً خشک ہوگیا اور موبد موبدان نے خواب میں دیکھا کہ دجلے کی طرف عربی گھوڑے اور اونٹ ایران کا مغرب پامال کر رہے ہیں - ان بد شگونیوں پر نوشیروان کا دل دھڑکنے لگا

اور یه پریشانی اس وقت بهی نه مٹی جب که اس کا عیسائی قاصد قبیلۂ غسان کا عرب عبدالمسیح اپنے بڈھے چچا سطیح کا مبہم جواب لیکر جو صحرائے شام کی سرحد پر اقامت گزیں تھا واپس لوٹا - یه جواب سجع * تھا - جس کو عربی کاهن اپنے الہامی جوابوں کے لئے موزوں و مناسب سمجھتے تھے اس کے الفاظ یه هیں :—

سطیح کا الہامی جواب

عبدالمسیح علی جمل یسیح الی سطیح وقد اوفی علی الضریح بعثک ملک بنی ساسان ' لارتجاس الایوان ' و خمود النیران ' و رؤیا ' الموبذان ' رای ابلاصعابا ' تقود خیلاعرابا قد قطعت دجلة و انتشرت فی بلادها —	عبدالمسیح تو اونٹ پر سوار هوکر سطیح کے پاس آیا هے جو اس وقت محض چراغ سحری هے ' تجهه کو ساسانی بادشاہ نے یہاں بهیجا هے کیونکه محل لرز گیا هے ' آگ بجهه گئی هے ' اور (موبذ) موبذان نے خواب میں دیکھا هے که سرکش اونٹوں اور عربی گھوڑوں کو لیکر وادی (دجله) میں گھس آئے هیں اور علاقے میں پھیل گئے هیں —
یاعبدالمسیح اذا کثرت التلاوة و بعث صاحب الهراوة ' و فاض	اے عبدالمسیح ! جب قرات پھیل جائے گی اور صاحب

* حضرت مصنف نے تسامح سے " مقفی رجز " لکھا هے جو صحیح نہیں هے —

وادی السماوة، و غاضت بحیرة ساوة، و خمدت نار فارس، فلیست الشام لسطیح شأما، یهلک منهم ملوک و ملکات، علی عدد الشرفات و کل ما هو ات‘‘$

عصا* آجائے گا، اور وادی سماوہ† میں لشکر بھر جائے گا اور ساوا کی جھیل سوکھ جائیگی، اور ایران کی آتش بزرگ کچھہ کام نہ دے گی اور سطیح کے لئے شام نہ رہے گا، تاہم کنگوروں‡ کی تعداد کے مطابق تمھارے ملوک و ملکات حکومت کریں گی اور ان کی سلطنت قائم رہے گی اگرچہ جو کچھہ شدنی ہے وہ سرعت سے سامنے آرہا ہے‘‘ —

* حضرت عمر سے مراد ہے، ان کے عہد (۶۳۴ - ۶۴۴ع) میں ایران کی فتح تکمیل کو پہنچی تھی —

† حیرہ کے قریب ایک مقام ہے، اس کے نواح میں قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ ہوئی تھی —

‡ چودہ کنگورے جن کو نوشیروان نے خواب میں گرتے ہوے دیکھا تھا، قیاساً نوشیروان کے چودہ جانشین مفصلۂ ذیل ہیں:— ۱ - ہرمزد چہارم؛ ۲ - خسرو پرویز؛ ۳ - شہرویہ؛ ۴ - اردشیر سوم؛ ۵ - شہربراز؛ ۶ - پوران دخت؛ ۷ - گشتسپ دہ؛ ۸ - آزرمی دخت ۹ - خسرو بن مہر گشتسپ ۱۰ - خرزاد خسرو؛ ۱۱ - پیرویز بن گشتسپ دہ؛ ۱۲ - فرخ زاد خسرو؛ ۱۳ - ہرمزد پنجم؛ ۱۴ - یزدگرد سوم؛—

$ (طبري- طبع - یورپ مع حصہ اول ۱ : ۹۸۳) جزأ اختلافات متنی کے لئے دیکھو عقدالفرید طبع سنہ ۱۳۲۱ ج ۱ صفحہ ۱۰۸ و بعداو لسان العرب ۳ : ۳۱۳ —

لیکن شگون و آیندہ بینی کے ان قصوں کو تاریخی واقعات کی بجائے فرضی اور بعد کے خیالات‌شمار کرنے چاھئیں۔ اور اس بات کا یقین رکھنا چاھئیے کہ اور ھزاروں جلیل‌القدر واقعات کے مثل پیغمبر عربی کی ولادت اس قسم کے آسمانی نعروں سے مشتہر نہ کی گئی ھوگی، اور نہ اس نے اھل مکہ کو اپنی جانب ایک لمحے کے لئے متوجہ کیا ھوگا ، کیونکہ "عام‌الفیل" ان کے تفکرات کے لئے بہت کافی سامان رکھتا تھا —

چھٹی صدی میں عربوں کے سیاسی تعلقات	چھٹی صدی کے آغاز میں عربوں کی سیاسی حالت کا اجمال یہ ھے :-

عرب کے مغرب میں غسان کی حکومت رومیوں کے زیر اقتدار تھی۔ اور مشرق میں حیرہ کی حکومت ایرانیوں کی سیادت میں۔ مگر وسط عرب کے اکثر باشندے لق و دق صحراؤں میں محفوظ اور باھم مخالف قبیلوں میں منقسم تھے، تقریباً موجودہ بدوؤں کے مانند قتل و غارت، یورش و جنگ اور شعر گوئی میں زندگی بسر کرتے تھے اور ھمسایہ حکومتوں سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے، جنوب میں یمن کی قدیم و دولت‌مند حکومت اپنے تبابعہ یا ملوک کے ماتحت تہذیب و تمدن اور فراغت و تمول کے لحاظ سے نسبتاً بہتر حالت میں تھی، بدنام و رسوا اور غاصب ذحیمہ ذو شناتر شہزادہ ذونواس کے ھاتھ سے کیفر کردار کو پہنچ چکا تھا اور چونکہ جنوب عرب میں ملکۂ سباء بلقیس کے عہد سے سلطان کُشی وراثت تخت کی بہترین دلیل خیال کی جاتی تھی، اس لئے ذونواس کو بانتخاب عام قدیم حمیری قوم کا بادشاہ تسلیم کرلیا گیا، لیکن جیسا کہ بعد کے واقعات سے ثابت ھوگیا ھے، وہ اس قوم کا آخری

بادشاہ تھا —

ذونواس اور نجران کے عیسائیوں پر مصیبت

سلطنت کا تخت حاصل کرنے کے بعد ذونواس یہودی ہوگیا اور نئے مذہب کے جوش میں اس نے نجران کے عیسائیوں پر مصائب کی ایک گھٹا پھیلادی، جب انھوں نے ترک عیسویت سے انکار کیا تو ان کو تلوار کے گھاٹ اتارنا شروع کیا، ان کو آگ میں جھونکا اور گڑھوں میں؛ جو اس کام کے لئے تیار کئے گئے تھے؛ بھون ڈالا- غرض ان غریبوں کے ساتھ بے رحمی کا کوئی پہلو اٹھا نہ رکھا، قران شریف میں اس ہولناک واقعے کی طرف اشارہ ہوا ہے ' سورہ ۸۵ :—

اصحاب اخدود

قتل اصحاب الاخدود النار ذات الوقود- إذ هم عليها قعود - وهم على ما يفعلون بالمؤمنين شهود- و ما نقموا منهم إلا أن يؤمنوا بالله العزيز الحميد —

خندقوں والے ہلاک ہوں، (اور وہ خندقیں) آگ (کی تھیں) جن میں ایندھن تھا، جب کہ وہ خود خندقوں پر بیٹھے ہوے تھے اور جو (ظلم و ستم) مؤمنوں پر کر رہے تھے وہ (اس کا تماشا) دیکھ رہے تھے اور وہ مؤمنوں کی اس بات سے چڑے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے جو زبردست اور سزاوار حمد و ثنا ہے—

حبشیوں کا یمن فتح کرنا

طبری کا بیان ہے کہ مظالم ذونواس میں (۵۲۳ ع) بیس ہزار سپاہی مارے گئے تھے

مگر یہ صحیح نہیں ' بخیال اغلب مقتولین کی تعداد دو سو سے زیادہ نہ تھی ' تاہم جب اس ہولناک واقعے کی خبر کو ایک مفرور نے حبش میں پہنچایا تو یہاں کے نصرانیوں کی آتش غضب بھڑک اُٹھی اور ان کے فرمانروا نجاشی یا نیگوس نے اپنے ہم مذہبوں کا بدلہ لینے کے واسطے یمن پر چڑھائی کردی ' حبشی فوج کے سپہ سالار ارباط اور ابرہہ تھے ' انھوں نے اہل یمن کو شکست فاش دی ' جب ذونواس نے دیکھا کہ بات بالکل بگڑ چکی ہے تو ایڑ مار کر اپنے مرکب کو سمندر میں ڈال دیا اور انسانی نگاہوں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہوگیا ' اس واقعے کو 'ذوجدن' ایک حمیری شاعر نے اشعار ذیل میں قلمبند کیا ہے :—

ہونک - لیس یرد الدمع مافاتا
لا تہلکی أسفاً فی ذکر من ماتا
أبعد بینون لا عین ولا آثر
وبعد سلحین یبنی الناس أبیاتا

دعینی لا أبالک لن تطیقی
لحاک الله قد أنزفت ریقی
لدی عزف القیان إذا فتشینا
وإذ نسقی من الخمر الرحیق

ٹھیرو - جو چیز گزر گئی اُسے
آنسو نہیں لوٹا سکتے - جو مرگیا
اُس کے ذکر میں صدمہ سے جان
نہ ضائع کر - جبکہ بینون اور
سلحین (جیسے قصروں) کا نام
و نشان تک باقی نہیں رہا -
تو کیا اِس کے بعد لوگ (ویسی)
عمارتیں بنا سکتے ہیں ؟ -
چل دور ہو ' تیری آہ و زاری
بیکار ہے - خدا تیرا برا کرے '
تیرے کوسنے نے میرا لعاب دہن

و شرب الخمر ليس علّى عاراً
إذا لم يشكني فيها رفيقي
فان الموت لا ينهاه ناه
ولو شرب الشفاء مع النشوق
ولا مترهّب في أسطوان
يناطح جدره بيض الأنوق
و غمدان الذي حدثت عنه
بنوه ممسكاً في رأس نيق
بمنهمة و أسفله جروب
وحر الموحل اللثق الزليق
مصابيح السليط تلوح فيه
إذا يمسي كتوماض البروق
و نخلته التي غرست اليه

خشک کر دیا (گزشتہ دور میں
گانے والوں کے راگ اور ستار
کے نغمے خوش گوار تھے جب کہ
ہم شراب خالص پی اور پلا
رہے تھے) - شراب نوشی ہمارے
لئے کوئی عار نہیں - اگر ہمارا
شریک مے نوشی ہم سے سرگراں
نہ ہو - اس واسطے کہ موت کو
کوئی نہیں روک سکتا - اگرچہ
وہ سونگھنے اور پینے کی دوائیں
صحت کے لئے استعمال کرتا رہے -
نہ کوئی راہب گوشہ نشین
(بھی موت سے بچ سکتا گو وہ)
ایسی اونچی خانقاہ میں
(رہتا ہو) جہاں عقاب اپنے انڈے
دیتے (اور گھونسلے بناتے ہیں) -
اور غمدان کی نسبت تونے سنا
ہوگا - جس کی سر بفلک عمارتیں
چھوٹی جھونپڑیوں سے الگ پہاڑ
کی چوٹی پر بنائی گئی تھیں -

یکاد البسر یہوز با لعذوق
فاصبح بعد جدّته رماداً
وغیّر حسنه لہب الحریق
وأسلم ذونواس مستمیتاً
وحذر قومه ضنک المضیق

اور جس کے در و دیوار اور فرش صاف و شفاف مٹی اور پتھروں سے بنے ہوے تھے—

اور کوندنے والی بجلی کی طرح تیل کے چراغ اس میں رات کو روشن ہوتے تھے- اور کھجور کے درخت ادھ کچرے پھلوں سے ایسے لدے ہوے تھے کہ معلوم ہوتا اُن کے بوجھ سے درخت توٹ پڑیں گے—

اب وہی عالیشان محل ایک خاک کا ڈھیر ہے—

آگ کے جھلسا دینے والے شعلوں نے اُس کے حسن و جمال کو مٹا دیا ہے—

ذونواس نا امید ہوکر اپنی موت سے دوچار ہوا مگر وہ اپنی قوم کو آخر دم تک موت کی ناگریز مصیبتوں سے آگاہ کرتا رہا—

(طبری طبع یورپ جلد اول حصہ اول صفحہ ۹۲۸ وبعد)

ارياط کا قتل

تاهم ارياطا فاتح يمن کی عمر نے وفا نہ کی کہ فتح کے ثمر سے بہرہ اندوز هوتا ' اس کے خود غرض نائب ابرهه نے یکایکی مقابلے میں دهوکے سے اس کا کام تمام کردیا ' خود اس کے چہرے پر بهی ایک زخم آیا ' جس کے سبب سے وہ الا شرم یعنی نکٹا کہلانے لگا ـــ

مکہ کے خلاف ابرهه کی مہم

اب ابرهه نے سونچا کہ یمن کے پایہ تخت صفا میں ایک پر شوکت و عظیم‌الشان معبد تیار کرنا چاهئیے- اس ترکیب سے وہ عرب زائرین کے سیلاب کا رخ مکہ کی مربع عبادت گاہ (یعنی کعبہ) سے پهیرنا چاهتا تها ' عربوں کو یہ جدت ناگوار گذری ' یہاں تک کہ قبیلۂ فقیم کا ایک کاهن عرب نئی عمارت میں چپکے سے گهس گیا اور اس کی بے حرمتی کی ' اس پر ابرهه سخت برهم هوا اور اس نے مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا حلفیہ عزم کیا ' بعد ازاں اس دهمکی کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے جنگی هاتهی اور کثیر التعداد حبشی سپاہ لیکر مکہ پر چڑہ آیا ـــ

شہر کے قریب مغمّس میں پڑاؤ ڈالے پڑا تها کہ اپنے القا... عربی کے دادا عبدالمطلب نے اس سے ملاقات کی ' ...تے هیں قریش کے ارباب کبار میں تهے - اور یہ وہ معزز قبیلہ ... نے سدا... معبد مقدس کا خاص محافظ تها ' ابرهه ان بزرگوں کے

عبدالمطلب اور ان کے اونٹ

گفتگو اور ادب آداب سے ایسا ... متاثر هوا کہ اس نے مترجم کے ذریعے ... پہلا درخواست عطیات کی هدایت کی - عبدالمطلب نے جو تهیں

" میں چاهتا هوں که بادشاه میرے وہ دو سو اونٹ واپس کر دے جو مجھه سے چھین لئے گئے هیں " - ابرهه متعجب هوکر بولا " تجهه کو اپنے دو سو اونٹوں کی پڑی هے جو میں نے تجهه سے لے لئے هیں لیکن تو اس معبد کا کچهه ذکر نهیں کرتا جو تیرا اور تیرے بزرگوں کا عبادت خانه هے اور جس کو میں توڑنے کے لئے آیا هوں " عبدالطلب - کا جواب عربی خصوصیات میں ڈوبا هوا تها ' انهوں نے کها " میں اونٹوں کا مالک هوں ' معبد کا مالک خدا هے ' وہ خود اس کی فکر کر لے گا " جب ابرهه نے کها " وہ اس کو میرے هاتهه سے نهیں بچا سکتا " - تو وہ بولے " یه کس نے دیکها هے ' مجهه کو تو میرے اونٹ واپس دے دے " —

اونٹ لیکر عبدالمطلب تو اپنے ساتهیوں سمیت ایک پہاڑ کی چوٹی پر نتیجے کے انتظار میں جا بیٹھے ' مگر جانے سے پہلے وہ کعبے کی زیارت کو گئے اور بیرونی دروازہ کے عظیم‌الشان حلقهٔ دستک کو هاتهه میں پکڑ کر آواز سے بولے :-

یا رب لا ارجو لهم سواکا — اے خدا ! غنیم کے مقابلے پر
یا رب فامنع منهم حماکا — میں تیری مدد چاهتا هوں'
إن عدو البیت من عاداکا — اے خدا ! تو ان کو اپنے ارض
إمنعهم أن یخربوا قراکا — پاک سے دفع کر - تیرے گهر
کا دشمن تیرے مقابلے پر آیا هے
تو اپنے شهر کو اس کے تباہ کن
هاتهه سے بچا —

(طبری طبع یورپ ۱: ۹۴۰

محمود هاتھی

دوسرا دن ہوا تو ابرھہ حملے کی نیت سے فوج لیکر مکہ کی طرف بڑھا ' فوج کے آگے آگے محمود نامی قوی الجثہ هاتھی تھا لیکن جونہی اُس هاتھی نے آگے قدم اٹھایا ' ایک عرب جس کا نام نفیل تھا ' اس کی طرف جھپٹا اور اس کا کان پکڑ کے کہا " او محمود جھک جا اور جدھر سے آیا ھے اُدھر ھی سیدھا واپس چلا جا کیونکہ تو اس وقت خدا کی پاک زمین پر ھے " - ھاتھی وھیں بیٹھ گیا ' مہاوت نے بہتیرے آنکس مارے مگر وہ ٹس سے مس نہ ھوا ' مکہ کی جانب ایک قدم نہ بڑھاتا تھا ' باقی ھر طرف جانے کو تیار تھا —

ابابیلیں

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے افواج حبش کے خلاف ابابیلوں کے مثل (قرآن شریف کے بیان کے بموجب) چھوٹے چھوٹے پرندوں کا ایک لشکر پیدا کردیا * ھر ایک پرندہ کے پاس تین تین کنکریاں تھیں ' ایک چونچ میں اور دو دونوں پنجوں میں ' اُن کو پرندوں نے حبشیوں پر پھینکا ' جس کسی کے کنکری لگ جاتی وہ فوراً مر جاتا تھا ' اس صورت سے حبشیوں کو شکست فاش ھوئی ' روایت ھے کہ ایک شخص فرار ھوکر حبش پہنچا اور اس نے لوگوں سے یہ واقعہ بیان کیا ' جس وقت لوگوں نے اس سے دریافت کیا کہ وہ پرندے کیسے تھے تو اس نے اوپر ایک پرندے کی طرف

---

* " ابابیل " جماعۃ طیور کو کہتے ھیں —
کلام اللہ میں نہ " ابابیلوں کے مثل کا ذکر ھے " نہ " لشکر پیدا کرنے کا " —

اشارہ کیا جو ابھی تک اس کے سر پر منڈلا رہا تھا ' وہ اسے بتا رہا تھا کہ اس نے چونچ سے ایک کنکری چھوڑی اور وہ بھی راہی عدم ہوا —

یہ واقعات ہیں جن کی وجہ سے اس پراهمیت سال کو " عام الفیل " کہتے ہیں۔ قرآن شریف کی سورۂ فیل میں اس قصے کا حوالہ آیا ہے ' اس کے الفاظ یہ ہیں :—

الم ترکیف فعل ربک با صحاب الفیل الم یجعل کیدھم فی تضلیل	کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے کہ تمھارے رب نے ھاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا ' کیا خدا نے ان کی ساری تدبیریں خاک
.... فجعلھم کعصف ماکول —	میں نہیں ملا دیں اور اُن کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا —

اس قصے کی تاریخی بنیاد

مغربی اہل تحقیق کے دائرے میں اس قصے کی بابت جو عام رائے پھیلی ہوئی ہے' وہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد ایک اصلی واقعے پر مبنی ہے ' وہ کہتے ہیں کہ فی الحقیقت چیچک کی ایک شدید اور ناگہانی وبا نے ناپاک حملہ آوروں میں سے بہتوں کو ھلاک کر دیا اور باقیوں کو بھگا دیا ' ایسی حالت میں کچھ تعجب نہیں کہ عربوں نے اس معجز نما رد یورش کو خدا کا جلوہ اور اس کی قدرت کا کرشمہ باور کیا اور 'عام فیل' سے ان کی قومی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا —

سیف بن ذی یزن کی شاہ ایران سے استمداد

ابرهه تباہ هوگیا مگر اهل یمن کو حبشی غلبے سے نجات نه ملی ' اس کے بعد اس کے بیٹے یکسوم * اور مسروق باری باری سے تخت پر بیٹھے ' انھوں نے حمیر لوگوں کو بہت تنگ کیا تاآنکه مظلوموں نے سیف بن ذی یزن کو تدارک مصائب کے لئے باهر روانه کیا تاکه وہ مشرقی روم یا دولت ایران سے استمداد کرے - کیونکه اس وقت دنیا کا یه حصه ان دونوں کی سیاست و اقتدار میں تقسیم تھا لیکن جب اول الذکر طاقت نے بے اعتنائی برتی تو اس نے حیرہ کے عرب بادشاہ منذر سے درخواست کی که وہ اس کو ایرانی دربار میں باریاب کرا دے ' نوشیرواں نے اس کو دربار عام میں طلب کیا تو وہ اپنے زرنگار تخت پر جلوہ افروز تھا اور اس کے سر پر ایک بہت بڑا قنقل † تھا تاج رکھا هوا نہیں بلکه چھایا هوا تھا ' وہ لعل و یاقوت اور الماس و گوهر سے چمک رها تھا اور چھت سے زنجیر میں لٹک رها تھا ' ایک زمانے میں یه تاج سلاطین ساسان کے لئے مایۂ ناز اور موجب ایذا تھا —

سیف ابن ذی یزن جب اس پُر شوکت هستی کی تعظیم سے فارغ هوچکا تو اس نے کہا " اے بادشاہ ! کالے کوّوں نے همارا ملک چھین لیا هے " نوشیرواں نے پوچھا " کن کوّوں نے ' حبش کے یا هندوستان کے " - سیف نے جواب دیا " حبشی کووں نے - اب

---

* اس کا ایک سکه هے جس کے نقوش رویل نے نکالے اور جو بقول گٹ شمید (بسی لی یس یکسوس) کا قصه هے اور اس کے دوسرے رخ پر اس کے آقا "گیرسم" کا نام هے۔

† خشک اشیا کے ناپنے کا پیمانه۔ تاج خسرو کا نام —

تیرے پاس آیا ہوں کہ تو میری مدد کر اور ان کو میرے ملک سے نکال دے، پھر میرے وطن پر تیری حکومت مان لی جائے گی کیونکہ ہم تجھے ان لوگوں پر ترجیح دیتے ہیں" —

بادشاہ بولا " تیرا ملک ہمارے ملک سے بہت دور ہے اور پھر وہ مفلس و نادار بھی ہے سوائے بھیڑ اور اُونٹوں کے ہمارے لئے کیا رکھا ہے، عرب میں ایرانی فوج بھیجنے کی نہ میں جسارت کر سکتا ہوں اور نہ مجھے ایسی خواہش " —

کفایت شعارانہ شاہنشاہیت

پس نوشیرواں نے اس کو دس ہزار درہم اور خلعت فاخرہ دیکر رخصت کیا، لیکن حمیری سفیر جس وقت محل سے نکل رہا تھا تو اس نے غلام و خدام اور کنیزوں کی طرف جو اس کے گرد و پیش ایستادہ تھیں اشرفیوں کی مٹھیاں پھینکنی شروع کیں جن پر یہ لوگ بھوکوں کی طرح گرے، جب بادشاہ کو یہ معلوم ہوا تو اس نے ابن ذی یزن کو بلوایا اور اس سے پوچھا کہ "شاہی عطیے کے ساتھہ تو نے یہ کیا گستاخانہ سلوک کیا" - عرب نے جواب دیا کہ " میں ان کا اور کیا کرتا، میرے ملک میں جہاں سے میں آرہا ہوں نرے چاندی اور سونے کے پہاڑ ہیں" - ایرانی تاجدار نے یہ سنا تو وہ اس جھانسے میں آ گیا اور سفیر کو اپنے مشیروں کے فیصلے تک روکنے کے لئے حکم دیا ایک وزیر نے کہا کہ " اے بادشاہ! تیرے قید خانے میں ایسے مجرم ہیں جن کو تونے قتل کے لئے یا بزنجیر کیا ہے، کیا انہیں تو اس شخص کو نہیں دے سکتا، اگر وہ مارے گئے تو تیرا مقصد پورا ہو جائے گا اور اگر ملک پر قابض ہو گئے تو تیری حکومت وسیع ہو جائے گی" —

فوج مہم کی ترتیب

یہ عجیب تدبیر جس میں حصول دولت اور توسیع ملک دونوں مقصد ضم تھے بڑے جوش کے ساتھ پسند کی گئی ' قید خانوں کی تفتیش پر آٹھ سو مجرم کشتنی نکلے' ان کو ایک وظیفہ یاب سپہ سالار وھرز کی سرکردگی میں مرتب کیا گیا یہ اس قدر سن رسیدہ تھا کہ بموجب روایت اس کے پپوٹے اس کی آنکھوں پر چھائے ہوے تھے اور نشانے کے وقت انھیں اوپر باندھنا یا اٹھانا نا گزیر تھا * —

جب فوج مہم اِن مجرموں سے مرتب ہوگئی تو اس کو سیف کے ہمراہ آٹھ جہازوں میں سوار کیا گیا' لیکن دو جہاز راستے میں تباہ ہوگئے' باقی چھہ صحیح و سالم حضر موت کے ساحل پر پہونچے جہاں چھہ سو کی مختصر ایرانی جمعیت سے یمن کے کثیرالتعداد اعراب بھی آ ملے' اس دلیرانہ یورش کی خبر مسروق کو پہنچی تو وہ اپنا لشکر لے کر مقابلے پر آیا ' اِدھر وھرز نے اپنے ساتھیوں کے لئے ایک عظیم‌الشان دعوت تیار کی ' جس وقت یہ لوگ بادۂ و جام میں مشغول تھے وھرز نے اپنے جہازوں کو جلا دیا اور ذخائر سامان کو برباد کردیا' پھر ایک پر جوش تقریر میں اس نے بتا یا کہ اب ہمیں فنا یا فتح میں ایک چیز انتخاب کرنی چاھئے ' ہمیں چاھئے کہ

---

* اس عجیب تفصیل کی نسبت جو ایک اور سلسلے میں وارد ہوی ہے نولدیکی کی کتاب " ساسانی " صفحہ ۲۲۹ ' حاشیہ ' نمبر ۱ ' ملاحظہ کرنی چاھئے —

اپنے فرائض کو مردانہ ادا کریں ' سب نے شجاعت کا وعدہ کیا ' کرتے بھی کیا ' کیونکہ دوسرا چارہ نہ تھا ' لڑائی شروع ہوئی ' وھرز نے اپنے قریب کے آدمیوں سے کہا کہ ذرا سلطان حبش کو دیکھ کر مجھے بتاؤ ' سلطان کی پیشانی انڈے کے برابر ایک یاقوت رمانی سے دھک رہی تھی اور وہ الگ نظر آتا تھا ' وھرز اپنے خچر پر سوار تھا ' اسی حالت میں اس نے ایک ساعت سعید انتخاب کر کے دشمن کے تیر مارا ' نشانہ سچا تھا ' تیر یاقوت کے بیچ میں پڑا ' پتھر ریزہ ریزہ ہو کر الگ جا پڑا ' اور تیر مسروق کی پیشانی میں گڑ گیا ––

وھرز کا تاریخی نشانہ

یمن کا الحاق

' بادشاہ کا کام تمام ہونا تھا کہ اس کی سپاہ کے قدم اکھڑ گئے ' فاتح ایرانیوں نے اس کو بے رحمی سے قتل کیا ' لیکن اس کے عرب اور حمیری ساتھیوں کی جان بخشی کی ' یمن ایران کا صوبہ ہو گیا ' اس کا پہلا حاکم ' اس کا فاتح وھرز تھا جس کی زندگی میں سیف نے بھی کچھ دنوں فرمانروائی کی ' وھرز کے بعد اس کا بیٹا پھر پوتا اور پڑ پوتا اور سب کے آخر میں جب کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا ایک اور خاندان کا ایرانی امیر 'باذان' مسند حکومت پر بیٹھا ' اسلام کے زمانۂ آغاز میں بھی ان ایرانی وطن گزینان یمن کے بہت سے قصے مشہور تھے ' اہل عرب ان کو ' بنوالا حرار ' یعنی امیر زادے کہتے تھے ––

آل ساسان کی سریع الزوالی

ان واقعات کے تھوڑی مدت بعد (۵۷۸ میں) نوشیروان کا پیام اجل آپہنچا اور ساسانیوں

کا انحلال شروع ہوا، دولت ایران کا ظاہر، جس کو اسلام کے سر فروشوں نے آئندہ صدی میں پاش پاش کردیا، اگرچہ ہیبت و افتخار کی شان رکھتا تھا لیکن اس کا باطن آخری تہ تک سڑچکا تھا، اور اس کے اندر سازشوں کا جال چھایا ہوا تھا، عالمگیر بے چینی و انتشار، برادر کُشی اور فتنۂ و فساد نے اس کا تار تار الگ کردیا تھا، جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے خود نوشیرواں کے عیسائی بیٹے انوش زاد نے اس کے خلاف سرکشی کی، نوشیرواں کے بعد اس کے جانشین ہرمزد چہارم نے اپنی حماقت اور احسان فراموشی سے بہرام چوبین کو بغاوت پر آمادہ کیا جس کے سبب سے ہرمزد اور اس کے بیٹے خسروپرویز کے درمیان مخاصمت پیدا ہوگئی، آخرالذکر اور اس کے دو چچا 'بسطام' اور 'بندویہ' وطن چھوڑ کر مشرقی روم کی سلطنت میں بھاگ گئے اور خود بادشاہ قتل ہوا، پرویز کی حکومت اگرچہ عرصے تک (یعنی ۵۹۰ سے ۶۲۷ ع تک) قائم رہی مگر قتل و سازش اور فساد و شر سے اس کو بھی چین نہ ملا۔ اور اپنے بیٹے شیرویہ کی تلوار سے مارا گیا، برائے نام ضابطے کی کارروائی کرکے اس کو غداری کا ملزم قرار دیا گیا اور یہ بے دردانہ توہین اُس خلاف قدرت ظلم کا ایک ضمیمہ تھا جو اِس کے ساتھ روا رکھا گیا، پدر کُش فرمانروا چند ماہ کی مسند آرائی کے بعد جس کا افتتاح اس نے اٹھارہ بھائیوں کے قتل سے کیا تھا بیمار ہوا اور ملک عدم کو راہی، پھر طاعون پھوٹ پڑا، اس نے ایران کو ویران کردیا اور معلوم ہوتا تھا کہ یہ وبا خدا کا قہر ہے جو نالائق 'شیرویہ' پر نازل ہوئی ہے،

اس کا کم سن لڑکا اردشیر جو صرف سات برس کا تھا تخت پر بیٹھا لیکن غاصب شہر براز نے اس کے پایہ تخت طیسفون میں اردشیر کا محاصرہ کرکے اس کو تلوار کے گھاٹ اتاردیا، ۴۰ دن (۹ جون سنہ ۶۳۰ ع) کے بعد شہر براز کو بھی اس کے تین محافظوں نے مار ڈالا، اب خسرو پرویز کی بیٹی پوران دخت، ایران کے خطرناک تخت پر متمکن ہوئی، بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ اس کی دانائی اور نیک نیتی امن و امان کا پھل لائے گی مگر سولہ ماہ کے مختصر عہد اور مشرقی روم کے بادشاہ کو " لکڑی کی اصل صلیب " (جس پر حضرت عیسیٰ مصلوب ہوئے تھے اور جو اس وقت ایران میں تھی) واپس کرنے کے بعد وہ بھی جان بحق تسلیم ہوئی، اس کا جانشین پیروز ہوا جو دور کے رشتے سے اس کے باپ کا چچیرا بھائی تھا، اس نے ایک مہینے سے کم حکومت کی اور اس کی جگہ اس کی خوبصورت بہن آذری دخت کے قبضے میں آئی - اس ملکہ نے ایک توہین کے انتقام میں خراسان کے سپہبد خرخ ہرمزد کو تہ تیغ کردیا اور خود بھی چھ ماہ کی مختصر حکومت کے بعد اپنے بیٹے ایرانی جرنل رستم کے ہاتھ سے ماری گئی، جو چار سال کے بعد (۶۳۵ ع) جنگ قادسیہ کی ہولناک شکست میں کام آیا، آذری دخت اور اس کے باپ کے پوتے یزدگرد سوم کے درمیان چار پانچ اور فرمانروا حباب کی طرح نمودار ہوکر غائب ہوگئے، کوئی تخت سے اتارا گیا، کوئی جان سے مارا گیا، بدنصیب یزدگرد اپنے شریف اور شاہی خاندان کا آخری بادشاہ تھا، اسلامیوں کے خوف سے تن تنہا تن بتقدیر بھاگا چلا جارہا تھا،

اس کے بدن پر صرف جواہرات باقی رہ گئے تھے ' جلھوں نے اپنے برباد اور مغرور مالک کے خلاف ایک ذلیل دہقان کے دندان طمع کو تیز کیا اور اسے افسوسناک موت مرنا پڑا - نوشیروان نے جب عبدالمسیح سے اپنے خواب کی تعبیر سنی تھی تو اس نے اپنے دل کو سمجھا لیا تھا کہ آخری تباہی کے لئے ایک زمانہ چاہئے ' ابھی تو میرے خاندان میں چودہ بادشاہ اور ہوں گے مگر اس خاندان کے پہلے چودہ بادشاہوں نے دوسو برس سے زیادہ فرمانروائی کی تھی ' کسے معلوم تھا کہ خسرو پرویز اور یزدگرد سوم کے درمیان جو (۱۱) تاجدار گزرے ان کی حکومتیں پانچ سال بھی پورے نہ کرسکیں گی * - پھر طرفہ یہ ہے

تباہی کے آثار

کہ اس تمام عرصے میں غنیم اس سلطنت کے دروازوں پر کھڑا روز افزوں اصرار کے ساتھ گرجتا رہا جس کی قسمت کا لکھا عنقریب پورا ہونے والا تھا ' تباہی کی علامتوں میں سے مورخ طبری † نے تین کی طرف خاص طور سے اشارہ کیا ہے - وہ لکھتا ہے " خدا کی طرف سے ان علامات ہی کے ذریعے خسرو پرویز کو خبر دار کر دیا گیا تھا کہ اگر اس نے رسول عربی (صلے اللہ علیہ و سلم) کے پیغام کو رد کر دیا تو اس کی سلطنت پامال ہو جاے گی - کہا جاتا ہے کہ جس خط میں یہ پیغام قاصد لے گیا تھا وہ الفاظ ذیل پر مشتمل تھا : —

---

* شیرویہ ۲۵ فروردی سنہ ۶۲۸ ع کو تخت نشین ہوا اور آل ساسان کا آخری تاجدار یزدگرد سوم ۶۳۲ کے آخر یا ۶۳۳ کے شروع میں۔

† [illegible] ۳۰۴ – ۳۲۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط خسرو پرویز کے نام*

بسم اللہ الرحمن الرحیم — من محمد رسول اللہ الی کسریٰ بن هرمز۔ اما بعد فانی احمد الیک اللہ الذی لااله الاهو و هو الذی اوانی و کنت یتیماً و اغنانی و کنت عائلاً و هدانی و کنت ضالاً۔ ولن یدع ما ارسلت به الا من قد سلب معقوله والبلاء غالب علیه۔ اما بعد یا کسریٰ فاسلم تسلم او اذن بحرب من الله و رسوله ولن یعجزها والسلام :—

ایک روایت سے پایا جاتا ہے کہ خسرو پرویز نے اس خط کو پرزے پرزے کر ڈالا، اس پر اسلامی سفیر نے بآواز بلند کہا "اسی طرح اے ناپاک بادشاہ! خدا تیری سلطنت کو ٹکرے ٹکرے اور تیری فوج کو تتر بتر کرے گا"۔ دوسری روایت میں درج ہے کہ ایرانی فرمانروا نے صوبہ دار یمن باذان کو (صفحہ ۳۲۱) لکھا کہ وہ فوراً مدینے پر چڑھائی کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم کو گرفتار کرے اور مدائن میں ان کو پابہ زنجیر لے آئے —

تنبیہی واقعات جن کے ذریعے خسرو پرویز کو دولت ایران کی سریع الزوالی سے آگاہ کیا جانا منقول ہے، تین انواع پر ترتیب پاتے ہیں :— خواب، علامات اور حقیقی

---

* یہ متن نہایۃ الارب کیمبرج کے موجودہ نایاب نسخے سے ماخوذ ہے، دیکھو جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بابۃ ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۰ صفحہ ۲۵۱ —

† دیکھو مضمون جو آخری نوٹ میں مذکور ہے صفحہ ۲۵۱ —

واقعات تاریخ —

تنبیہی واقعات (۱) خواب	خوابوں میں ایک خواب یہ تھا کہ خسرو پرویز نے کسی فرشتے کو دیکھا جو ایک

عصا کو توڑ رہا ہے - اس عصا کی تعبیر قوت ایران تھی - اس نے یہ بھی دیکھا کہ وہ فرشتہ دیوار پر کچھہ لکھہ رہا ہے فہایت الارب میں اس تحریر دیوار کا خلاصہ اس طرح سے دیا ہے :—

" اے کمزور انسان ! تحقیق خدا نے
اپنے بندوں کے پاس ایک رسول بھیجا
ہے اور اس کو ایک کتاب وحی کی ہے
پس اطاعت کر اور ایمان لا ، خدا
تجکو دنیا اور آخرت دونوں میں
بھلائی دے گا لیکن اگر تونے ایسا نہ کیا
تو عنقریب تو ہلاک ہو جائے گا اور
تیری سلطنت تباہ ہو جائے گی اور
تیرا اقتدار تجھہ سے رخصت ہوگا * " -

(۲) علامات	علامات میں پہلے تو ایک بند کا بار بار پھٹنا ہے جو بادشاہ کے حکم سے " دجلۂ عورا † "

---

* دیکھو طبری طبع یورپ ، ج ۱ ، صفحہ ۱۰۱۳ ، س ۷ - مترجم

† دیکھو لیسٹرینج کی کتاب (The Lands of the Eastern Caliphate) با معاد انڈکس —

(بصرے کے قریب دجلے کی ایک شاخ) پر با ندھا گیا تھا ' دوسرے اُس گنبد دار محراب کا بیٹھ جانا جس میں بادشاہ کے تخت پر پیچھے کے برا بر تاج لٹکتا تھا - تیسرے بجلیوں کا کوندنا جو مشرق کی طرف بڑھتی ہوئی حجاز تک پہنچ گئیں —

(۳) جنگ ذوقار

تاریخی واقعہ ذوقار کی لڑائی ہے' جو ۶۰۴ اور ۶۱۰ عیسوی کے درمیان واقع ہوئی ' یہ لڑائی بجائے خود کوئی اہم چیز نہ تھی' لیکن اس نے عربوں کو بتا دیا کہ اہل ایران با وجود اپنی قوت و شہرت اور بہتر تہذیب و تمدن کے غیر مغلوب نہیں ہیں ' آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم نے جب اس کا حال سنا تو کہا " آج پہلا دن ہے جب کہ عربوں کو اہل ایران کی طرف سے اطمینان حاصل ہوا ہے ' میرے ہی توسط سے اِن کو نصرت ملی ہے" —

باب پنجم

اہل عرب کا حملہ

عربوں کے عروج پر ڈوزی کی رائے

ڈوزی نے اسلام پر ایک پاکیزہ * کتاب لکھی ہے اس میں وہ رقمطراز ہے کہ

"ساتویں صدی کے پہلے نصف حصے میں ایران اور دولت بازنطائن میں ہر ایک شے معمول کے موافق اپنی اپنی ڈگر پر جاری تھی، مغربی ایشیا کے تسلط کا جھگڑا دونوں سلطنتوں کو ہمیشہ دست و گریبان رکھتا تھا، دونوں کا ظاہر ہر ایک آنکھ کو خوشنما اور سرسبز معلوم ہوتا تھا، محصول چاروں طرف سے کثیر رقموں میں کھنچا چلا آتا تھا اور دونوں کے پایۂ تخت عیش و طرب اور کر و فر کے لئے شہرۂ آفاق اور ضرب المثل تھے لیکن یہ جو کچھ بھی تھا دیکھنے ہی دیکھنے کا تھا، ورنہ دونوں سلطنتوں کی جڑوں میں گھن لگ چکا تھا

---

* اس کا فرانسیسی ترجمہ وکٹر شووین نے کیا اور نام یہ رکھا ہے "تاریخ اسلام پر ایک مضمون" (مطبوعہ لیڈن و پیرس ۱۸۷۹)

مسند آراؤں کی فرعونیت اور مطلق العنانی کے بوجھ نے دونوں ملکوں کو دبا رکھا تھا، شاہی خاندانوں کے کارنامے قتل و غارت کا ایک طولانی سلسلہ اور مذہبی نزاعوں کے باعث ملک کی تاریخ ظلم و تعدی کا ایک دفتر تھا، اس اہم موقعہ پر ایک نئی قوم گمنام صحراؤں سے دفعتاً اٹھی اور عرصہ گاہ عالم پر صف آرا ہوئی - پہلے اس قوم کے افراد بے شمار خانہ بدوش قبیلوں میں تقسیم اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے مگر اس وقت وہ متحد و متفق ہو گئے تھے اور ان کے اتحاد کا یہ پہلا موقع تھا لیکن یہی قوم ایسی تھی جس کی رگ و پے میں آزادی کا جوہر جذب اور جس کے ضمیر میں شرافت و مہمان نوازی اور ذہانت و شگفتگی کا عنصر شامل تھا - ان کی غذا سادی اور لباس بھی تکلف سے بری تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ ان میں غرور و تمکنت تھی، غصہ بھی ایسا تھا کہ اس کا آ جانا غضب تھا، مشتعل ہونے کے بعد انتقام و کینہ اور جور و تشدد کسی چیز سے ہاتھ نہ روکتے تھے - انھوں نے ایرانیوں کی واجب التعظیم مگر کرم خوردہ سلطنت کو دم کے دم میں الٹ دیا، قسطنطین کے جانشینوں سے ان کے بہترین صوبے چھین لئے، جرمنوں کی ایک تازہ قائم مملکت کو پامال اور باقی یوروپ کو خطرے کی حالت میں کر دیا - ایک طرف تو انھوں نے یہ طوفان برپا کیا دوسری طرف اس کا فتح مند لشکر ہمالیہ کے دامن تک گھس گیا، لیکن بر خلاف دوسری فاتح قوموں کے یہ لوگ ایک نئے مذہب کی اشاعت بھی کرتے جاتے تھے، ایرانیوں کی ثنویت اور بگڑی ہوئی

عیسویت کے مقابلے میں انھوں نے خالص توحید کو پیش کیا اور کروڑھا مخلوق نے اس کو قبول کیا اور آج بھی اس مذھب پر نوع انسان کا $\frac{1}{10}$ حصہ ایمان رکھتا ھے " جیسا کہ ھم ذکر کر چکے ھیں اور (چنگ ذوقار کے واقعات میں) دیکھ سکتے ھیں (عربوں میں بے حد سکت اور عملی قوتوں کی علامتیں جنھیں اس وقت تک ان کے ھمسایے نا قابل التفات سمجھتے رھے موجود تھیں اور غلبۂ اسلام سے قبل بھی اس کی کوئی خاص کمی نہ تھی- لیکن تہذیب عالم کی تاریخ میں انھوں نے جس قدر شاندار اضافہ کیا وہ صرف اسلام کا طفیل تھا' وہ اسلام جس کی سیدھی سادی مگر اعلیٰ تعلیم کی عظمت کو کوئی بے تعصب محقق نظر انداز نہیں کر سکتا - یورپین مورخ پیغمبر عربی پر تنقید کرتے وقت اکثر عرب کے ان حالات کو چھوڑ جاتے ھیں جن سے پیغمبر صاحب نے عربوں کو نکال کر انھیں اعلیٰ رتبے پر پہنچایا اور وہ اس امر کو بھول جاتے ھیں کہ بہت سی رسم رواج مثلاً کثیر الازدواجی اور بردہ فروشی جن کی وہ مذمت کرتے ھیں خود آنحضرت نے پیدا نہیں کیں بلکہ وہ پہلے سے ملک میں رائج تھیں اور پیغمبر صاحب نے ان کو صرف جائز رکھا - ابتدائی مسلمان ان بے شمار اصلاحات کو بخوبی محسوس کرتے تھے جو حضرت کی تعلیم سے وجود میں آئیں ؛ وہ اصلاحات کیا تھیں ؛ ھم ذیل کے بیان سے (جو ابن ھشام کی سب سے قدیم (۲۱۳ ھ — ۸۲۸ - ۲۹ ع) سیرت نبوی ماخوذ ھیں) اچھی طرح معلوم کر سکتے ھیں * :—

---

* مرتبہ وستنفیلڈ سنہ ۱۸۵۹ ع ویل کا ترجمہ ' اسٹٹ گرٹ سنہ ۱۸۶۴ ع

[نجاشی کا مہاجرین* کو اپنے روبرو طلب
کرنا اور ان سے اسلام کے متعلق سوالات کرنا
اور مسلمانوں کا جواب دینا]

"پھر اس نے (نجوش،یا فرمانروائے حبش)
(خدام کو) بھیجا کہ وہ رسول خدا کے
پیرووں کو بلا لائیں، جب ایلچی ان
کے پاس آیا تو وہ سب اکٹھے ہو گئے ؟
اور ایک دوسرے سے کہنے لگے، تم
بادشاہ کے سامنے جاوگے تو کیا کہوگے، ؟
سب نے جواب دیا، بخدا ہم وہی کہینگے
جو ہم جانتے ہیں اور جو کچھ رسول نے
ہم کو حکم دیا ہے، اس کا نتیجہ خواہ
کچھ ہو - پس جب کہ وہ نجوش کے
سامنے آئے تو اس نے بڑے بڑے پادریوں
کو جمع کر رکھا تھا اور یہ بادشاہ کے
گرد و پیش کتابیں پھیلائے ہوے بیٹھے
تھے، بادشاہ نے ان سے سوال کیا، یہ
کیا مذہب ہے جس کی خاطر تم نے اپنے
برادران ملک کو چھوڑ دیا اور جس کے

---

† لفظ مہاجرون (== ہجرت کرنے والے) محمد (صلعم) کے ان پیرووں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو مظالم سے تنگ آکر مکہ سے بھاگ گئے تھے اور حبش اور دیگر مقامات میں پناہ گزیں ہوئے تھے ۔

سبب سے نہ تم ہمارے مذہب کو اختیار
کرتے ہو اور نہ کسی دوسرے مذہب
کو؟" پھر جعفر رضی اللہ عنہ ابن ابی
طالب نے جواب دیا اے بادشاہ ہم
وحشی لوگ تھے جو بتوں کو پوجتے،
مردار کھاتے، شرم ناک کام کرتے،
برادری کے بندھنوں کو توڑتے اور ہمسایوں
سے برا سلوک کرتے تھے اور ہم میں جو
طاقت ور تھا کمزوروں کو کچل دیتا
تھا۔ ہم اس طرح سے زندگی بسر کیا
کرتے تھے کہ خدا نے ہم میں سے ہمارے
پاس ایک رسول جس کا حسب و نسب
جس کی دیانت و صداقت اور پاک
زندگی سے ہم واقف تھے بھیجا تاکہ
وہ ہم کو خدا کی طرف بلائے اور ہم
خدا کی توحید کا اعلان کریں، اس کی
پرستش کریں اور پتھروں اور بتوں کو
چھوڑ دیں جن کو ہم اور ہمارے باپ
دادا خدا کے بجائے پوجتے تھے۔ رسول نے
ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولیں اور
اپنے وعدوں کو پورا کریں، برادری کی
بندشوں کو سمجھیں اور پڑوسیوں کے
حقوق کو پہچانیں، حرام چیز اور

خون سے بچیں ؛ اس نے ہمیں برے کاموں
اور دھوکے کی باتوں سے روکا ' یتیموں
کا مال کھانے اور پاکدامن عورتوں کی
عزت لینے سے منع کیا اور اس نے حکم
دیا کہ ہم صرف خدا کی عبادت کریں
اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھیرائیں '
نمازیں پڑھیں ' خیرات دیں اور
روزے رکھیں " —

جب (حضرت) جعفر بادشاہ کو اسلام کے احکام گنا چکے تو انھوں نے کہا " پس ہم نے اس کو سچا تسلیم کیا ' اس پر ایمان لائے اور جو کچھہ وہ خدا کے پاس سے لایا تھا اُس کا اتباع کیا ' یعنی اکیلے خدا کی پرستش کرنے لگے اور اس کا کوئی شریک نہ کھڑا کیا ' جس کو اس نے حرام ٹھیرایا اُس کو حرام سمجھا اور جس کو حلال بتایا اُس کو حلال مانا ' اس پر ہماری قوم کے لوگ ہمیں ستانے اور اذیتیں پہنچانے لگے اور ہمیں ہمارے اعتقاد سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگے تاکہ ہمیں خداپرستی سے بت پرستی کی طرف لوٹا کر لے جائیں اور ہمیں ترغیب دینے لگے کہ ہم برے فعلوں کو جنھیں ہم پہلے جایز سمجھتے تھے پھر جایز قرار دیں ' پس انھوں نے ہمیں مجبور کرنے کی کوشش کی ' ہمیں تکلیفیں دیں ' ہمارے پیچھے پڑگئے اور ہمارے اور ہمارے مذہب کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کی ' اس لئے ہم تیرے ملک میں آ نکلے ' تیرے سوا ہرچیز پرتجھہ کو ترجیح دی ' اور تیری حفاظت کے آرزومند ہیں

' اور اے بادشاہ! اب ہم التجا کرتے ہیں کہ تیرے سامنے ہم کو ایذائیں نہ پہنچائی جائیں ''—

اس کے بعد نجاشی نے اُن سے کہا ' کیا تیرے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو تیرے نبی کو خدا کے ہاں سے پہنچی ہو؟ (حضرت) جعفر نے کہا' ہاں' بادشاہ نے کہا اچھا! تو مجھے سنا' اس پر (حضرت) جعفر نے سورہ مریم (کھیعص) ٭ کے ابتدائی کلمات پڑھے' نجاشی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور وہ ایسا رویا کہ اس کی ڈاڑھی تر ہوگئی' اس کے پادری بھی یہ سن کر اُس کے ساتھ رونے لگے یہاں تک کہ ان کی کتابیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں' اس کے بعد نجاشی بولا' حقیقت میں یہ اور وہ جس کو موسیٰ لائے تھے ایک ہی شمع کا نور ہے ' اب جاؤ میں خدا کو شاہد کرتا ہوں کہ تمہاری قوم کے لوگ تمہارے پاس نہ آنے پائیں گے بلکہ آنے کا خیال تک بھی نہ لائیں گے —

آنحضرت کی عادات و خصائل اور ان کی غایت کی بحث کو اس مقام پر چھوڑا گیا تو ہم کہیں سے کہیں پہنچ جائیں گے بالخصوص جب کہ ان موضوعات پر ' آن حضرت کے سوانح' ان کے

٭ قرآن شریف سورہ ۱۹ جو زیادہ تر سورہ مریم کے نام سے مشہور ہے ' سورہ مریم اور دوسری انتیس سورتوں کے شروع میں جو پر اسرار حروف آئے ہیں ان کے متعلق دیکھو سطر کے " ابتدائی ضمیمہ الامور " حصہ سوم —

تعلیم کے ارتقا اور ترقی پر جو ابتدا رفتار میں آہستہ لیکن بعد میں بجلی کے مثل تھی اور خود مذہب اسلام پر سیل ، ، اسپرگز ، موئیر ، کریہل ، نولڈیکے ، بوسویل اسمتھ اور سید امیرعلی نہایت قابلیت سے اور کافی طور پر بحث کرچکے ہیں۔ ان میں سید امیرعلی کی تصنیف اُن لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ مطالعہ کرنی چاہئیے جو یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ اسلام اور اس کے پیغمبر نے آج بھی اُن مسلمانوں پر جو مغربی تعلیم اور مغربی شائستگی میں رنگے ہوئے ہیں کس قدر سخت گرفت کر رکھی ہے کیوں کہ سید موصوف نے اپنی کتاب ایک ایسے مسلمان کی حیثیت سے لکھی ہے جو وسعت قلب اور وسعت نظر کے لحاظ سے ممتاز اور یوروپ و ایشیا کے خیالات سے بخوبی آشنا ہے -(اسلام کی زبردست قوت اس کی سادگی اس کی لچک اور اس کے اعلیٰ لیکن کامل طور پر ممکن الحصول اخلاقی معیار میں مرکوز ہے'- اس میں شک نہیں کہ عیسوی اخلاق کا معیار زیادہ بلند ہے مگر وہ انسان کی دسترس سے دور اور سلطنت کی دسترس سے دور تر ہے ، اسلامی کامل سیاست خیال میں آسکتی ہے اور آنحضرت کے قریبی جانشین خلفاے راشدین کے عہد میں کامل طور پر یا قریب قریب وجود میں بھی آچکی ہے ، ان خلفا کے عہد کی بابتہ مورخ الفخری کا بیان ہے :—

الفخری کا بیان

" واضح ہو کہ یہ سلطنت اس دنیا کی سلطنتوں کے طور پر نہ تھی بلکہ اس کا نظم و نسق پیغمبر انہ ناموس اور اس کے

حالات عالم آخرت کے مطابق تھے ' حقیقت کو دیکھا جائے تو خلافت کے قاعدے پیغمبروں کی ہدایت یا ولیوں کے طریقوں کے مطابق تھے اور اس کی فتوحات شاہان کبار کی فتوحات تھیں۔ وہ کیا قاعدے تھے؟ زندگی میں سختیاں' غذا موٹی جھوٹی اور لباس سیدھا سادہ تھا؛ ایک خلیفہ کی یہ حالت تھی کہ وہ بازاروں میں پیدل پھرتے تھے ' بدن پر ایک شکستہ قمیص ہوتی جو بمشکل گھٹنوں تک پہونچتی تھی ' پاؤں میں ان کے کھڑاؤں اور ہاتھ میں کوڑا ہوتا ' کوڑے سے ان لوگوں کو جو مستوجب ہوتے سزا دیتے تھے۔ ان کی غذا غریب سے غریب شخص کی سی ہوتی تھی ' امیرالمومنین (رضی اللہ عنہ) شہد اور عمدہ روٹی کو حد درجے کا عیش و عشرت سمجھتے تھے کیونکہ انھوں نے اپنی تقریروں میں اونک بار کہا تھا " اگر میں چاہتا تو مجھ کو نہایت اچھا شہد اور جو کی نہایت نرم روٹی مل سکتی تھی " —

یہ بھی واضح ہو کہ لباس اور غذا

میں ان کی سادگی کچھ اس سبب سے
نہ تھی کہ وہ نادار تھے یا زرق برق
لباس اور نہایت شیریں غذائیں ان کو
میسر نہ تھیں بلکہ ان کا یہ سادہ
طریقہ صرف اس لئے تھا کہ وہ اپنی
حالت اپنی غریب سے غریب رعایا کے
برابر کردیں اور جسم سے اس کی
خواہشات کو جدا کر دیں اور اسے ایسا
قابو میں لائیں کہ وہ اپنے بہترین
امکانات کا عادی ہو جائے؛ ورنہ ہر ایک
خلیفہ کے پاس کثیر دولت کھجوروں
کے جھنڈ کے جھنڈ باغات اور اسی نوع
کے دوسرے سامان موجود تھے۔ ان کا
بڑا خرچ خیر خیرات اور نذر وقربانی
کا تھا' امیرالمومنین علی (رضی اللہ عنہ)
کی ذاتی املاک کی آمدنی بہت بڑی
تھی لیکن وہ اسے غریبوں اور محتاجوں
پر صرف کرتے تھے اور خود معہ اہل
و عیال کے سوت کے موٹے کپڑوں اور
جو کی ایک روٹی پر گزارہ کرتے تھے۔
رہیں ان کی جنگی مہمات اور ملکی
فتوحات سو بے شبہ ان کے رسالے افریقہ
میں پہونچے تھے اور خراسان کی آخری

سرحدوں تک پہنچ گئے تھے اور دریائے
جیحوں کو عبور کر گئے تھے "—

عربوں کے خصائل

محمد (صلعم) کا کام کچھ آسان نہ تھا، آغاز تبلیغ سے آٹھ یا دس برس بعد بلکہ در حقیقت (۶۲۲ میں) مکہ سے ھجرت کے وقت تک ان کی ھدایت و محنت ان افراد کے سوا جن کا اعتقاد نہ تو مایوسی کو راہ دیتا تھا اور نہ غیرممکن کو خاطر میں لاتا تھا سب کو اکارت جاتی ھوئی نظر آتی تھی۔ کچھ یہی نہ تھا کہ اھل عرب خصوصاً صحراؤں کے بدو اپنے کہن سال دیوتاؤں اور قدیم رسموں کو چھوڑنا نہیں چاھتے تھے بلکہ وہ اسلام کے زاھدانہ مقاصد کو سرے سے نا پسند کرتے تھے وہ اسلام کی دھمکیوں اور سزا و جزا کے وعدوں کو قبر کے بعد تسلیم نہیں کرتے تھے اور اس ریاضت و تربیت سے کوسوں دور بھاگتے تھے جس کی طرف انہیں بلایا جاتا تھا۔ صحرا کا خالص بدو آج تک سخت متشکک اور گہرا مادہ پرست ھے؛ اس کی ٹھوس، صاف، تیز مگر کسی قدر محدود عقل جو اپنی اقلیم معاملات میں ھر وقت بیدار رھتی ھے غیر مادی اور فوق الحواس اشیا کو نہ تو بھولے پن سے مانتی ھے نہ ان کی ٹوہ میں لگتی ھے؛ اس کی خود سرا اور پر اعتماد فطرت میں نہ تو ایسے خدا کی گنجائش تھی اور نہ ایسے خدا کی ضرورت جو اگرچہ اس کی حفاظت کے لئے کافی تھا مگر خدمت و ایثار بھی چاھتا تھا۔ باقی عربوں کے لئے بھی محمد (صلعم) کا اللہ تعالیٰ ان کے نزدیک کوئی نیا انکشاف نہ تھا، اور اگر قدیم بت پرست عرب چھوٹے خداؤں کی نسبت

اس اللہ تعالیٰ پر کم متوجہ ہوتے تھے یا اس کی نذر و نیاز میں گھٹیا چیزیں پیش کرتے تھے تو اس کا سبب یہ تھا کہ اول الذکر ایک طرح سے قبیلے کی ملکیت ہوتے تھے، اس لئے ان سے امید تھی کہ وہ اپنے قبیلے کے معاملات میں زیادہ سرگرمی دکھائیں گے۔ تاہم اگر معاملات پوجنے والوں کی منشا کے موافق انجام نہ پاتے تو ان خداؤں کی تعظیم میں فرق آجایا کرتا تھا اور بقول تورزی " وہ بات بات پر اپنے خداؤں سے بگڑ جاتے اور ان کی سرزنش و بے حرمتی سے نہ چوکتے"۔ اگر غیبی جوابات ان کی مرضی کے خلاف ہوتے تو وہ ان کی توہین کرتے، وہ بت جو قربانیوں کو مناسب طریقوں پر نہ قبول کرتے گالیاں کھاتے اور پتھروں کا نشانہ بنتے۔ الغرض دیوتا ذرا ذراسی بات پر معزول اور معتوب کردیے جاتے تھے۔ ان تمام باتوں کے با وجود عرب کے باشندے نئے اور سختی کرنے والے مذہب کی طرف مائل نہ ہوئے، پرانے خدا گو نکمے تھے لیکن کم از کم مانوس اور بے ضرر بھی تھے، اگر وہ بندوں کو دیتے کم تھے تو معاوضہ کی امید بھی کم کرتے تھے، مگر اسلام ان کی ذرا رو رعایت نہیں کرتا تھا، انھیں اور ان کے پوجنے والوں حتیٰ کہ ان کے آبا و اجداد کو جہنمی بتاتا تھا، اس کا بت شکن جوش ان کے نہایت محبوب بت کی بقا ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ کرتا تھا، مزید بریں جیسا کہ ڈاکٹر گولڈزیہر، نے اپنی فاضلانہ اور روشن کتاب "اسلامی حالات" کے پہلے باب میں دین و مروۃ کے عنوان سے صاف طور پر ثابت

کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت اور اسلام کے مطمحوں میں نہ صرف باعتبار چند در چند عدم مطابقت تھی بلکہ وہ ایک دوسرے کے سراسر خلاف تھے، شجاعت و دریا دلی، فیاضانہ مہمان نوازی و قبیلہ پرستی اور بدی کا انتقام یا توہین کا بدلہ خواہ وہ ایک شخص کے ساتھ، اس کے اعزا کے ساتھ یا اس کے اہل قبیلہ کے ساتھ کی گئی ہو، عروب جاہلیت میں یہ خصوصیات بدرجہ اُتم موجود تھیں اور صفات عالیہ تسلیم کی جاتی تھیں؛ بخلاف ان کے رضا و توکل، صبر و تحمل، ذاتی اور قومی مفاد کو مذہب کے مطالبات کا تابع کرنا، عدم دنیا داری اور غرور و نمود سے اجتناب اور اسی قسم کی بہت سی باتیں جو اسلام اپنے ساتھ لایا تھا عربوں کو تضحیک و حقارت پر مشتعل کرتی تھیں —

زمانہ جاہلیت اور اسلام کا مقابلہ

اس موازنے کو زیادہ واضح کرنے کے لئے ہم اس اسپرٹ (حقیقت) کو پیش کرتے ہیں جو ذیل کے دو اقتباسوں سے جداگانہ طور پر نظر آتی ہے، پہلا اقتباس تو قرآن مجید سورۂ بقر (پنجم ۱۷۸) کا ہے اور دوسرا ایک نظم ہے جو ڈاکو مطرب تابطہ شراً سے منسوب کی جاتی ہے، یہ نظم بھی بہت کچھ معنی خیز ہے، اس کے معنی ہیں "اس نے گوٹ بھرکے شرارت لی" —

پہلا اقتباس یہ ہے :—

لیس البران تولوا و جو هکم
قبل المشرق والمغرب ولکن البر
من آمن باللہ و الیوم الاخر و
الملائکہ و الکتاب و النبیین و
آتی المال علی حبہ ذوی القربی
و الیتمی و المساکین و ابن
السبیل و السائلین وفی الرقاب
واقام الصلوۃ و اتی الزکوۃ و
الموفون بعہدہ هم اذا عاهدوا
و الصابرین فی الباساء والضراء
و حین الباس اولئک الذین
صدقوا و اولئک هم المتقون-

نیکی یہی نہیں کہ اپنا منہ (نماز میں) مشرق یا مغرب کی طرف کرلو بلکہ (اصل) نیکی تو ان کی ہے جو اللہ اور روز آخرت اور فرشتوں اور (آسمانی) کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور مال (عزیز) اللہ کی محبت میں رشتہ داروں اور یتیموں' محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیا اور (قید غلامی سے لوگوں کی) گردنوں کو (چھڑانے) میں دیا اور نماز پڑھتے اور زکواۃ دیتے رہے اور (کسی بات کا) جب وعدہ کرلیا تو اس کو پورا کیا نیز تنگی میں تکلیف میں ھلا چلی کے وقت ثابت قدم رہے یہی لوگ سچے اور پرہیزگار ہیں *

* سر ولیم میور کی مختصر و پاکیزہ کتاب " اقتباسات قران " میں درج ہے (مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۸۰ ع) —

تابطہ شرآ کا قصیدہ

دوسرے اقتباس کے متعلق بعض محققوں کا خیال ہے کہ وہ جعلی ہے اور علامہ خلف الاحمر نے جو طباع ہونے کے باوجود صدق و راستی کا زیادہ پابند نہ تھا' تصنیف کیا ہے؛ لیکن متوفی پروفیسر رابرٹسن اسمتھ کی رائے ہے اور بخیال راقم معتدل رائے ہے کہ قصیدے میں ایام جاہلیت کی خصوصیات اس قدر صاف جھلکتی ہیں کہ اسے مشکل سے جعلی کہہ سکتے ہیں یا اگر یہ واقعی خلف الاحمر کی اختراع ہے تو گویا اسے نہایت خوبی کے ساتھ ایک ایسے قالب میں ڈھالا ہے جس میں جاہلیت کا خالص رنگ موجزن ہے * —

اس میں شاعر نے اوس انتقام کا ذکر کیا ہے جو اس کے ماموں کے قتل پر قبیلہ ہذیل سے لیا گیا تھا ' قصیدہ مقتول کی تعریف سے شروع ہوتا ہے :—

ترجمہ

نیچے نالے میں سلعہ ایک مقتول آدمی

پڑا ہے اس کا خون بغیر بدلے نے نہیں

چھوڑا گیا ہے وہ چلدیا اور انتقام کا بار

---

* اس نظم کا متن رائٹ کی " عربی کتاب " صفحہ ۱۸۷–۱۸۸ (مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۷۰ ع) میں دیکھنا چاہئے اور اس کا شگفتہ منظوم جرمن ترجمہ اُس مضمون میں جو ' رور ' نے اس شاعر پر لکھا ہے اور جو جرمن جلد دھم (بابت سنہ ۱۸۵۶) صفحہ ۷۴–۱۰۹ میں شائع ہوا ہے —

مجھے ترکہ میں دیتا گیا ، میں نے اس بار کو خوشی سے اٹھا لیا - خون کے انتقام کی فکر میں بہن کا ایک بیٹا ہے وہ ایسا شمشیر بند ہے کہ اس کی زرہ کبھی ڈھیلی نہیں ہوئی، وہ ایک خاموش سراغی ہے جس کے بدن سے پسینے کی جگہ زہر بہتا ہے اور ایک ایسے سرسرانے والے سانپ کی طرح سراغ لگاتا ہے جو زہر اگلتا ہے- جو خبر ہمارے پاس پہونچی وہ جان گُسل اور دردناک تھی ، اس کا اثر اتنا بڑھا کہ ہم میں سے بڑے سے بڑا چھوٹا معلوم ہونے لگا ؛ قسمت نے (جو ہمیشہ بے وفا ثابت ہوئی ہے) ہم سے ایک ایسا آدمی چھین لیا جس کے قریب جانا مشکل تھا اور جس کا موکل کبھی ذلیل نہیں ہوا - وہ موسم سرما میں آفتاب کی کرن تھا یہاں تک کہ جب شعرائے یمانی چھکا تو وہ بالکل ٹھنڈا اور سایہ کے مثل تھا ؛ اس کے پہلو دبلے تھے لیکن محتاجی کے باعث نہیں، وہ فیاض ، عقلمند اور مغرور تھا ، وہ عاقبت اندیشی کے ساتھ سفر کرتا تھا چنانچہ جب وہ ٹھیرتا تو جہاں وہ

ٹھیرتا عاقبت اندیشی بھی ٹھیر جاتی
جب وہ داد و دہش پر اترتا تو بارش
کے بادلوں کا برسنے والا سینہ بن جاتا
اور جب وہ میدان میں کودتا تو شیر
فاتح بن جاتا - قوم میں وہ سب سے
زیادہ دراز ریش تھا، سانولا اور
گھیردار اور جب وہ جنگی کوچ میں
ہوتا تو - نازک رفتار گرگ کی
طرح چلتا، اس کے پاس دو ذائقے
تھے شیرین اور تلخ اور ہر شخص نے
ان دونوں ذائقوں کو چکھا - وہ گھوڑے پر
سوار ہو کر خطرے یعنی صحرا میں
اکیلا سفر کرتا تھا کوی اس کے ساتھ
نہ ہوتا سواء اس کی دندانہ دار یعنی
تلوار کے - بہادروں کا ایک گروہ دوپہر
کی دھوپ اور پھر رات کی اندھیری
میں سفر کر رہا تھا، آخر جب صبح
کی کُھر صاف ہو گئی تو وہ اُتر پڑا، ہر
مشتاق جنگجو کے پہلو میں ایک تیز
تلوار لٹکتی تھی اور جب وہ میاں سے
باہر نکلتی تو بجلی کی طرح چمک
جاتی - پس ہم نے ان سے خون کا بدلا
لیا اور دونوں گروہوں میں سے معدودے

چند کے سواء کوئی نہ بچا، وہ نیند کے
جھونٹوں میں تھے اور جب وہ اونگھنے
لگے تو میں نے ان کو سراسیمہ کر کے منتشر
کر دیا اور اگر صفیل نے اس کی تلوار
کا پھل توڑ دیا تو کیا ہوا اس نے بھی
تو صفیل کے کئی ایک پھل توڑ ڈالے۔
اس نے کئی بار ان کو نا ہموار جھکنے
کی جگہ جھکایا جہاں پاؤں ٹوٹ ٹوٹ
گئے اور کئی بار اس نے صبح کے وقت
ان کو ان کی پناہ گاہوں میں چھپ کے
جالیا اور اس صورت سے جب کشت و
خون ہو چکا تو لوٹ مار شروع ہوئی۔
میں نے صفیل کو بھونا اور میں ایسا
جنگ جو ہوں جو بدی سے اس وقت
تک نہیں تھکتا جب تک کہ وہ نہ تھک
جائیں۔ اس کے نیزے کو پہلا گھونٹ کون
دیتا ہے؟ جب وہ اپنا پہلا گھونٹ پی لیتا
ہے تو وہ دوسرا گھونٹ لیتا ہے، شراب
میرے لئے اس وقت حلال ہو گئی جب کہ
وہ حرام تھی اور کس قدر مشکل سے
یہ کبھی حلال ہو جاتی ہے۔ اے
سواد ابن عمر! لا شراب دے کیونکہ
میرے خالو کی موت سے میرا جسم

دبلا ہوگیا ہے کفتار صفیل کے مقتولوں پر
ہنستا ہے اور تم دیکھہ سکتے ہو کہ
بھیڑیا ان پر اپنے چمکدار دانت نکال
رہا ہے اور شکاری پرندے صبح کو
پیٹ اٹے ہوئے اُٹھتے ہیں اور ان
لاشوں کو روندتے ہیں اور اُڑ نہیں سکتے

الغرض جیسا کہ میور نے خوب کہا ہے " غیر مسلم عربوں کی انتہائی نیکی " مروۃ " (" جواں مردی " یا نیکی ") کا لب لباب عزت و انتقام تھا ' حریت' شجاعت' سخاوت' نیکی کا بدلہ نیکی اور بدی کا بدی پیش کرنا مگر دل کھول کر مے و معشوق اور میدان جنگ کو جان کے برابر سمجھنا زندگی کو عزیز رکھنا اور موت سے نہ ڈرنا ' خود مختاری و خود اعتمادی اور غرور و غارتگری اختیار کرنا سب سے بڑھ کر یہ کہ جائز یا نا جائز ہر حالت میں اپنے بھائی بندوں کا ساتھہ دینا اور رشتۂ خون کو جملہ واجبات سے افضل جاننا۔ قدیم عربوں کے انتہائی خیالات یہ تھے اور موجودہ وحشی بدؤں کے خیالات بھی یہی ہیں جو نام کے سوا مشکل سے کسی اور چیز کے مسلمان ہیں۔ آنحضرت کے چچا ابو طالب جس طرح اپنے بھتیجے کے ساتھہ پیش آئے وہ بھی اس قوم کے خیالات کا نمونہ ہے اور اس سے دل پر اثر ہوتا ہے۔ پیغمبر کے دل کو لگی ہوی تھی کہ وہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں انہوں نے بہت کوشش کی اور انہیں سمجھایا لیکن انہوں نے جواب دیا " میں اپنے باپ داداؤں کا مذہب اور جو کچھہ وہ مانتے تھے اسے نہیں

چھوڑ سکتا لیکن بخدا جب تک میں زندہ ہوں تجھ پر کوئی ایسی بات نہ آنے دوں گا جس سے تجھے تکلیف پہنچے * —

ابو طالب آنحضرت کو نبی بر حق نہیں سمجھتے تھے اور سمجھتے تھے تو وہ اپنے باپ داداؤں کی صحبت میں جہنم کی آگ کو اس جنت پر ترجیح دیتے تھے جو ایمان کے انعام میں انہیں دی جاتی مگر باوجود اس کے وہ اس کی تاب نہیں لاسکتے تھے کہ غیر ان کے بھتیجے کو ستائیں —

ہجرت نبوی (۶۲۲ع) سے دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر کی خلافت تک کا زمانہ (۶۴۴ع) اسلام کی زاہدانہ زندگی کا دور زریں تھا اور یہ دور اسلام کی فلسفیانہ زندگی کے دور سے بالکل جدا چیز ہے' اگرچہ الفخری کے مذکور الصدر اقتباس میں جس بہترین " مذہبی حکومت " (تھیو کر یسی) کو بیان کیا گیا ہے وہ حضرت علیؑ کی وفات تک (۶۶۱ع) جنہیں دنیائے اسلام کا ایک کثیر گروہ جانشینان پیغمبر میں سب سے شریف' بہتر اور لائق مانتا ہے ' قائم رہی ' لیکن خلیفہ سوم حضرت عثمان کی خلافت میں نفاق و فرقہ بندی قتل و خانہ جنگی اور آپس کے جھگڑوں نے جنم لے لیا تھا - آں حضرت اس وقت تک زندہ رہے جب تک کہ بظاہر سارے عرب نے ان کی تعلیم کے آگے سر نہ جھکا لیا لیکن جونہی ان کی آنکھ بند ہوئی ' عربی قبائل میں اسلام کے خلاف ایک عالمگیر بغاوت نے سر اٹھایا اور جب تک کہ اس بغاوت کی آگ خون میں نہ بجھ گئی اور تارکان دین قتل یا مطیع نہ کر لئے گئے حضرت ابوبکر نے غیر

---

* ابن ہشام (مرتبہ وسٹن فلیگ) صفحہ ۱۹۰ —

عربی ممالک کی تسخیر اور ان کو مسلمان کرنے کی طرف کامل توجہ نہ کی؛ ان میں ہمارا تعلق صرف ایران سے ہے جس کی تفصیل کے لئے ہم شگفتہ بیان اور مرقع نگار الفخری کے صفحوں سے ایک بار اور استفادہ کرتے ہیں - اس نے ان علامات اور تنبیہات کی صراحت کی ہے جن کے باعث نوشیروان اور خسرو پرویز کو سخت فکر دامن گیر ہوگئی تھی اور اس کے بعد یہہ لکھا ہے کہ " اس قسم کی بد شگونیوں کا تار بندھ گیا اور ان کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ معاملے کا تصفیہ نہ ہوگیا " پھر وہ لکھتا ہے :—

الفخری اور ایران کی تقدیر

" اور در حقیقت جب رستم سعدبن ابو وقاص کے مقابلہ پر آیا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ گویا آسمان سے ایک فرشتہ اترا اور اس نے ایرنیوں کی کمانوں کو جمع کرکے ان پر مہر لگائی اور انہیں اپنے ساتھہ لیکر آسمان کی طرف چلا گیا ۔ اس پر عربوں کے سچے اقوال، خود اعتمادی اور مصائب میں ان کے بے حد صبر کے متعلق ایرانیوں نے جو کچھہ باتیں دیکھی تھیں وہ مستزاد ہیں ، اس کے سوا آخر میں شہریار کی وفات اور یزدگرد کی تخت نشینی پر جو اس وقت ایک نو عمر اور ناقص التدبیر لڑکا تھا خود ایرانیوں کے درمیان

مخالف آوازیں پیدا ہوگئیں ، پھر سب سے آخری اور سب سے بڑا سانحہ یہ گزرا کہ جنگ قادسیہ میں دفعۃً ان کے خلاف ہوا کا رخ بدل گیا جس کی خاک نے ان کی آنکھوں کو اندھا کردیا اور ان کے چاروں طرف تباہی کا ایک حصار کھینچ دیا ، اس جنگ میں رستم قتل ہوا اور ایرانیوں کی فوج تتر بتر - پس ان علامتوں پر غور کرو اور جانو کہ خدا ایک مقصد رکھتا ہے جسے وہ پورا کرتا رہتا ہے " —

عراق پر فوج کشی اور ایران کی تسخیر

" عربوں کے خیال میں ایران کی سرحد سب سے زیادہ مستحکم اور خطرناک تھی اور وہ ان استحکامات سے اس قدر ہیبت زدہ تھے کہ ان پر حملہ کرتے ہوئے جھجکتے تھے اور وہ سلاطین عجم کے ادب اور اُن کی اس طاقت کے باعث جس کو وہ دیگر قوموں کے زیر کرنے میں دکھا چکے تھے اُن سے پہلو بچاتے تھے ، یہ خیال حضرت ابوبکر کے اواخر ایام تک قائم رہا اور پھر صحابہ میں سے المثنی بن

حارثہ کھڑے ہوے ' انھوں نے لوگوں
کو ایرانیوں سے جنگ کرنے کے لئے
اکسایا اور کہا یہ بات ھی کیا ھے اور انھیں
ھمت دلائی ' اس پر ایک گروہ تیار
ہو گیا اور لوگوں کو پیغمبر خدا کا
قول یاد آیا کہ انھوں نے ایرانی سلاطین
کے خزانوں پر قبضہ کرنے کے متعلق
کیا فرمایا تھا ' مگر حضرت ابو بکر
کے عہد تک اس معاملے میں کوئی
عملی کار روائی نہ ہوئی '' —

'' لیکن حضرت عمر ابن الخطاب کے
زمانے میں مثنیٰ بن حارثہ نے ان کو
لکھا کہ ایران کے حالات ابتر ھیں اور
نیا بادشاہ یزد گرد ابن شہر یار جو
ابھی کمسن لڑکا ھے تخت پر بیٹھا ھے -
واقعی تخت نشینی کے وقت یزدگرد
کی عمر ۲۱ سال کی تھی - اس خبر
پر حملۂ ایران کا شوق عربوں کے دلوں
میں زیادہ ھوا اور حضرت عمر فوج
لے کر مدینہ سے باھر آ ئے لیکن کسی
کو معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں جا رھے
ھیں اور نہ کسی کو اتنی جرأت ہوئی کہ
ان سے کوئی بات پوچھتا - آخر کار

ایک شخص نے ایک بار ان سے پوچھا
کہ روانگی کا وقت کیا ھے مگر ایک
جھڑکی کے سوا اسے کوئی جواب نہ ملا "
" مسلمانوں کا قاعدہ تھا کہ کسی بات
سے وہ بے چین ھوتے اور اس کی نسبت
انھیں پوچھہ گچھہ کی ضرورت ھوتی
تو وہ عثمان ابن عفان یا عبدالرحمن
ابن عوف کے پاس چلے جاتے اور اگر
معاملہ بہت ھی ضروری ھوتا تو وہ
ان دونوں کے ساتھہ حضرت عباس کو
بھی شامل کر لیتے' چنانچہ عثمان نے عمر
سے کہا " اے امیرالمومنین آپ کے پاس
کیا خبر آئی ھے اور آپ کا ارادہ کیا
ھے ! حضرت عمر نے صلواۃ جامع کی
منادی کرائی اور جب لوگ ان کے
گرد و پیش جمع ھو گئے تو انھوں نے
اصل بات کا اعلان کیا' لوگوں کو نصیحت
کی اور ایرانیوں پر حملہ کرنے کی
ترغیب دی اور مہم کو ایک معمولی
سی چیز بیان کیا' لوگ نہایت خوشی
سے راضی ھو گئے - بعد ازاں انھوں نے
کہا کہ آپ بذات خود ھمارے ساتھہ
چلیں' عمر نے جواب دیا اچھا بشرطیکہ

اس سے بہتر کوئی اور تدبیر نہ ہوئی۔
پھر انھوں نے صحابہ میں سے ان
اشخاص کو طلب کیا جو سب سے زیادہ
ممتاز صائب‌الرائے اور دور اندیش
تھے، انھیں اپنے رو برو طلب کیا اور ان
سے مشورہ چاہا۔ انھوں نے مشورہ دیا
کہ وہ جنگ میں نہ جائیں اور صحابہ
میں سے کسی بڑے آدمی کو بھیج
دیں اور خود پیچھے رہ کر کمک اور
مدد سے اسے تقویت پھونچائیں۔ اگر
ہماری فوجیں کامیاب ہوئیں تو ہمارا
مقصد پورا ہوگا اور ہلاک ہوئیں تو
ان کی جگہ وہ اور بھیج دیں " —
" پس جب لوگوں کو اس تدبیر پر
اتفاق ہوگیا تو حضرت عمر منبر پر آئے
کیونکہ اُن کا دستور تھا کہ جماعت
سے خطاب کرنے کے لئے اُن میں سے ایک
شخص منبر پر چڑھتا اور جس موضوع
پر اس کی خواہش ہوتی گفتگو کرتا۔
پس جب عمر منبر پر پھونچ گئے تو
انھوں نے کہا اے لوگو! میں تمہارے
ساتھ جانے کو بالکل تیار تھا لیکن
تمہارے عاقل اور عاقبت اندیشوں نے

مجھے اس ارادے سے روک دیا اور کہتے
ہیں کہ میں یہیں پیچھے رہ جاؤں اور
تمہارے ساتھ کسی اور صحابی کو
بھیج دوں جو لڑائی کا اہتمام انصرام
کرے۔ پھر انھوں نے ان سے پوچھا کہ
وہ کس کو چاہتے ہیں - اس موقع پر
انھیں سعد بن ابی و قاص کا ایک خط
دیا گیا جو اس زمانے میں کسی کام
پر باہر گئے ہوئے تھے' لوگوں نے عمر
سے ان کی سفارش کی اور کہا وہ حملے
میں شیر کی طرح جھپٹتے ہیں - یہ
تجویز خلیفہ نے پسند کی ' سعد کو
بلایا اور عراق کا سپہ سالار بنا کر فوج
ان کے سپرد کردی " —

پس سعد فوج کے ساتھ روانہ ہوے
اور حضرت عمر بھی کچھ فرسنگ تک
اُن کے ساتھ گئے پھر انھوں نے فوج کو
نصیحت کی اور جہاں پر آمادہ کیا '
اس کے بعد خدا حافظ کہا اور مدینے
واپس چلے آئے ' لیکن سعد برابر آگے
بڑھتے رہے اور راستہ بدل کر حجاز
اور کوفہ کے درمیانی صحرا میں نکل
آئے ' اس اثنا میں وہ ہر قسم کی

خبریں فراہم اور عمر (رض) کے خط پر خط وصول کرتے ہوے چلے۔ خلیفہ ہر خط میں تدبیر پر تدبیر لکھتے تھے اور مسلسل کمک سے تقویت پہونچا رہے تھے، آخرالامر سعد (رض) نے فیصلہ کیاکہ قادسیہ کی طرف بڑھنا چاہئے کیونکہ وہ سلطنت ایران کا دروازہ تھا''۔ ''جب سعد (رض) قادسیہ پہونچ کر ٹھیر گئے تو انھیں اوران کے ساتھیوں کو سامان کی ضرورت ہوئی، اس لئے انھوں نے چند آدمیوں کو بھیجا اورانھیں حکم دیا کہ وہ گائے، بیل، بھیڑ بکریاں تلاش کرکے لائیں ۔ باشندگان سواد کو ان لوگوں کے آگے بڑھنے سے خوف ہوا مگر آخر انھیں ایک آدمی مل گیا اور اس آدمی سے انھوں نے مویشی اور بکریوں کے متعلق دریافت کیا ، لیکن اس نے جواب دیا کہ ''میں بالکل ناواقف ہوں'' حالاں کہ وہ خود چرواہا تھا اور اُس نے اپنے جانور ایک محفوظ مقام پر چھپا دئے تھے۔ روایت ہے کہ ان میں سے ایک بیل خود بخود تکارا اور اس نے چرواہے کو جھٹلایا اور گویا کہا کہ ہم یہاں ہیں ، پس وہ لوگ اندر گھس گئے

اور ان میں سے کئی ایک مویشیوں کو باھر ھانک لائے اور انھیں سعد (رض) کے سامنے پیش کیا۔ یہ واقعہ خدا کی مدد کی علامت سمجھا گیا کیوں کہ اگر چہ بیل نے زبان قال سے رکھوالے کا جھوٹ نہ کھولا تھا مگر ایسے نازک وقت پر اس کا ڈکارنا جس کی بدولت عربوں کو مویشیوں کی موجود گی کا علم ھوگیا، بہت غنیمت ھوا - اس سے چرواھے کے بیان کی قلعی کھل گئی - یہ واقعہ ان اتفاقات میں سے تھا جنھوں نے فتح و سلطنت کی پیشین گوئی کی اور اس سے عربوں کا شگون نیک مستنبط کرنا بجا تھا '' —

'' حضرت سعد (رض) اور اُن کی فوج کے بڑھنے کی خبر ایرانیوں کو پہنچی تو انھوں نے رستم کی سرکردگی میں تیس ھزار مسلح سپاہ روانہ کی - عربوں کی تعداد صرف سات اور آٹھ ھزار کے درمیان تھی اگرچہ بعد میں انھیں اور کمک پہونچ گئی تھی - جب دونو لشکر صف باندھ کر سامنے آئے تو ایرانی غنیم کے نیزے دیکھ کر ھنسنے لگے اور

کہا یہ نیزے کیا تکلے ہیں * - اس کے ضمن میں ہم ایک قصہ اور نقل کرتے ہیں جس کا یہاں بیان کرنا نا مناسب نہ ہوگا ' فلک الدین محمد ابن آیدمر نے ہم سے حسب ذیل واقعہ بیان کیا :—

" سنہ ۶۵۶ ھ (= سنہ ۱۳۵۸ ع) میں جس وقت دارالسلام (بغداد) پر بلا نازل ہوئی ہے اور دویدار † اصغر تاتاریوں ‡ کے مقابلے کے لئے فوج لے کر شہر کے مغرب کی طرف بڑھا تو فوج

---

* دیکھو البلاذری (مرتبہ ڈے گیجے صفحہ ۲۵۹ - ۲۶۰) یہاں ایرانی فوج کے ایک سپاہی کا بیان نقل کیا گیا ہے کہ قادسیہ کی لڑائی میں ایرانی عربوں کے نیزوں کا کس طرح مذاق اڑاتے تھے اور ان کو دوک کہتے تھے —

† یہ لفظ ایک ایرانی عہدے کا نام ہے جس کے معنی دویت یا دوات دار ہیں ' " انگریزی میں کیپر آف دی سیلز " (Seals) کہہ سکتے ہیں' الفخری نے شروع چودھریں صدی عیسوی میں اپنی دلفریب تاریخ لکھی تھی' یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حملہ مغل کی سفاکیاں دلوں سے ہنوز محو نہ ہوی تھیں —

‡ عرب مورخ مغلوں کو اسی نام سے موسوم کرتے ہیں ' اہل یورپ نے اس کو " تار تار " بنا دیا تاکہ " تار تارس " کے مقامات اسفل اور اس ہیبت ناک قوم کے درمیان ایک لسانی علاقہ بھی پیدا ہو سکے —

میں میں بھی تھا ، ہم نہر شبیر پر دجلہ خورد کے معاونوں میں ہے ایک دوسرے کے مقابلے میں آئے؛ ہماری صف سے دشمن سے لڑنے کے لئے ایک جوان نکلتا جو عربی گھوڑے پر سوار اور زرہ بکتر زیب تن کئے ہوتا گویا کہ وہ اور اس کا گھوڑا سنگینی میں ایک پہاڑ تھا پھر مغلوں کے لشکر میں سے ایک سپاہی جو گدھے کے مثل ایک گھوڑے پر سوار اور دوک کی طرح کا ایک نیزہ ہاتھ میں لئے مقابلہ پر آتا ، اس کے جسم پر نہ زرہ ہوتی تھی نہ اسلام، جو کوئی اسے دیکھتا وہ ہنس پڑتا لیکن دن ختم ہونے سے پہلے وہ ہم پر غالب آ گئے ، انہوں نے ہمیں شکست فاش دی جو ہماری تباہی کی جڑ ثابت ہوی ، پھر اس معاملہ میں ہم پر جو گذری وہ گذری''۔ بعد ازاں رستم اور سعد نے ایک دوسرے کے پاس اپنے اپنے سفیر بھیجے ، صحرا کے عرب رستم کے دروازے پر جاتے تو دیکھتے کہ رستم ایک کمرے میں طلائی تخت پر بیٹھتا ہے ، تخت پر زر تار گدے اور

کمرے میں زر بفت کا فرش بچھا ہوا
ہے؛ ایرانیوں کے سر پر تاج ہیں اور جسم
پر زیور، اور جنگی ہاتھی ان کے چاروں
طرف کھڑے جھوم رہے ہیں - عرب
ایلچی رستم کے قریب جاتا تو اس کے
ہاتھ میں صرف ایک نیزہ ہوتا، کمر
میں تلوار اور کندھے پر ایک کمان
لٹکتی تھی، وہ اپنے گھوڑے کو رستم
کے تخت کے قریب کسی چیز سے باندھ
دیتا، اس پر ایرانی چلاتے اور ایلچی
کو اس حرکت سے روکنے کی کوشش
کرتے مگر رستم ان کو منع کر دیتا اور
عرب اپنے نیزہ پر سہارا کئے قالین
اور گدیوں پر نیزہ کو ٹیکتا اور ان
میں کھونچے لگاتا رستم کی طرف بڑھتا۔
ایرانی کھڑے ہوے اس حال کو دیکھتے
تھے اور جب وہ رستم کے پاس پہنچ
جاتا تو اسے فوراً جواب دیتا اور
رستم ان ایلچیوں کے عاقلانہ الفاظ
اور جواب سن سن کر متعجب اور
ہراساں ہوتا مثلاً سعد (رض) ہر موقعہ
پر ایک نیا سفیر بھیجتا تو رستم اس سے
پوچھتا "کل والا ایلچی آج کیوں

نہیں بھیجا گیا'' سفیر جواب دیتا
'' اس وجہ سے کہ ہمارا امیر راحت و
کلفت میں سب کے ساتھ یکساں برتاو
کرتا ہے''- ایک اور دن رستم نے نیزے
کی طرف اشارہ کر کے پوچھا '' تیرے
ہاتھ میں یہ تنکلا کیسا ہے؟'' عرب نے
جواب دیا '' چنگاری کا چھوٹا ہو نا
اس کا کوئی عیب نہیں ''- پھر ایک دن
کسی اور سے پوچھا '' تمھاری تلوار کو
یہ کیا مرض ہے کہ ایسی گھسی ہوی ہے''
عرب تڑپ کر بولا '' میان سے گھس گئی
ہے ۔ مگر اس کی دھار تیز ہے ''- پس اس
قطع کی باتوں سے رستم کے کان کھڑے
ہو گئے اور اس نے رفقا و خدام سے کہا
ذرا غور کرو ' ان لوگوں کے دعوے یا
تو غلط ہیں یا صحیح' اگر غلط ہیں تو
بھی ایسے لوگ جو اس احتیاط سے اپنے
رازوں کو پوشیدہ رکھتے ہیں ' کسی
بات میں اختلاف نہیں کرتے اور اخفاے
راز میں ایسا اتفاق رکھتے ہیں کہ ان کے
راز کوئی معلوم نہیں کر سکتا ' ایسے
لوگ فی الحقیقت نہایت قوی اور
نہایت طاقتور ہیں ' اور اگر ان کے

دعوے صحیح ہیں تو ان کا مقابلہ
کوئی نہیں کر سکتا۔ حاضرین اس کے
گرد و پیش چلا کر بولے' ہم تجھے
خدا کا واسطہ دلاتے ہیں کہ تو نے ان
کتوں کی جو کچھ باتیں دیکھیں ان کے
اثر سے تو اپنے ارادوں میں ذرا فرق نہ
آنے دے اور ان سے جنگ کرنے کا جو
تیرا ارادہ ہے اس پر قائم رہے۔ رستم نے
جواب دیا " یہ میری رائے ہے جو میں
نے تم سے بیان کی ورنہ جو تم چاہتے
ہو میں تمہارے ساتھ ہوں " —

" پھر کئی روز تک وہ خوب لڑتے
رہے' آخری دن ہوا ایرانیوں کے خلاف
ہو گئی اور خاک نے انہیں اندھا کر دیا۔
رستم مارا گیا اور اس کی فوج کو
شکست ہوئی' ان کا سارا مال و متاع
لوٹ لیا گیا' ایرانی حواس باختہ ہو کر
دجلہ کے کناروں کی تلاش میں چلے تاکہ
اسے عبور کر کے مشرقی سمت پر جا
اتریں۔ لیکن سعد نے ان کا تعاقب کیا
اور جلولہ کے وقعہ پر ان کے بہت سے
آدمی پھر قتل کئے اور ان کا مال و
متاع لوٹ لیا' قیدیوں میں ایرانی

تاجدار کی ایک لڑکی بھی پکڑائی ٭۔
پھر سعد نے مژدۂ فتح عمر (رض) کو لکھکر بھیجا، اس زمانے میں عمر(رض) لشکر کے حالات کا تردد کے ساتھ انتظار کیا کرتے تھے حتیٰ کہ وہ ہر روز خبروں کی تلاش میں مدینہ سے باہر نکل جاتے کہ شاید ادھر سے کوئی آنکلے اور بتائے کہ عربوں پر کیا گزری - پس وہ شخص جو سعد (رض) کے پاس سے مژدہ لےکر چلا تھا آپہونچا تو عمر(رض) نے دیکھا اور اس کو آواز دی۔ پھر پوچھا تو "کہاں سے آتا ہے " - اس نے کہا " عراق سے " بولے " سعد اور قوم کا کیا حال ہے ! " قاصد نے کہا " خدانے ان کو فتح بخشی"۔ قاصد اونٹ پر سوار تھا اور عمر (رض) زمین پر برابر برابر چل رہے تھے، قاصد کو معلوم نہ تھا کہ وہ عمر (رض) ہیں ، مگر جب مخلوق ان کے گرد و پیش جمع ہونے لگی اور امیرالمومنین کے لقب سے انھیں سلام کرنے لگی تو اس نے پہچان لیا اور کہا " خدا کی تجھ پر رحمت!

٭ دیکھو صفحہ ۲۱۸

تونے مجھکو کیوں نہیں بتایا کہ خلیفہ توھی ھے " عمر (رض) نے جواب دیا کہ " اے اخی! اس میں تیرا کیا قصور ھے " اس کے بعد عمر (رض) نے سعد (رض) کو لکھا کہ " جہاں ھو وھیں ٹھہر جاؤ ، تعاقب نہ کرو ، اتنا کافی ھے ، اور اس مقام پر مسلمانوں کے واسطے ایک جاے پناہ اور شہر قائم کرو تاکہ وہ اس میں رھیں اور ان کے اور میرے درمیان کوی دریا حائل نہ کرو "۔ پس سعد (رض) نے مسلمانوں کے لئے کوفہ بنایا اور اس میں ایک مسجد کا نقشہ تیار کیا ، لوگوں نے اپنے اپنے مکانوں کے نشان قائم کئے اور سعد (رض) نے کوفہ کو صوبہ کا مستقر قرار دیا ، پس اس طرح اس نے مدائن * پر قابو پایا اور اس کے خزائن و ذخائر پر قبضہ کیا "۔

"اس موقع کے بعض عجیب واقعات کا ذکر

" ان میں سے ایک واقعہ تو یہ ھے کہ کسی عرب کو کافور کا ڈھیلا مل گیا وہ اس کو اپنے ساتھیوں کے پاس اٹھا لایا ،

---

* دیکھو صفحہ ۲۲۱ (حاشیہ)

انھوں نے کافور کو نمک * سمجھکر اس
کھانے میں ڈال دیا جسے وہ پکارہے تھے۔
مگر اس سے نمک کا مزہ پیدا نہوا ، نہ
انھیں یہ معلوم ہوسکا کہ وہ کیاچیزھے،
پھر ایک شخص نے جو اسے جانتا تھا
دیکھا اور تھیلا کا تھیلا اپنی شکستہ
قمیص کے بالعوض خرید لیا ، قمیص کی
قیمت دو درھم ھوگی —
" دوسرا یہ کہ صحرا کے ایک عرب کو
ایک بہت بڑا اور نہایت قیمتی یاقوت
مل گیا ، وہ اس کی قیمت سے واقف
نہ تھا۔ ایک شخص نے جو اس کی قیمت
سے واقف تھا اسے دیکھا اور ایک ھزار
درھم میں خرید لیا ، بعد میں عرب کو
اس کی اصلی قیمت معلوم ھوئی اس
کے یاروں نے لعنت ملامت کی کہ " تو
نے ایک ھزار سے زیادہ کیوں نہ مانگے"
اس نے جواب دیا مجھے ایک ھزار سے
زیادہ کی گنتی معلوم ھوتی تو میں
اس سے زیادہ مانگتا " —

تیسرا واقعہ یہ کہ ایک عرب

---

* دیکھو الہیۃ شرح صفحہ ۳۶۳ —

سونے کا سرخ تلا اپنے ہاتھ میں لئے
ہوے آواز لگا رہا تھا "میرے زرد سے
کوئی اپنا سفید بدلتا ہے ' اس کا خیال
تھا کہ چاندی سونے سے بہتر
ہوتی ہے " —

یزد گرد کا انجام

" اس کے بعد یزد گرد بھاگ کر
خراسان چلا گیا اور اس کی قوت دن
بدن گھٹتی گئی یہاں تک کہ وہ سنہ
۳۱ھ (۶۵۱ — ۶۵۲ ء) میں قتل کردیا گیا"
وہ سلاطین ایران میں آخری تھا

ہم نے الفخری کا یہ طویل اقتباس ترجمہ کیا ہے ' سبب یہ ہے کہ اس نے مختصر الفاظ شگفتہ اور پر روز پیرایے میں ایران کی عربی فتح کے نمایاں واقعات قلمبند کردئیے ہیں مگر ہے یہ مختصر اور خاکے کی طرح کا' کیونکہ طرح مقابلہ قادسیہ کی تباہ کن لڑائی سے نہ تو شروع ہوا اور نہ اس پر ختم - ابتدائی جنگ یعنی نومبر سنہ ۶۳۴ ع میں مردان شاہ اور چار ہزار ایرانیوں نے مسلمانوں کو قسن ناطف پر سخت شکست دی ' نہ یہ بات تھی کہ نہاوند کی لڑائی میں جو قادسیہ کے سات سال بعد واقع ہوئی ایرانیوں کی قوت بالکل ٹوٹ گئی ہو ' انھوں نے علحدہ علحدہ مقامات میں نہایت سختی کے ساتھ مقابلہ کیا اور صوبہ فارس میں جو عظمت عجم کا مرکز اور گہوارہ تھا ' ہر شخص سر بکف ہوکر لڑا بلکہ طبرستان نے

جس کے ایک طرف دلدل اور قدرتی جنگل آگیا ہے اور دوسری طرف سلسلۂ کوہ نے اسے مرکزی سطوح مرتفع سے کاٹ دیا ہے اپنے اسپہبدوں یا ساسانیوں کے فوجی گورنروں کی ماتحتی میں ۷۶۰ ع تک اپنی خود مختاری کو برقرار رکھا —

ساسانی ممالک کی عربی فتوحات کے بیان سے یہ بیان زیادہ مشکل ہے کہ حضرت محمد صلعم کے مذہب نے کس طرح زرتشت کے مذہب کو آہستہ آہستہ مغلوب کرلیا ' اکثر فرض کیا جاتا ہے کہ فیروز آزمایان اسلام نے اپنے حریفوں کے سامنے شرائط کے طور پر جو کچھ پیش کیا وہ قرآن تھا یا تلوار ' لیکن واقعہ یہ ہے کہ مجوسیوں کو اجازت تھی اور ان کے ساتھ عیسائی اور یہودیوں کو بھی کہ وہ اپنے اپنے مذہب پر قائم رہیں ' البتہ انھیں جزیہ یا ایک قسم کا " شخصی محصول " ادا کرنے پر مجبور کیا گیا تھا اور یہ انتظام بالکل انصاف پر مبنی تھا - کیونکہ غیر مسلم رعایا لازمی طور پر جنگی خدمات اور اداے صدقات سے بری تھی اور مسلمانوں کے ساتھ یہ دونوں شرطیں لگی ہوی تھیں ' چنانچہ فتوح البلدان بلاذری * کے صفحہ ۶۹ میں مرقوم ہے کہ یمن نے پیغمبر کی اطاعت قبول کی تو انھوں نے سفیروں کو بھیجا کہ وہ ذو مسلموں کو آئین وار کان اسلام سکھا ئیں اور جو ایمان لاے اس سے صدقہ اور جو نہ لاے مثلاً عیسائی

---

* البلاذری سنہ ۲۷۹ ہجری = ۸۹۲ ع میں مرا - اُس کی تصنیف ڈے گوجے نے مرتب کی ہے (لندن ۱۸۶۶ ع)

یہودی اور مجوسی اس سے جزیہ وصول کریں ' اسی طرح عثمان کے معاملے میں انھوں نے "ابو زید کو حکم دیا کہ " مسلمانوں سے صدقہ اور مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا جاے " (صفحہ ۷۷) بحرین میں ایرانی مرزبان اور اس کے چند اھل وطن نے اسلام قبول کیا مگر وھاں کے باقی لوگ بدستور مجوسی رھے اور ھر بالغ آدمی ایک دنیا رفی کس کے حساب سے جزیہ ادا کرتا تھا ' کتاب مذکور کے صفحہ ۷۹ میں لکھا ھے کہ " مجوسی اور یہودی اسلام کے خلاف تھے اور جزیہ دینے کو ترجیح دیتے تھے' عربوں میں جو منافقین تھے وہ یہ کہتے تھے حضرت محمد صلعم نے پہلے تو یہ کہا کہ جزیہ صرف اھل کتاب سے لینا چاھئے اور اب انھوں نے ھجر کے مجوسیوں سے بھی جزیہ قبول کر لیا جو اھل کتاب نہیں ھیں ' اس پر یہ آیت نازل ھوئی :---

یا ایہا الذین آمنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم الی اللہ مرجعکم جمیعاً فینبئکم بما کنتم تعملون ---	اے مسلمانو ! تم اپنی خبر رکھو' جب تم راہ راست پر ھو تو کوئی بھی گمراہ ھوا کرے تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ھے' تو جو کچھ کرتے رھے ھو تم کو بتا دے گا *

* زرتشتیوں اور ان کے ساتھ عیسائی اور یہودیوں سے جزیہ وصول کرنے کے متعلق دیکھو " تہذیب مشرق " جلد اول صفحہ ۵۹ مصنفہ الفریڈ فان کریمر

وہ صلح‌نامہ جو حبیب بن مسلمہ نے آرمینہ کے باشندگان "وابیل" سے طے کیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں :- بسم‌اللہ الرحمن‌الرحیم - یہ نامہ حبیب بن مسلمہ کا اہل "وابیل" کے نام ہے، خواہ وہ عیسائی ہوں، مجوسی ہوں یا یہودی، خواہ وہ حاضر ہوں یا غیر حاضر، تحقیق کہ میں تمہاری جان و مال، تمہارے معبد اور گرجا اور تمہاری فصیلوں کی حفاظت اپنے سر لیتا ہوں، تم اب محفوظ ہو اور ہم اس وقت تک شرائط صلح‌نامہ پر عمل درآمد رکھینگے جب تک کہ تم ان کو نہ توڑوگے اور شخصی و ارضی محصول دیتے رہوگے، اس کا خدا گواہ ہے اور خدا کی گواہی کافی ہے" - جیسا کہ البلاذری کے صفحہ ۲٦۷ سے ظاہر ہوتا ہے، ایک موقعے پر عمر (رض) کو کچھ شک گزرا کہ مفتوح مجوسیوں کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کرنا چاہئے، لیکن عبدالرحمن بن عوف تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھے اور کہا : "میں رسول خدا کی نسبت گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے فرمایا تھا "اُن کے ساتھ بھی تم وہ ہی برتاؤ کرو جو اہل کتاب کے ساتھ کرتے ہو" —

یہ سچ ہے کہ وہ شہر اور قصبے جو مسلمانوں کے مقابلے پر کھڑے ہوے، بالخصوص وہ جنھوں نے پہلے اطاعت قبول کی اور بعد میں بغاوت، آسانی کے ساتھ نہ بچ سکے اور زیادہ تر باغیوں میں بالغ مرد یا کم سے کم جو نفوس مسلح پاے گئے وہ تلوار کا لقمہ بناے گئے، اُن کی عورتیں اور ان کے بچے اسیر کئے گئے - لیکن یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ

آتش پرستوں کو محض آتش پرستی کے جرم میں تکلیفیں دی گئی ہوں یا یہ کہ ایران کا ایران محض تلوار سے مسلمان کرلیا گیا ہو ' علی گڈہ کالج کے پروفیسر مسٹر آرنلڈ نے اپنی معرکۃالارا کتاب " دعوت اسلام " باب ہفتم میں اس الزام کی اچھی طرح دھجیاں اُڑائی ہیں - انھوں نے دکھایا ہے کہ آتش پرست موبدوں کی مذہبی مخالفت نے جو نہ صرف غیر مذہب والوں بلکہ ایران کے دوسرے فرقوں ' پیروان نالی ' مریدان مزدک اور مودوں وغیرہ پربھی محیط تھی - ان حضرات کو ہر جگہ نہایت گہری حقارت کا مورد بنادیا تھا ' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ " مظالم نے " بہت سے ایرانیوں کے دلوں میں " قائم شدہ مذہب اور شاہی خاندان کی طرف سے جو تشددات کا حامی تھا ' سخت نفرت پیدا کردی اور عربوں کی فتح کو ایک نجات کی صورت میں پیش کیا " - اس کے سوا جیسا کہ آرنلڈ نے آگے چل کر لکھا ہے - اسلام کی سادگی اور اس کی لچک ' خیالات حشر و معاد جو اس نے زرتشتیوں کے ہاں سے کثرت کے ساتھ لےکر اپنے قوام میں داخل کرلئے * اور وہ نجات جو اسلام

---

* مصنف کو اس اعتراف سے چارہ نہیں ہے - زرتشتی مذہب میں نہ سادگی ہے نہ لچک زرتشتیوں کی کتب مقدسہ اوستا ' ژند و پاژند کے جو اجزا دستبرد زمانہ سے باقی بچے ہیں ان میں " خیالات حشرو معاد " اس نہج پر نہیں ' جس نہج پر قرآن کریم میں ہیں البتہ دساتیر کو معرض بحث میں لاسکتے ہیں - مگر یہ وہ کتاب ہے جو ظہور اسلام کے ایک زمانے بعد مو بدان مجوس نے

(باقی برصفحۂ آیندہ)

زرتشتی مذہب کے تکالیف دہ ارکان اور آداب طہارت سے دلاتا تھا ، ان تمام باتوں نے بہت سے ایرانیوں کو اس کی طرف مائل کر دیا اور کچھ شک نہیں کہ نو مسلموں کا بڑا گروہ خود بخود اور اپنی خوشی سے مسلمان ہوا - مثلاً قادسیہ پر شکست کھانے کے بعد ایران کے چار ہزار دیلمی سپاہیوں نے باہمی مشورہ کر کے اسلام اختیار کرنے اور عربوں سے جا ملنے کا فیصلہ کیا ، انھوں نے جلولہ کی لڑائی میں عربوں کا ہاتھ بٹایا اور بالآخر ان کے ساتھ کوفے میں آباد ہو گئے * - علاوہ ازیں لوگ جوق کے جوق بزمیت اسلام میں داخل ہونے لگے - فی الحقیقت ایرانی نو مسلموں اور ایرانی قیدیوں کی اس قدر تعداد کثیر عرب میں اُمڈ آئی کہ خلیفۂ عمر (رض) کو ایک فکر سی پیدا ہوگئی ، اور حسب بیان دینوری (صفحہ ۱۳۶) وہ گھبرا کے چیخ اُٹھے کہ " اے خدا ! جلولہ کے قیدیوں کے بچوں سے میں تیری پناہ میں آتا ہوں " -

---

(بقیۂ صفحۂ گذشتہ)

اس کو تصنیف کیا - کلام اللہ نے بہت سی باتیں اس میں سے لے لیں اور ثابت کرنا چاہا کہ آں حضرت علیہ الصلاۃ و السلام سے پیشتر ہی پیغمبران عجم کے صحف میں یہ سب کچھ موجود ہے - لیکن محققین اس فریب کی پردہ دری کر چکے ہیں اور مصنف خود اسی کتاب میں ' دساتیر ' کو جدید العہد مان چکا ہے -

پھر اسلام نے زرتشتیوں سے بھی کیا باتیں لیں اور اس کا کیا ثبوت ہے ؟ (مترجم)

* بلاذری صفحہ ۲۸۰ - " تہذیب مشرق " مصنفۂ اے فان کریمر جلد اول صفحہ ۲۰۷ —

واقعات نے ان کی فکر کو بجا ثابت کیا ' کیونکہ ایرانی قیدیوں میں سے ایک شخص نے جسے عرب ابو لولوۂ کہتے ہیں ان کا کام تمام کردیا ۔ متعصب شیعہ اس قتل پر آج تک بغلیں بجاتے ہیں بلکہ کچھہ زمانہ پہلے تک " عمر کشاں " کے نام سے اس کی برسی بھی اسی طرح کرتے تھے جس طرح انگلستان میں " گامی فاک " کادن منایا جاتا ہے —

سلمان فارسی | سب سے پہلے ایرانی نو مسلم سلمان (رض) تھے ' صحابہ میں آپ کا درجہ بہت بلند ہے '

نصیریئین شام ان کو اپنی صوفیانہ تثلیث کا جو حروف الم میم سین (= علی (ض) = تصور محمد (ص) = نام 'سلمان (ض) = باب*) پر مشتمل ہے ایک جز و مانتے ہیں ' یہ اس زمانے میں ایمان لاے تھے جب کہ اسلام ابھی میدان جنگ میں نہیں اترا تھا ' انھیں فوجی انجنیری میں دخل تھا اور پیغمبر (صاحب) کو مدینے کی حفاظت میں ان سے بڑی مدد ملی تھی - ان کا حال جسے ابن ہشام نے (صفحہ ۱۳۶ سے ۱۴۳ میں) تفصیل کے ساتھہ لکھا ہے' نہایت دلچسپ ہے ؛ انھیں مذہبی باتوں کا بڑا شوق تھا ' اس شوق کی بدولت وہ نو عمری میں اصفہان کے عیسائی

---

* دیکھو الباکورۃ السلیمانیہ جس میں ایک نصیری مرتد کا اقبال درج ہے اور جو بیروت میں طبع ہوئی ہے ' اس میں تاریخ طبع درج نہیں ہے ' اس کا انگریزی ترجمہ از ای سیلسبری جرنل آف دی امریکن اورینٹل سوسائٹی بابۃ سنہ ۱۸۶۴ ع (جلد ہشتم صفحات نمبر ۲۲۷ — ۳۰۸) میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے - نیز دیکھو جرنل ایشیا تک بابۃ ۱۸۷۹ صفحہ ۱۹۴ وغیرہ -

گر جاؤں میں اکثر آیا جایا کرتے تھے، اسی کی بدولت وہ اپنے شفیق باپ اور پر آسائش گھرکو چھوڑ کر بھاگ گئے اور اسی کی بدولت انھوں نے اپنا پیدائشی مذھب پہلے عیسویت کے لئے ترک کیا اور پھر اسلام کے لئے۔ ان کا یہ مذھبی شوق خالص ایرانی تھا، اگرچہ ایرانیوں میں سلمان (رض) صرف ایسے شخص ھیں جنھیں اصحاب کے معزز حلقے میں جگہ ملی لیکن اسلام کے ممتاز علمائے متقدمین میں اکثر اشخاص عجمی الاصل نظر آئیں گے۔ اسی طرح جنگ کے بہت سے قیدی یا ان کی اولاد مثلاً شیریں (سیرین) کے چار بیٹے جو جلولہ کی لڑائی میں قید ھوئے، دنیائے اسلام کے نامور لوگ گزرے ھیں۔ لہذا یہ کہنا (جیسا کہ اکثر وہ لوگ کہتے ھیں جو تاریخ ادبیات فارسی میں محدود نظر رکھتے ھیں۔ جس کے خلاف ھم نےشروع کتاب میں صراحت کردی ھے) درست نہیں ھے کہ ایران کی اسلامی فتح کے بعد دو پانچ صدی تک اھل ایران کی دماغی اور علمی زندگی کا صفحہ سادہ رھا۔ بخلاف اس کے یہ زمانہ خاص اور بے حد دلچسپی کا زمانہ ھے، اس میں قدیم و جدید کی آمیزش ھوئی، اس میں زبان نے اپنا لباس اور خیالات نے اپنی جون بدلی؛ اس زمانے کو جمود اور موت کا زمانہ کہنا بالکل غلط ھے۔ یہ سچ ھے کہ سیاسی اعتبار سے ایران کا جداگانہ قومی وجود اس عظیم الشان اسلامی مملکت میں غائب ھو گیا تھا جو سیحون سے جبرالٹر (جبل الطارق) تک محیط تھی۔ تاھم اقلیم دانش و علم میں ایران نے بہت جلد اس فضلیت کا اظہار شروع کردیا جس کا استحقاق اس کے

باشندوں کی قابلیت اور دقت نظر کے باعث اسے حاصل تھا ' وہ چیز جس کا نام ' عربی سائنس ' (علوم عربیہ) رکھا گیا ہے ' یعنی فن تعمیر ' فن روایت ' دینیات ' فلسفۂ و حکمت ' طب ' تاریخ ' سیرت ' لغت بلکہ عربی صرف و نحو بھی۔ اگر ان میں سے ایرانیوں کا حصہ خارج کردیا جاے تو ان علوم کا بہترین حصہ غائب ہو جاے گا - اس کے علاوہ ملکی نظم و نسق کے بہت سے طریقے ایرانی نمونوں پر ڈھالے گئے تھے - الفخری (مرتبۂ اھلورتت صفحہ ۱۰۱) دیوانھاے حکومت یا سرکاری دفاتر کی بابۃ لکھتا ہے * :—

" ہر مسلمان سپاہی تھا اور مسلمانوں کی لڑائیاں مذھب کے لئے تھیں ' اس دنیا کے لئے نہ تھیں - ان میں ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جو اپنی دولت کا معتد بہ حصہ خیر خیرات میں صرف کرتے تھے اور جو اپنے ایمان اور اپنے نبی کی اعانت کا معاوضہ خدا کے سوا کسی سے نہیں چاھتے تھے -

دیوانوں کا قیام وانتظام

* ڈوزی (" اسلام " صفحہ ۱۵۹ میں) لکھتا ہے " جس قدر قومیں مسلمان ہوئیں ان میں ایرانیوں کا مسلمان ہونا سب سے اہم چیز تھا ' انھوں نے اسلام کو استواری اور تقویت بخشی اور ایرانی ہی وہ لوگ ہیں جن میں سے اسلام کے مشہور ترین فرقے پیدا ہوے " ۔

پھیمبر یا ابو بکر نے ان پر کوئی مقررہ ٹیکس
نہیں لگایا تھا بلکہ جب لڑائی میں لڑتے اور غنیمت
کا مال ہاتھ لگتا تو بس اتنا ھی لے لیتے
جتنا کہ قانونا جائز تھا، اور مدینہ میں جب
کسی ملک کی دولت سمٹ کرآتی تو مسجد
نبوی میں اس کا ڈھیر لگا دیا جاتا اور پھر
اس کو وہ مناسب طور پر تقسیم کردیتے،
ابو بکر کی خلافت تک صورت حال یہ رھی لیکن
پندرھویں ھجری (=۶۳۶ء) میں حضرت عمر
کا زمانہ آیا اور انھوں نے دیکھا کہ کس طرح
فتح پر فتح ھوتی چلی جاتی ھے اور ایرانیوں کے
خزانے امڈے چلے آتے ھیں اور کس طرح سونے
چاندی جواھرات اور قیمتی پارچہجات کے انبار
کھنچ کھنچ کر آرھے ھیں تو انھوں نے یہ
مناسب سمجھا کہ اس کو مسلمانوں میں تقسیم
کردیں اور دولت ان کے درمیان بانٹ دیں
مگر ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیسے کریں
تو کیونکر، اتفاق سے مدینہ میں ایک ایرانی
مرزبان تھا جس نے ان کی پریشانی دیکھ
کر کہا اے امیرالمومنین! شاھان ایران کے ھاں
ایک دفتر تھا جس کو وہ دیوان کہتے تھے،
جہاں ان کی آمد و خرچ کا سارا حساب درج کیا جاتا

تھا اور اس سے کوئی چیز باقی نہیں بچتی تھی' اور جو لوگ وظیفوں کے حقدار ہوتے تھے ان کے نام درجہ بدرجہ قلم بند کرلئے جاتے تھے تاکہ کوئی غلطی نہ ہوسکے' عمر نے یہ سنا تو وہ متوجہ ہوئے اور مرزبان سے کہا' اس کا پوراحال بیان کر' پس مرزبان نے اسے بیان کیا اور عمر اسے سمجھ گئے اور پھر انھوں نے دیوان قائم کردئے —

مال کے محکمہ میں نہ صرف ایرانی طریقہ اختیار کیا گیا بلکہ حجاج بن یوسف (قریب ۷۰۰ ع) کے زمانہ تک ایرانی زبان اور حساب کی ایرانی علامتیں کام میں آتی رہیں اور اس کے بعد جیسا کہ البلاذری نے (صفحہ ۳۰۰ - ۳۰۱) لکھا ہے سیستان کے گرفتار شدہ قیدیوں میں سے ایک قیدی کے بیٹے صالح کاتب نے سواد (کلدان) کے محکمہ مال کے ایرانی صدر کاتب و محاسب زادان ابن فرخ سے فخریہ بیان کیا کہ اگر میں چاہوں تو سارا حساب خالص عربی میں رکھ سکتا ہوں ' یہ الفاظ الحجاج تک پہنچائے گئے تو اس نے صالح کو اس کام کے لئے حکم دیا ! اسپر زادان کے بیٹے مردان شاہ نے چیخ کر کہا " خدا تیرے خاندان کو اسی طرح نیست و نابود کردیے جس طرح تونے ایرانی زبان کی جڑ کاٹی ہے " صالح کو ایک لاکھ درھم بھی پیش کئے گئے تاکہ وہ انتقال حساب سے انکار کردے لیکن اس نے درھم لینے سے انکار کردیا ' درحقیقت اس

زمانہ میں عبدالملک نے بڑا زور لگایا تھا کہ خارجی یعنی ایرانی اور بازنطینی اثرات کو جو نہایت قوت سے اپنا اپنا عمل کرنے لگے تھے دبا دے اور انہیں کم کر کے سرکاری دفاتر سے غیر عربوں کو خارج کر دے ، اس کے لائق اور تند مزاج لفٹننٹ الحجاج نے بھی اس کوشش میں اس کا ہاتھ بٹایا لیکن جزوی اور عارضی کامیابی کے سوا اس کا نتیجہ کچھ نہ نکلا * —

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اس درمیان میں پارسی مذہب سرکاری مذہب کی حیثیت سے ساقط تو ہو چکا تھا لیکن وہ ایران میں بالکل معدوم نہ ہوا تھا تارکان وطن کے جو گروہ عربوں کے حملہ سے بھاگ کر پہلے جزائر خلیج فارس اور پھر ہندوستان پہونچے اور یہاں پارسی نو آبادیاں قائم کیں جو بمبئی سورت اور ان کے گرد و نواح میں آج تک بستی ہیں ان کی تعداد بہت قلیل تھی ، قوم کا بڑا حصہ اس وقت تک زرتشت کو حضرت محمد صلعم اور اوستا کو قرآن پر ترجیح دیتا تھا ؛ جیسا کہ گذشتہ سطور میں دکھایا جاچکا ہے پہلوی ادب اس نئے عربی ادب کے پہلو بہ پہلو زندہ تھا جسے نومسلم ایرانیوں نے پیدا کیا ، مجوسی مذہب کے موبدان اعلی اب تک اہم اشخاص سمجھے جاتے تھے ،

---

* دیکھو اے فان کریمر کی کتاب جلد اول صفحات ۱۹۹ - ۱۸۳

سرکاری حکام سے خط و کتابت میں بھی ان کی یہ اہمیت ملحوظ رکھی جاتی تھی اور ان کے ہم مذہبوں میں بھی جنہیں بہت بڑی حد تک حکومت خود اختیاری* حاصل تھی، ان کا اثر وسیع پیمانے پر چھایا ہوا تھا آتش کدوں کے انہدام کے لئے اگر قانون نافذ بھی کئے گئے تب بھی عملاً انہیں بہت کم ہاتھ لگایا گیا اور ایسی مثالیں تو موجود ہیں کہ اگر کسی نے نامعقول جوش میں آکر ان آتش کدوں کو نقصان پہونچانا یا منہدم کرنا چاہا تو اسلامی حکام نے بعض وقت سخت سزاؤں سے کام لیا ہے † ، عربی فتوحات کے تین صدی بعد بھی ایران کے تقریباً ہر ایک صوبہ میں آتش کدے آباد تھے اگرچہ آج ہوتم شنڈلر ‡ کی تحقیقات اور اعداد و شمار کے مطابق ایران میں "آتش پرستوں" کی کل تعداد صرف آٹھ ہزار پانسو ہے ، خانی کوف (اقوام وسط ایشیا" صفحہ ۱۹۳) کا بیان ہے کہ اٹھارویں صدی کے آخر میں جس وقت موجودہ خاندان قاچار کے بانی آغا محمد خاں نے کرمان کا محاصرہ کیا ہے ، تو صرف اس شہر میں پارسیوں کے بارہ ہزار گھر آباد تھے پس ان کی تعداد میں تیزی کے ساتھ کمی آنا از منہ جدیدہ کا واقعہ سمجھنا چاہئے کو اور مشاہدہ کرنے والوں

* دیکھو اے فان کریمر کی کتاب جلد اول ، صفحہ ۱۸۳

† مقابلہ کرو "دعوت اسلام" صفحہ ۱۷۹

‡ بابت ۱۸۸۴

کے اعداد کو جنہیں ٹامس آرنلڈ نے پیش کیا ہے قابل وثوق مان لیا جائے تو پارسی ایران میں پھر زور پکڑ رہے ہیں —

آرنلڈ نے "دعوت اسلام" صفحہ ۱۸۰ — ۱۸۱ میں لکھا ہے "اس قسم کی شہادتوں کے باوجود یہ کہنا فی الحقیقت ناممکن ہے کہ اسلامی فاتحوں نے پارسیوں کو بجبر مسلمان کرکے ان کی تعداد گھٹا دی، عربوں کی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں جن ایرانیوں نے مختلف وجوہ بالا سے اسلام قبول کیا ان کی تعداد غالباً بہت زیادہ تھی لیکن ان کے مذہب کا عرصہ تک باقی رہنا اور بعد کی صدیوں میں ان کا وقتاً فوقتاً تبدیل مذہب کرنا غالباً اس بات کی دلیل ہو سکتا ہے کہ قبول اسلام امن اور خوشی کے ساتھ عمل میں آیا: آٹھویں صدی کے آخر میں بلخ کے ایک پارسی سردار "ساسان" نے خراسان کے گورنر اسد ابن عبداللہ کی مدد پہنچنے کے بعد زرتشت ترک کرکے اسلام اختیار کر لیا اور اپنے بیٹے کا نام اپنے حامی و محافظ کے نام پر اسد رکھا، یہی تو مسلم ہے جس کے نام پر سامانیہ خاندان (۸۷۴ — ۹۹۹ م) کا نام وجود میں آیا، نویں صدی

کے آغاز کے کریم قریب ابن شہر یار قابوسیہ خاندان کا پہلا بادشاہ گذرا ہے جس نے اسلام قبول کیا اور ۸۷۳ ع میں ناصرالحق ابو محمد کے اثر سے ویلم کے آتش پرستوں کی ایک کثیر تعداد نے اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کی، اس کے بعد کی صدی میں ۹۱۲ ع کے قریب علی ع کے خاندان کے ایک شخص حسن بن علی نے، جو بحیرہ خضر کے جنوبی ساحل میں تھا اور علم و عقل سے آراستہ اور مختلف مذاہب کے اصول احکام سے واقف تھا، طبرستان اور ویلم کے باشندوں کو جن میں سے کچھ تو بت پرست اور کچھ مجوسی تھے، اسلام لے آنے کی دعوت دی بہت سوں نے اس کی دعوت قبول کی اور باقی اپنی غیر اسلامی حالت پر قائم رہے، ۳۹۴ ہجری (۱۰۰۳ - ۱۰۰۴ ع) میں ایک مشہور شاعر ویلم کا باشندہ ابوالحسن مہیار نے جو مذہباً آتش پرست تھا، شریف الرضا کے ہاتھ پر جو اس سے بھی زیادہ مشہور شاعر اور فن شعر میں اس کا استاد تھا، مسلمان ہوا، • تبدیل مذہب

• ایک دوسرے ممتاز پارسی نومسلم مشہور ابن المقفع کی بقیہ حاشیہ صفحہ (۳۷۹)

کی یہ مثالیں اگرچہ تعداد میں زیادہ نہیں
ہیں لیکن اسلامی فتوحات کے تین ساڑھے تین
سو برس بعد تک ان مثالوں کا پایا جاتا اس
امر کا بین ثبوت ہے کہ اہل ایران مذہبی
روا داری سے مستفیض تھے اور ان کی تبدیلی
مذہب با امن اور کم از کم ایک حد تک
بتدریج طریقہ سے عمل میں آئی " —

تاہم کچھ زمانہ تک ایران اور عرب کی دماغی اور سیاسی زندگی ایک دوسرے سے اس قدر وابستہ بلکہ ایک ہی رہی ہے کہ آئندہ بابوں میں جہاں خلفائے اموی و عباسیہ کے عہد میں ارتقاء اسلام اور اسلام کے بڑے بڑے فرقے اور مسلکوں سے بحث کی گئی ہے ان دونوں قوموں کا ذکر ایک ساتھ کرنا لازمی ہوگا اور بعض ایسے ملک پر قلم اوٹھانی پڑے گی جن کا تعلق ایرانیوں کی نسبت عربوں سے زیادہ ہے —

بقیہ حاشیہ صفحہ (۳۷۸)

طرح غالباً مہیار بھی کچھ اچھا مسلمان نہ تھا، خلیفہ مہدی اول الذکر کی نسبت کہا کرتا تھا " زندقہ (یعنی بدعت خصوصاً معنوی ڈھنگ کی) پر میں نے کوئی کتاب ایسی نہیں دیکھی جسکی تہ میں ابن المقفع نہ ہو"، آخر الذکر کے مسلمان ہونے کی خبر القاسم ابن برهان نے سنی توکہا " مسلمان ہونے سے تم جہنم کے ایک کونے سے محض دوسرے کونے میں منتقل ہوگئے " (ابن خلکان، مترجمہ ڈے سلین، جلد اول، صفحہ ۴۳۲، جلد سوم صفحہ ۵۱۷)

باب ششم

عہد بنو امیہ

(سنہ ۶۶۱ م تا سنہ ۷۴۹ م)

عہد خلافت سے کیا مراد ہے | عہد خلافت کا آغاز جون سنہ ۷۴۹ م سے ہوا ، جب کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر (رض) خلیفہ ہوئے ، اور اس کا خاتمہ سنہ ۱۲۵۸ م میں اس وقت ہوا جب کہ ہلاکو خان نے اپنی مغل فوجوں کے ساتھ بغداد پر قبضہ کرکے ، شہر کو لوٹا اور آخری خلیفہ المستعصم با اللہ کو تہ تیغ کیا ۔ بقول سر اڈورڈ کریری کے (Sir edward creary) یہ ضرور صحیح ہے کہ خلیفہ کا خطاب اس واقعہ کے تین سو سال بعد بھی یعنی سنہ ۱۵۱۷ م تک بنو عباس کے اٹھارہ جانشینوں میں باقی رہا ، جو ممالک

History of the ottoman turks London 1877 ●

مصر کے دار الخلافۃ میں ظاہری شان و شوکت کے ساتھہ رہتے تھے ، لیکن حقیقی قوت سلب ہوچکی تھی بالکل اسی طرح جس طرح کہ مغل اعظام کی اولاد برٹش انڈیا میں رہتی تھی" اسی سال (سنہ ١٥١٧ ء) عثمانی سلطان سلیم اول نے خاندان ممالیک کو تاخت و تاراج کردیا اور برائے نام خلیفۂ وقت کو مجبور کرکے خطاب خلافت مع لوازمات مقدسہ یعنی لوائے مبارک ، تلوار اور ردائے مبارک اپنے لئے حاصل کرلیا اس وقت سے سلاطین عثمانی اپنے آپ کو نائب رسول اللہ امیرالمومنین اور امام المسلمین کہتے ہیں ، لیکن خواہ ان القاب و خطابات سے انہیں کچھہ فائدہ پہونچا ہو یا نہیں واقعہ یہ ہے کہ خلافت چھہ سو چھپن سال تک باقی رہنے کے بعد سنہ ١٢٥٨ ع ہی میں ختم ہوچکی تھی * —

اس دور کی تقسیم ممتاز لیکن غیر مساوی حصوں میں ہوتی ہے :—

خلافت کے تین دور

(١) خلافت راشدہ یعنی حضرت ابوبکر (رض) عمر (رض) عثمان (رض) اور علی (رض) کا زمانہ (سنہ ٦٣٢ تا سنہ ٦٦١ ء) جسے تاریخ اسلام میں حکومت الہی کا نام

---

* History of the Ottoman Turks, London 1877 —

دیا جا سکتا ہے۔

(۲) خلفائے امیہ یا یوں کہنا چاہئے کہ شاہان امیہ کا زمانہ، اس لئے کہ بعد کے مسلمان مورخین انہیں خلیفہ کا روحانی مرتبہ دینے سے انکار کرتے ہیں۔ بنو امیہ نے جو کل ۱۴ تھے سنہ ۶۶۱ ع سے سنہ ۷۴۹ ع تک حکومت کی۔ اس زمانے کو "عرب شاہنشاہیت اور کنداوں کے یدہ عمل" کا زمانہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

(۳) بنو عباس کا زمانہ جن کی تعداد ۳۷ تھی۔ ان کے عہد کا آغاز سنہ ۷۴۹ ع سے ہوا۔ ابوالعباس عبداللہ الملقب بہ السفاح کے نام کا خطبہ کوفہ میں پڑھا گیا، اور اس عہد کا خاتمہ سنہ ۱۲۵۸ ع میں ہوا جب ہلاکو اور اس کے مغول نے المستعصم کو ہلاک کیا۔ اس زمانے کو ایرانی عروج، اور فلسفیانہ افکار عالمگیر اسلام کا دور کہا جاسکتا ہے۔

دور اول میں حکومت کا مرکز مدینہ تھا، دوسرے دور میں دمشق، اور تیسرے میں بغداد۔	مغلوں نے حملے عالم اسلام کی بھاری فوج ہاسی قاردھم میں انقلاب

تیرھویں صدی عیسوی میں مغلوں کا حملہ

---

* اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو سرولیم میور کی مصنفانہ روبہ
Caliphate, its decline & fall P. 594

نہ صرف خلافت کی تباہی کا باعث ہوا بلکہ اس سے مشرق میں سلطنت اسلامی کے اتحاد کا شیرازہ بھی بکھر گیا اور اسلام کا زرین عہد ختم ہو گیا۔ ایشیائی تاریخ میں آں حضرت صلعم کے زمانے کے بعد اگر کوئی اہم ترین واقعہ پیش آیا ہے تو وہ یہی حملہ ہے۔ ویسے تو اس سانحہ جانکاہ کے بہت پہلے سے خلافت کی قوت اپنی اس پہلی عظمت کی ایک مٹی ہوئی سی یادگار رہ گئی تھی جسے ٹینی سن (Tennyson) نے "نیک دل ہارون الرشید کا زریں عہد سلطنت" کہا ہے لیکن اگرچہ خلفا کی سلطنت زیادہ تر ایسے خاندانوں اور حکمرانوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تقسیم ہو گئی تھی جن کی اطاعت اور انقیاد صرف زبانی تھی لیکن شہر بغداد آخر وقت تک اسلام کا دار الخلافہ اور علم و تہذیب کا مرکز تھا، اور عربی صرف سیاسی اور علمی زبان ہی نہ تھی بلکہ مہذب حلقوں اور شستہ مجالس میں بھی رائج تھی۔ مغلیہ دور سے پہلے کے مسلمان مصنفین کی جس تحقیق علمی اور ذہنی نظر کے ہم سب معترف اور مداح ہیں اس کی بنا یہی

بعد کو تیزی کے ساتھ کم ہوتی گئیں۔
یہی وجہ ہے کہ جو ایرانی ادب (یعنی وہ
ادب جو فارسی زبان میں تھا) خلافت کے
آخری زمانے میں اور اس کے زوال کے بعد
پیدا ہوا، وہ باوجود اپنے ظاہری محاسن
کے کسی طرح سے بھی اہمیت اور دلچسپی
کے اعتبار سے پہلے کے ادب سے ٹکر نہیں کھاتا
جو اگرچہ عربی میں تھا، لیکن زیادہ
تر غیر عربی اور خصوصاً ایرانی دماغوں
کا آفریدہ تھا۔ مغلوں کا حملہ صرف سیاسی
اعتبار ہی سے نہیں بلکہ ذہنی حیثیت سے
بھی ابتلا کے دخائم تھا، اور اس سے پہلے
اور اس کے بعد کے خیالات اور تصانیف میں
جو زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے وہ
صرف کمیت ہی کا نہیں بلکہ کیفیت کا بھی ہے۔
خلافا کی مفصل تاریخ لکھنا اس موجودہ
تصنیف کے موضوع سے باہر ہے خاص کر
اس وجہ سے کہ یہ کام جرمن زبان میں ڈاکٹر
گستاف وائیل (Gustav Weil) (سنہ ۱۸۴۶
تا ۱۸۶۲) اور انگریزی میں سر ولیم میور *

*Annals of the early caliphate [1883]; the caliphate, its rise, decline and fall (1891 and 1892): also the life of Mahomet, Mahomet and Islam etc.

(Sir William Muir) بہت قابل تعریف طریقہ پر انجام دے چکے ہیں۔ فون کریمر کی خصوصیات کا جو مجمل بیان ہم کریں گے، خصوصاً مذہب، فلسفہ، تہذیب، سیاسیات اور ساسانیوں کے جانشینوں عرب اور دوروں کے ایرانی مظاہرات سے جو بحث کی جائے گی، اس کا مآخذ مذکورہ بالا اعلیٰ درجے کی تصانیف نہ ہوں گی، اس مقصد کے لئے یوروپین زبانوں میں جو بہترین کتابیں لکھی گئی ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:—

(1) A. Von Kremer's: Geschichte der herrschenden Ideen des Islams (1868)

(2) ایضاً : Culturgeschichtliche Streifzuge : auf dem Gebiete des Islams (1873)

(3) ایضاً : Culturgeschichte des Orients unter dem Chalifen (2 Vols, 1875 - 1877)

(4) Dozys': Het Islam (1863)

جس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں وکٹر شاون (Victor Chauvin) نے Essai Sur l' Histoire de l' Islamisme (1879) کے عنوان سے کیا ہے —

(5) Dozy's Histoire des Musulmans d'Espagne,
(تاریخ مسلمانان اندلس)

(6) Goldziher's : Muhammedanische Studien (2 Vols., 1887 - 1890) — (اسلامیات)

(7) Von Volten,s Recherches Sur la domination arabe, le Chii tisme et les Croyances Messianiques Sous le, Khilafat des, Omayades (1894)

(8) " Opkomst der Abbasiden ;

(9) T. W, Arnold's : Preaching of Islam. (1896)
" تبلیغ اسلام "

ان کے علاوہ اور دوسروں میں ایسی کتابیں مثلاً کاسوں دی پرسی وال (Caussin de Perseval) شمولڈرس (Schmolders) ڈوگات (Dugat) وغیرہ کی تصانیف سے نیز متعدد یورپین مقالات سے مثلاً خارجیوں کے متعلق برونو (Brunnow) کا مضمون یا ظاہریوں کے متعلق گولڈزیہر (Goldziher) کا مقالہ یا ڈی گوئے جے (de Goeje) کے مضمون سے جو (Carmathians) پر ہے ، اسٹائنر (Steiner) کا مقالہ معتزلہ پر اسپٹا (Spitta) کا مقالہ الاشعری پر بہت کچھ مدد مل سکتی ہے ۔

ایران کی جن دو تاریخوں سے انگریز سب سے زیادہ روشناس ہیں ، وہ سر جان ملکم اور کلی منٹس مارکھم کی

تاریخیں ہیں - ان دونوں نے اس دور تکوں سے جو ساتویں صدی عیسوی میں عربوں کی فتوحات ایران اور نویں صدی میں پہلے خود مختار یا نیم خود مختار ایرانی خاندانوں کے قیام کا درمیانی زمانہ ہے ، بہت سر سری اور مجمل طور پر بحث کی ہے - وہ اسے بھی اس زمانے کی طرح جو اقامنشیوں کے زوال اور ساسانی خاندانوں کے عروج یعنی ۳۳۰ ق - م اور ۲۲۶ عیسوی کے درمیان گزرا تھا ایرانی قومی زندگی کے عارضی تعطل کا زمانہ خیال کرتے ہیں ، حالانکہ یہ واقعہ نہیں ہے اور یہ دور (۶۵۰ ، تا ۸۶۹ م) نہ صرف ایک نہایت دلچسپ دور ہے ، بلکہ ذہنی حیثیت سے ان سب دوروں سے زیادہ ثمرہ آفریں ہے - جن میں ایرانی تاریخ تقسیم کی جا سکتی ہے ---

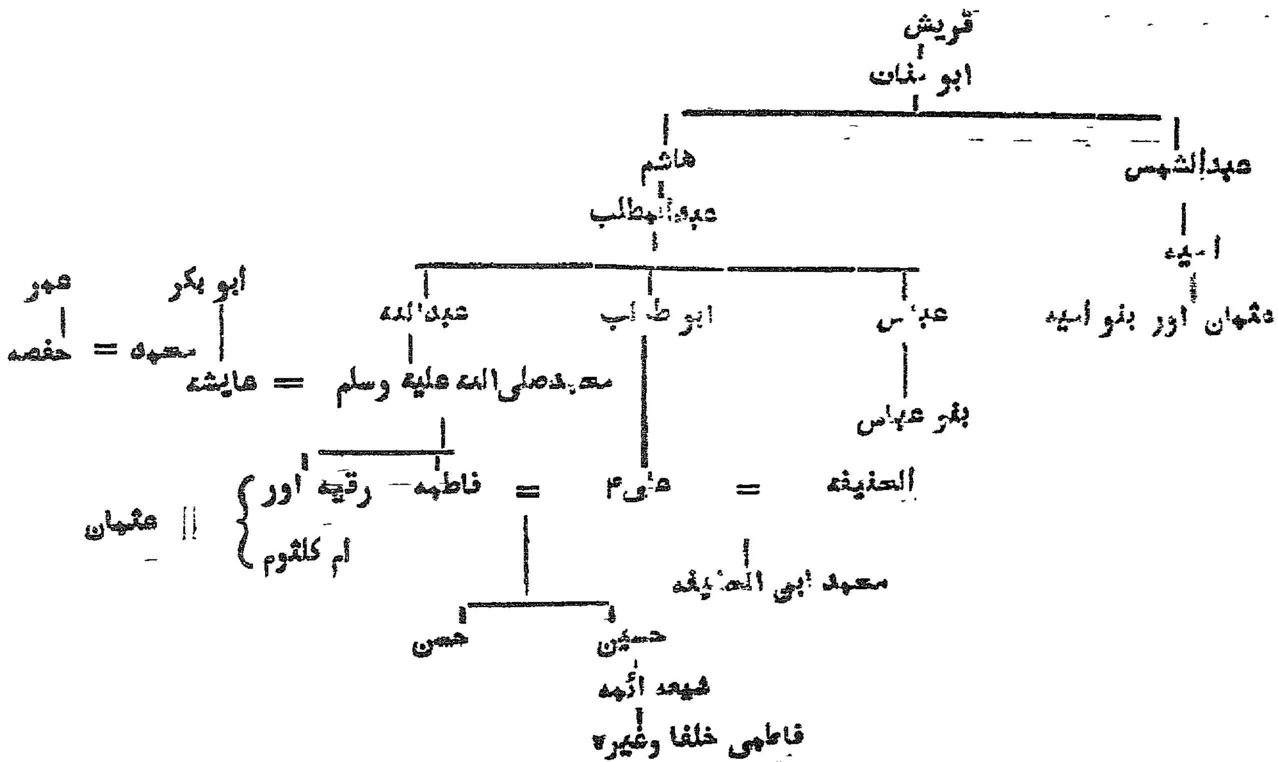
اگرچہ در اصل خلافت بنو امیہ حضرت علی کی وفات اور معاویہ کی مسند نشینی (سنہ ۶۶۱ م) کے وقت سے شروع ہوتی ہے لیکن جو رجحانات اور خیالات اس خلافت کے قیام کا باعث ہوئے ان کا پتہ خلیفہ سوم حضرت عثمان (سنہ ۶۴۴ تا سنہ ۶۵۶ م) کے زمانے تک چلتا ہے - ہم اس سے پہلے بحث کر چکے ہیں کہ آں حضرت کی رسالت کا سب سے بڑا اور اہم ترین کارنامہ یہ تھا کہ عربوں میں نہ صرف ایک مشترکہ قومی احساس پیدا ہو گیا بلکہ کفار عرب کے متعصبانہ تنگ نظری کی جگہ تمام

مسلمانوں میں ایک عام مذہبی حس یوں پیدا ہو گئی - لیکن اس بلند اور اعلی نصب العین پر قائم رہنا شروع ہی سے مشکل تھا ' اس لئے کہ عربوں کے قدیم قومی خصائص جو ان کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھے ' اس قسم کے اصولوں سے میل نہیں کھاتے تھے - چنانچہ خود آنحضرت صلعم کا اپنے مولد مکہ اور اپنے قبیلۂ قریش کی طرف جو زیادہ رجحان تھا اس نے کئی موقعوں پر انصار مدینہ کے دلوں میں جن کی بر وقت مدد آنحضرت کے بہت کچھ مفید ثابت ہوئی تھی ' دلش اور بے اطمینانی پیدا کر دی تھی - پھر بھی بحیثیت مجموعی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی مساوات کا یہ نصب العین سنہ ۶۴۴ م میں حضرت عمر کی وفات تک بخوبی قائم رہا - اس کا نصب العین ہونا قرآن کی اکثر آیات نیز احادیث سے ظاہر ہے :—

" ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم " یا " انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم " یا یہ حدیث " اے انسان خدا نے تجھ میں سے زمانہ جاہلیت کی یہ ادعا بی ' اور نسب پر قدیم فخر دور کر دیا ہے ' عرب کو بربری پر بجز اس کے کہ وہ زیادہ متقی ہو اور کوئی فوقیت حاصل نہیں ہو سکتی - تم سب بنی آدم ہو اور آدم خود اہل ارض میں سے ہیں " - اگرچہ اس وقت ایسے غیر عرب ' یا بربری جو ایمان لائے ہوئے معدودے چند ہی تھے اور

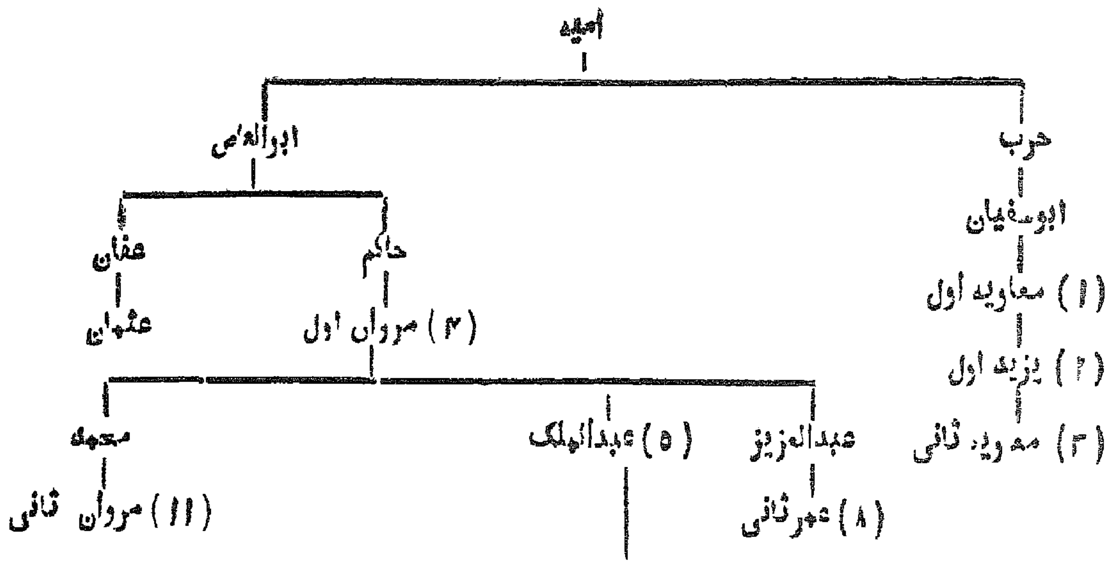
نبی کریم کو زیادہ سے زیادہ امید افزا لمحات میں بھی اس کی توقع بمشکل ہو سکتی تھی کہ دین اسلام کی اشاعت جزیرہ نمائے عرب کی حدود سے آگے بڑھ سکے گی، لیکن مذکورہ بالا آیات میں ہمیں مومنین کی باہمی مساوات، اور ولادت یا نسب پر نہیں بلکہ ایمان پر فخر کرنے کا تصور نہایت صحیح طور پر بیان کیا ہوا نظر آتا ہے۔

لیکن حضرت عثمان کے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی قدیم قبیلہ واری اختلافات پھر ابھر آئے۔ مکہ اور مدینہ، مہاجرین اور انصار اور نبی کریم کے قبیلۂ قریش میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کی باہمی رقابتیں نیز قبیلہ قریش اور دیگر قبائل کی آپس کی رنجشیں جو قریش کے عروج کو کچھ زیادہ پسند نہ کرتے تھے۔ غرضکہ نفاق اور شقاق کے یہ سب اندیشے جو پہلے ہی سے موجود تھے، نئے خلیفہ کی قوت فیصلہ کی کمی، کمزوری، ضد، اور علانیہ بنو امیہ کی جنبہ داری حتیٰ کہ ایسے لوگوں کی بھی حمایت جن کا اسلام سے تعلق مشتبہ تھا ان سب وجوہات کی بنا پر اور زیادہ نمایاں ہو گئے۔ آئندہ جو بحث کی جائے گی اسے واضح تر بنانے کے لئے ہم نے سٹینلی لین پول (Stanley Lanepool) کی مشہور کتاب مسلمان شاہی خاندان (Mehammadan Dynasties) سے دو شجرے نقل کر دئے ہیں۔ پہلے شجرے سے قبیلۂ قریش کی شاخوں اور خلفاء کے خاندانوں کا تعلق معلوم ہوتا ہے :—


قریش
ابو سفان
ہاشم
عبدالمطلب
عبدالشمس
امیہ
عثمان اور بنو امیہ
عباس
بنو عباس
ابو طالب
عبداللہ
ابو بکر
عمر
محمد صلی اللہ علیہ وسلم = عایشہ
حفصہ
علی
الحنیفہ
فاطمہ
رقیہ اور
ام کلثوم
عثمان
محمد ابن الحنیفہ
حسن
حسین
شہید
فاطمی خلفا وغیرہ

مذکورۂ بالا شجرے سے ہمیں معلوم ہو سکتا ہے کہ خلفائے راشدین میں سے پہلے تو ابوبکر (رض) اور عمر (رض) نبی کریم کے خسر تھے اور آخری دو عثمان (رض) اور علی (رض) دونوں ان کے داماد تھے؛ لیکن قرابت قریبہ ان میں سے صرف حضرت علی ہی کے ساتھ تھی اس لئے کہ وہ نہ صرف نبی کریم کے برادر عم زاد تھے، بلکہ شروع ہی سے اسلام کے حامی اور فدائی بھی تھے۔ ہمیں اس شجرے سے ایک اور بات بھی معلوم ہوتی ہے (جس کی اہمیت آئندہ باب میں ظاہر ہوگی) کہ لفظ بنو ہاشم میں شیعہ ائمہ (جو حضرت علی اور رسول کریم کی صاحب زادی فاطمہ کی اولاد ہیں) اور خلفائے عباسیہ دونوں شامل ہیں لیکن بنو امیہ اس کے دائرے سے خارج ہیں —

دوسرے شجرے سے خلفائے امیہ کا رشتہ ایک دوسرے کے ساتھ نیز حضرت عثمان کے ساتھ معلوم ہوتا ہے :—


امیه
حرب
ابوسفیان
(۱) معاویه اول
(۲) یزید اول
(۳) معاویه ثانی
ابوالعاص
حاکم
(۴) مروان اول
عفان
عثمان
عبدالعزیز
(۸) عمر ثانی
(۵) عبدالملک
محمد
(۱۱) مروان ثانی

اسلام نے انصاف کا جو سخت اور بے لاگ معیار مقرر کیا تھا، حضرت عثمان نے اپنی خلافت کے آغاز ہی سے اس کی خلاف ورزی کر کے اپنے احباب اور رشتہ داروں کے ساتھ خاص مراعات برتنی شروع کردیں۔ سابق خلیفہ حضرت عمر کے قاتل ایرانی غلام ابو لولو کو از روے اصول سزاے موت ملنی چاہئے تھی، لیکن عمر کے بیٹے عبیداللہ نے صرف قاتل ہی کو مارنے پر اکتفا نہ کی بلکہ ایک اور ایرانی سردار ہرمزان کو بھی جو اسیر جنگ تھا اور مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا، شرکت جرم کے شبہ میں قتل کر دیا۔ لیکن اس کے شریک جرم ہونے کا کوئی ثبوت نہ تھا اور علی (رض) نے جو اسلامی قوانین کی پابندی اور حمایت سختی کے ساتھ کرتے تھے کہا کہ چونکہ عبیداللہ نے ایک مومن کو بے وجہ قتل کیا ہے اس لئے انھیں بھی سزاے موت ملنی چاہئے۔ لیکن عثمان نے اسے گوارا نہ کیا، بلکہ قصاص کے عوض ایک رقمی خونبہا تجویز کیا اور اپنی جیب سے ادا کیا* اور جب زیاد بن لبید نے جو انصار میں سے تھے ان کی اس بے جا قدم دلی پر اشعار† میں انھیں برا بھلا کہا تو انھوں نے اس جسارت کی پاداش میں شاعر کی زبان بند کردی اور اسے

---

* میور کی تاریخ خلافت (Caliphate) صفحہ ۲۰۵۔ ۱۲۔ مصنف

† یہ اشعار ناظرین کو (De goeje) کے طبری کے اڈیشن سلسلہ نمبر ۱ جلد ۵، صفحہ ۲۷۹۶ پر ملیں گے ۱۲۰ مصنف

خارج البلد کر دیا ـــ

غرض کہ جس وقت سے حضرت عثمان مسند خلافت پر بیٹھے ، ان کا ذاتی اغراض سے متاثر ہونا ظاہر ہونے لگا ، اور مرور ایام کے ساتھ اس میں اور زیادتی ہوتی گئی ۔ عام طور پر عربوں کے دل قبیلۂ قریش کی طرف سے صاف نہ تھے ، اور ان کے عروج پر ان کا رشک و حسد بڑھتا جاتا تھا ۔ اور اب حضرت عثمان کی امیہ کی علانیہ حمایت کی وجہ سے (جنھوں نے تاحد امکان آنحضرت کی مخالفت کی تھی اور بدرجہ مجبوری اور بادل ناخواستہ اسلام اس وقت قبول کیا تھا جب وہ اس کی مخالفت نہ کرسکتے تھے) ہاشمی شاخ کو ان کے ساتھ بالکل ہمدردی باقی نہ رہی اور قبیلۂ قریش کا آپس کا شیرازۂ اتحاد درہم برہم ہوگیا ۔ آنحضرت کے بعض جانی دشمن مثلاً ابوسرح جو عثمان کے رضاعی بھائی تھے اور جنھیں اگر عثمان سفارش نہ کرتے تو آنحضرت فتح مکہ کے موقع پر سزائے موت دیتے ، اعلیٰ عہدوں پر ممتاز کئے گئے اور بیش قرار تنخواہوں سے ان کی دولت میں اضافہ کیا گیا ۔ ایسے لوگوں کو جن کی فرائض مذہبی اداکرنے میں کوتاہی عام طور پر مشہور تھی ، ذی ثروت ولایتیں سپرد کی گئیں ، مثلاً ولید بن عقبہ جس کے باپ کو آنحضرت نے غزوۂ بدر کے بعد مروا ڈالا تھا ، اور فاری بنایا تھا ، یا سعید بن العاص

جس کا باپ اسی جنگ بدر میں کفار کی طرف سے لڑکر ہلاک ہوا تھا۔ ولید جس کے سپرد کوفہ کی ولایت کی گئی تھی، مسجد میں شراب پئے ہوئے آیا، غلط نماز پڑھائی اور پھر جماعت سے کہا کہ "جی بھر گیا یا کچھ اور لوگے"۔ اس میں شک نہیں کہ اسے خدمت سے برطرف کردیا گیا، لیکن حد شرعی عثمان (رض) کی مرضی کے خلاف محض علی (رض) کے اصرار سے لگائی گئی۔ خلیفہ (عثمان) کا چھوٹا چچا زاد بھائی ابن عامر بصرہ کا عامل بنایا گیا جب یہ خبر بڑھے عامل ابو موسیٰ (جس کی جگہ ابن عامر آیا تھا) نے سنی تو کہا کہ اب تم کو ایسا معزول شخص کرنے والا مل رہا ہے جس سے غالباً تمہاری بھر جائے گا، جس کا چچا زاد بھائی، چچا، اور چچیاں بے شمار ہیں اور جو اپنی جونکوں سے تمہارا ناک میں دم کردے گا۔ کوفہ کا نیا عامل سعید بن العاص بھی اتنا ہی برا نہا جتنا اس کا پیش رو۔ یہاں تک کہ رعایا میں شکایت کے طور پر یہ مثل مشہور ہوگئی ایک قریشی دوسرے قریشی کے بعد عامل ہوتا ہے اور جانشین بھی اتنا ہی بدتر ہوتا ہے جتنا کہ پیش رو۔ یہ تو بالکل وہی مثل ہوئی کہ چولہے سے نکلا تو بھاڑ میں گرا"۔

عثمان (رض) کا قتل سنہ ۶۵۶ء

اس روز افزوں بے چینی کے اور اسباب بھی تھے جن کی وجہ سے نبی کریم کے

اور صحابہ بھی جو اپنے زہد و تقوی کے لئے ممتاز تھے ان بدن بہ دل ہوتے گئے - ابن مسعود جو نصوص قرانی کے متعلق حکم کا درجہ رکھتے تھے ' حضرت عثمان کی قران کی نظر ثانی اور خصوصاً غیر مستند نسخ قرانی کے تلف کردئیے جانے کی وجہ سے ان سے ناراض ہوگئے - ابوذر کو ' جو مسلمانوں کی مساوات کے حامی تھے ' اور اس عیش پسندی کے جو روز بروز بڑھتی جاتی تھی سخت مخالف تھے جلا وطن کردیا گیا ' اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہوا * - نئی نئی بدعتوں نے جن کے جواز کی بجز اس کے اور کوئی وجہ نہ تھی کہ خلیفۂ وقت کی مرضی یہی تھی - بدنامی اور ناراضی کے اس طوفان کو اور شدید کردیا ' حتی کہ کہ ١٧ جون سنہ ٦٥٦ م میں معمر خلیفہ کو اس حالت میں کہ وہ مدینہ میں اپنے زنانہ مکان میں بیٹھے تھے دشمنوں کے ایک گروہ نے بے دردی کے ساتھ قتل کردیا - ان کی بیوی نائلہ (رض) نے آخر وقت تک حق وفاداری ادا کیا ' اور اپنے ہاتھ پر قاتلوں کے ایک وار کو جو عثمان (رض) پر کیا گیا تھا روک لیا ' جس سے ان کی کئی انگلیاں کٹ گئیں - بعد کو امیر معاویہ نے یہ کٹی ہوئی انگلیاں

---

* اس واقعہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مروج الذہب مرتبہ بار بیرتی مے نارڈ جلد چہارم صفحہ ٢٩٨ - صفحہ ٢٧٣-١١ مصنف -

اور ان کے ساتھہ مشہور خلیفہ کی خون آلودہ قمیص دمشق کی جامع مسجد میں مسلمانوں کو دکھائیں ، مطلب یہ تھا کہ قاتلوں کے خلاف شامیوں کی آتش غیظ و غضب بھڑک اٹھے * —

علی (رض) کا انتخاب خلافت

عثمان (رض) کی وفات سے اسلام کا رہا سہا نمایشی شیرازہ اتحاد و یکا نگہت بھی پراگندہ ہوگیا ، اور ایسی جنگیں شروع ہوگئیں جن میں اسلام کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مسلمانوں کی شمشیریں مسلمانوں ہی کے خلاف نیام سے نکل پڑیں ۔ بالآخر علی (رض) خلیفہ منتخب ہوے ، جو منصب اکثر لوگوں کی راے میں ، ان کے حقوق کو دیکھتے ہوے انھیں بہت پہلے ملنا چاہئے تھا ۔ طلحہ اور زبیر کو اپنی کوششوں میں مایوسی ہوئی جس پر انھوں نے حضرت عائشہ (دختر ابوبکر (رض) اور بیوۂ رسول کریم) کے اشارے سے بغاوت کردی ، اور اس کی پاداش میں دسمبر سنہ ۶۵۶ع میں جنگ جمل میں کام آے ، اس لڑائی میں دس ہزار مسلمان کھیت رہے ۔ علی (رض) نے بہت کوشش کی کہ اس کشت و خون کی نوبت نہ آنے پاے ، لیکن عین اس وقت جب کہ انھیں کامیابی کی کچھہ امید ہو چلی تھی ، عثمان (رض) کے قاتلوں نے جو ان کی فوج میں تھے ڈرکر کہ کہیں صلح ہونے کی صورت میں ان سے مواخذہ

---

* انفنٹری (اڈیشن ایلواوتت) صفحہ ۱۱۰ - ۱۱۲ مصنف

نہ کیا جائے ، فوراً ہی لڑائی چھیڑدی —

معاویہ کا علی کو خلیفہ ماننے سے انکار

شام میں جہاں عثمان (رض) کے رشتہ دار معاویہ والی تھے ، اس سے اور زیادہ بے چینی پھیل چکی تھی ، اس لئے کہ وہاں بنو امیہ کا اثر بہت زیادہ تھا — علی کو لوگوں نے مشورہ دیا کہ وہ اس ذی اثر اور فطرتی والی سے تعارض نہ کریں ، لیکن انھوں نے نہ مانا اور انھیں ان کی خدمت سے واپس بلانے پر مصر رہے — معاویہ نے تعمیل حکم سے انکار کردیا ، اور جواب میں علی کو صریحاً عثمان کے قتل کی سازش کا شریک ٹھیرایا — اس سے پہلے یہی الزام ولید بن عقبہ نے (جس کو جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں حضرت علی کے ہاتھوں سزا مل چکی تھی) بعض اشعار * میں جو اس نے ہاشمیوں کو مخاطب کرکے لکھے تھے علی پر لگایا تھا ۔ ان میں سے آخری شعر یہ ہے —

" تم نے ان (عثمان) کے ساتھ دغا کی
تاکہ ان کی جگہ لے لو جس طرح سے کہ
کسریٰ کے ساتھ اس کے امیروں نے دغا کی تھی "

غرض کہ معاویہ نے عثمان کے انتقام کا بیڑا اٹھایا ، اور نہ صرف علی کے احکام کی تعمیل ، یا ان کو خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا بلکہ خود خلافت کا دعویٰ کیا ، اس دعوے کی تائید عمرو ابن العاص نے کی جنھیں

* ملاحظہ ہو مسعودی صفحہ ۲۸۹ - ۱۲ مصنف —

اس کے صلے میں والی مصر بنائے جانے کا وعدہ کر لیا گیا تھا - جب گفت و شنید سے معاملے کے تصفیہ کی امید نہ رہی تو علی نے جو مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو اپنا مستقر بنا چکے تھے معاویہ اور ان کے شامیوں کے خلاف جنگ شروع کردی، اور پچاس ہزار کی فوج لے کر ان کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے - دونوں فوجیں بمقام صفین

جنگ صفین

جو شام میں حلب اور حمص کے درمیان میں واقع ہے ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئیں اور کئی روز کے شبخوں اور صلح کی بے نتیجہ گفت و شنید کے بعد اواخر جولائی سنہ ۶۵۷ ع میں فیصلہ کن معرکہ ہوا - لڑائی کے تیسرے روز علی کی فتح بہت کچھ یقینی ہوگئی تھی، کہ اتنے میں امیر ابن العاص نے جو حربی چالوں کے بڑے ماہر تھے معاویہ کو یہ مشورہ دیا کہ اپنے سپاہیوں کو حکم دو کہ نیزوں پر اوراق قرآنی بلند کریں اور یہ نعرہ لگائیں، "قانون الہی! قانون الہی!! وہی ہم میں فیصلہ کرے گا" اگرچہ علی نے اپنے ساتھیوں کو اس چال سے متنبہ کیا اور ان سے تاکید کی تھی کہ موقع ہاتھ سے نہ جانے دو اور بڑھے چلو، لیکن ان کی کسی نے نہ سنی - ان پر جوش اور کٹر مسلمانوں نے جو ان کی فوج کی جان تھے ایسے لوگوں کے خلاف تلوار اٹھانے سے انکار کر دیا جو قران کو درمیان میں لائیں - عارضی طور پر صلح کا اعلان کردیا

گیا، اور دونوں فریقوں نے ثالثی پر رضامندی ظاہر کی۔ اس موقع پر بھی علی کو اپنی مرضی کے خلاف کمزور ارادہ اور متلون المزاج ابو موسیٰ الاشعری کو جسے اسی کمزوری کی وجہ سے وہ کوفہ کی ولایت سے ہٹا چکے تھے، اپنا نمائندہ بنانا پڑا۔ ادھر معاویہ کی طرف سے زیرک اور پر تدبیر امیر ابن العاص نمائندگی کر رہے تھے اور انھوں نے چال سے * حضرت علی کو ہٹا کر معاویہ کی خلافت کا اعلان کردیا۔ یہ واقعہ فروری سنہ ۶۵۸ ع میں بمقام دومۃ الجندل جو صحرائے شام میں عرض البلد ۳۰ کے عین جواب میں اور دمشق اور بصرہ سے مساوی فاصلہ پر واقع ہے، پیش آیا۔

معاویہ کی خلافت کا اعلان فروری سنہ ۶۵۸

حضرت علی اور ان کے شرکا کو اس واقعہ سے جو کچھ مایوسی اور نفرت ہوئی اس کا بیان تحصیل حاصل ہے۔ معاویہ اور ان کے حلیفوں کے لئے روزانہ عراق کی مسجدوں میں دعائے قنوت کی جانے لگی۔ واضح رہے کہ یہ صوبہ کم و بیش علی کا وفادار تھا۔ دوسری طرف سے اس کے جواب میں معاویہ اور ان کے ساتھیوں نے ان لوگوں کے خلاف اس قسم کی دعائیں دمشق کی مساجد میں کرائیں، اور علی اور ان کے رفیقوں کے خلاف یہ دعائے قنوت عمر ثانی کے زمانے تک

علی کی حالت

* ملاحظہ ہو میور کی "caliphate" صفحہ ۲۸۰ - ۲۸۲ نیز الفخری (اداوارڈت اڈیشن) صفحہ ۱۱۱ تا ۱۱۳ - ۱۲ مصنف

ہوتی رہی اور ان کے حکم سے منسوخ ہوئی۔ سارے خاندان امیہ میں عمر ثانی ہی ایسے خلیفہ تھے جن کے دل میں خوف خدا تھا۔ علی (رض) نے بھی صرف تبرا بازی ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ اپنے دشمن سے ایک اور جنگ کی تیاری کرنے لگے، لیکن اتنے میں قرب و جوار کے دوسرے اہم واقعات نے ان کی توجہ کو ادھر سے ہٹا دیا۔

علی (رض) کی فوجوں کی ترکیب

علی (رض) کی فوجوں میں ذاتی احباب، ملازمین، بساط سیاست کے ہاطروں اور بصرہ اور کوفہ کے شورش پسند اور متلون المزاج باشندوں کے علاوہ دو جماعتیں ایسی تھیں جو ایک دوسرے سے بالکل متضاد تھیں اور اسلام کے دو قدیم ترین فرقوں شیعوں اور خارجیوں کی نمائندہ تھیں۔ ان میں سے

شیعیان علی (رض)

اول الذکر یعنی شیعہ علی (رض) اور ان کے خاندان کے جاں نثار اور وفادار تھے اور اس نظریہ کے موید تھے جس کی تشریح ہم اس جلد کے صفحہ ۲۱۷ پر کر آئے ہیں، اور جسے مختصراً ان لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ نبی کریم کی اولاد اور قریبی رشتہ داروں کو اس بات کا الہی حق حاصل ہے کہ وہ دینی اور دنیاوی دونوں حیثیتوں سے اسلام کے پیشوا مقرر ہوں۔ صفحات آئندہ میں ہم ان لوگوں کا نیز ان عجیب و غریب عقائد و مسائل کا جو ان میں کے غالی افراد نے

پیش کئے ہیں ذکر کریں گے - اس موقع پر صرف اس قدر اشارہ کر دینا کافی ہے کہ حضرت علی کے تقدس بلکہ ان کی الوہیت کے متعلق خود ان کی زندگی میں اور ان کی سخت مخالفت کے باوجود جو عقائد پیدا ہو گئے تھے ان کا ایک پر جوش حامی عبداللہ ابن سبا* نام ایک یہودی تھا جو بعد کو مسلمان ہو گیا تھا اور جس نے عثمان (رض) کی خلافت کے زمانے میں سنہ ۶۵۳ ع میں بمقام مصر اپنے عقائد کی تبلیغ شروع کر دی تھی —

خوارج | خوارج † (جنھیں میور (Theocratic Separatists) دینی اختلاف پسند کہتا ہے) کا عقیدہ انتہائی جمہوریت پسندی کا تھا، یعنی ان کی رائے میں ہر آزاد عرب منصب خلافت کے لئے منتخب کیا جا سکتا تھا، اور جو خلیفہ جمہور مسلمین کی تائید حاصل نہ کر سکے

* ملاحظہ ہو میور کی (Caliphate) صفحہ ۲۲۵ - صفحہ ۲۲۹ نیز شہرستانی کی کتاب الملل و النحل (کری ٹن اڈیشن) (Curetan Edition) صفحہ ۱۳۲ - ۱۳۳ - ۱۲ - مصنف —

† برونو کی رائے ہے کہ خوارج کا نام ان لوگوں نے خود اختیار کیا تھا، ان کے دشمنوں کا دیا ہوا نہیں ہے، نیز یہ کہ اس کے معنی بغاوت یا خروج کے نہیں ہیں، بلکہ "مہاجروں" کی طرح کا ایک لقب جو ان لوگوں نے اس وجہ سے اختیار کرلیا تھا کہ یہ خدا کی راہ میں گھر سے نکل پڑے تھے - وہ اپنی رائے کی تائید میں قرآن ۴ - ۱۰۱ کو پیش کرتے ہیں - ۱۲ - مصنف —

اسے معزول کیا جا سکتا تھا* ان کی فوجیں ریگستان کے پکے عربوں (خصوصاً بعض اہم قبائل جیسے تمیم) اور جنگ قادسیہ اور دوسرے معرکے کی لڑائیوں کے سورماؤں پر مشتمل تھیں۔ ان کے ساتھ ہی پکے شرعی مسلمان بھی شریک تھے جنھیں شہرستانی نے "اہل الصیام والصلواۃ" کہا ہے، جو افراد کی حوصلہ آزمائیوں کو دین اسلام کے اتحاد کے لئے مضر سمجھتے تھے، اور دینی اغراض کا فرقہ واری اغراض کے تابع ہو جانا پسند نہ کرتے تھے۔

یہ لوگ قرآن ۲ - ۲۰۳ کے حوالے سے اپنے آپ کو 'شرات' کہتے تھے، یعنی بہشت کی خاطر جان فروشی کرنے والے۔ ان شرات کی اصل ہمت، ان کا درشت غلو اور خدا کے سوا کسی اور کی اطاعت نہ کرنے کا عزم بالجزم، یہ سب باتیں ہمیں نہ صرف آخر اٹھارویں اور شروع انیسویں صدی کے وہابیوں کی یاد دلاتی ہیں بلکہ اسکاٹ لینڈ کے (Covenanters) اور انگلستان کے (Puritans)

---

* بعد کو غالی خوارج نے اس میں دو اور شرطوں کا اضافہ کیا - ایک تو انھوں نے "آزاد عرب" کی جگہ "نیک مسلمان" رکھا اور دوسرے لفظ "معزول" کے آگے یہ عبارت بڑھائی "بشرط ضرورت قتل کیا جاسکتا ہے" - خوارج کے متعلق خاص طور پر ملاحظہ ہو برونو کا فاضلانہ مضمون (Die charid schiten) (لنڈن سنہ ۱۸۸۴) نیز Von Kremer کی تصنیف (Herr Schemden) (Idem etc) صفحہ ۳۵۹ - ۳۶۰ : Dozy کی (Hstoire de l' Islamisive) صفحہ ۲۱۱ تا صفحہ ۲۱۹ - ۱۲ مصنف

کی یاد بھی تازہ کرتی ھیں - اور اکثر خارجی نظمیں *
اس انداز اور ایسے الفاظ میں لکھی گئی ھیں کہ
(Balfour of Burleigh) بھی اگر اپنا مطلب ظاھر کرنا چاھتا
تو ھو بہو انہیں الفاظ میں کرتا —

اس جمہوریت پسند جماعت کو معاویہ اور اُمیہ کی
لا مذھبیت سے جتنی نفرت تھی، اس سے کچھ ھی کم
نفرت اس اکابر پرستی سے تھی جس کی نمائندہ علی (رض)
اور قبیلۂ قریش کی ھاشمی شاخ تھی، اور اگرچہ جنگ
صفین میں یہ لوگ علی کی طرف سے لڑے تھے، لیکن
جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ھے ان کی شرکت تمام تر
فائدہ ھی کا باعث نہ ھوئی کیونکہ جس ثالثی پر خود
انھوں نے زور دیا تھا، اس کے بعد جب ان کی جماعت میں
دو ھمی پیدا ھوئی، تو یہ علی (رض) کے پاس آئے اور

---

* ان نظموں کا بہترین ذخیرہ المبرد کی کامل میں موجود
ھے، جو نویں صدی عیسوی میں تصنیف ھوی اور جس کا
ایک اڈیشن Wright نے سنہ ۱۸۶۴ — ۱۸۸۲ع میں شایع کیا
ملاحظہ ھو باب نمبر ۳۹، ۵۱ و ۵۳ - نولد کی کی کتاب Delectus
vet. Carm. Arab. (برلن سنہ ۱۸۹۰ع) میں بھی ان کا کچھ
انتخاب موجود ھے (صفحہ ۸۸ تا ۹۳)، نیز ملاحظہ ھو
von Kremer کی culturgeschichte جلد دوم صفحہ ۳۶۰ -
۳۶۲ — ۱۲ — مصنف —

کہنے لگے * "ثالثی صرف خدا ہی کو زیبا ہے۔ تجھے کیا ہوا تھا کہ تونے انسانوں کو ثالث قرار دیا۔ علی (رض) نے جواب دیا میں نے کبھی ثالثی پر رضا مندی ظاہر نہیں کی تھی، تم ہی نے اس کی آرزو کی تھی۔ میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ یہ شامیوں کی چال ہے اور تم کو حکم دیا تھا کہ اپنے دشمنوں سے لڑتے رہو لیکن تم ثالثی کے سوا اور کسی بات پر تیار نہیں ہوے، اور میرا حکم رد کردیا۔ پس جب ثالثی سے مفر نہیں رہا، تو میں نے یہ شرط کردی تھی کہ ثالث صرف کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں، لیکن ان میں اختلاف پیدا ہوا اور انھوں نے احکام الہی کے خلاف ہوائے نفس کے مطابق فیصلہ کیا اس لئے ہم اب بھی اپنی پرانی راے پر قائم ہیں کہ دشمنوں سے جنگ کی جاے۔ اس پر خوارج نے جواب دیا اس میں شک نہیں کہ پہلے ہم نے ثالثی منظور کی تھی، لیکن اب ہم پچھتا رہے ہیں اور ہمیں اعتراف ہے کہ ہم غلطی پر تھے۔ اب بھی اگر تو اپنے کفر کا اقرار کرے اور خدا سے اپنے اس گناہ کی کہ تونے انسانوں کی ثالثی قبول کی توبہ کرے تو ہم تیرے ساتھ مل کے تیرے اور اپنے دشمنوں سے جنگ کریں گے ورنہ ہم تجھ سے علیحدہ ہو جائیں گے"۔

---

* میں اس موقع پر الفخری (ایلوارڈت اڈیشن) صفحہ ۱۱۴ الخ کے الفاظ نقل کررہا ہوں ۱۲ مصنف —

جنگ نہروان

علی (رض) کو ان لوگوں کی بے عقلی کی روش پر غصہ آیا، لیکن ان کی تنبیہہ اور ترغیب کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، اور قبل اس کے کہ ان کی واپس جانے والی فوج کوفہ تک پہنچے اس میں سے ۱۲۰۰۰ آدمی، جیسا کہ انہوں نے دھمکایا تھا، علیحدہ ہوگئے اور حروراء میں جاکر پڑاؤ کیا۔ انہوں نے اپنا نعرہ جنگ "لا حکم الا للہ" مقرر کیا اور مدائن کی طرف بڑھے تاکہ اس پر قبضہ کر کے وہاں ایک "مجلس نمائندگان" قائم کریں جو "گرد و پیش کے بے دین شہروں کے لئے نمونہ بنے" * لیکن جب گورنر کی دور اندیشی کی وجہ سے انہیں اپنے اس ارادے میں ناکامی ہوئی تو نہروان کی طرف جو ایرانی سرحد کے نزدیک تھا، بڑھ گئے۔ انہوں نے ۲۲ مارچ سنہ ۶۵۸ ع کو قبیلۂ راسب † کے عبداللہ بن وہب کو اپنا خلیفہ منتخب کیا اور جن مسلمانوں نے ان کے ہم رائے ہونے، ان کے خلیفہ کو تسلیم کرنے اور عثمان (رض) اور علی (رض) دونوں کو برا کہنے سے انکار کیا، ان کو انہوں نے کافر قرار دے کر قتل کرنا شروع کیا۔ ان کے افعال خشونت اور خدا ترسی کا ایک عجیب معجون مرکب تھے۔ ان میں سے ایک نے ایک کھجور جو درخت سے ٹوٹ کر زمین پر گر پڑی تھی اٹھا کر اپنے منہ میں رکھی لیکن جب

---

* میور (Caliphate) صفحہ ۲۸۴ - ۱۲ - مصنف

† بروئنو صفحہ ۱۸ - ۱۲ - مصنف

اس کے ساتھیوں نے ملامت کی " تونے یہ کھجور بغیر حق کے لی ہے تونے اس کی قیمت ادا نہیں کی ہے" تو اس نے اسے منہ سے نکال کر پھینک دیا ' اسی طرح سے کہتے ہیں کہ ایک خارجی نے ایک خنزیر پر جو ادھر سے جا رہا تھا اپنی تلوار چلائی اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اس پر اس کے ساتھیوں نے کہا یہ " فساد فی الارض " میں داخل ہے تو اس نے اس کے مالک کو تلاش کر کے اس کو تاوان ادا کر دیا * لیکن دوسری طرف بے گناہ مسافر قتل کئے جاتے تھے ' حاملہ عورتوں کے پیٹ تلوار سے پھاڑ ڈالے جاتے تھے ' اور ان مظالم پر ان غالیوں کی طرف سے کسی ندامت کا اظہار نہ ہوتا تھا - بر خلاف اس کے جب علی (رض) نے ان سے کہا کہ قاتلوں کو حوالے کر دو اور بقیہ سب لوگ چپ چاپ چلے جاؤ تو یہ ایک آواز ہو کر پکار اٹھے " ہم سب نے کفار کے قتل میں حصہ لیا ہے"۔ ظاہر ہے کہ جب علی (رض) کی فوجوں کے اہل و عیال اور گھر بار کو ایسے خطرے کا سامنا ہو ' تو وہ لوگ بغیر اس طائفہ باغیہ کا استیصال کئے ہوئے کس طرح شام کی طرف پیش قدمی کر سکتے تھے - حضرت علی (رض) نے رحم دلی سے کام لے کر ان خوارج کو جو جانا چاہیں ' بغیر تعارض خوارج کی لشکر گاہ سے چلا جانے دیا - ان میں سے نصف تعداد نے اس اجازت سے فائدہ اٹھایا - بقیہ دو ہزار نے حقارت

---

* النخری اطوارتخ اتیمن صفحہ ۱۱۷ -

کے ساتھ اس رعایت کو ٹھکرا دیا، اپنی جگہ پر قدم جمائے رہے اور ایک ایک کرکے مارے گئے ۔ دوسری طرف علی (رض) کے ساتھ ہزار مجاہدین میں سے صرف سات کام آئے ۔ یہ سنہ ۶۵۸ ء کے مئی یا جون کا واقعہ ہے ، اور اس کی وجہ سے پس ماندہ خوارج کی عداوت علی (رض) کے ساتھ اور زیادہ سخت ہو گئی ، اور اب وہ ان سے معاویہ (رض) سے بھی زیادہ متنفر ہوگئے ۔ علاوہ بریں علی (رض) کی فوجوں نے انکار کردیا کہ جب تک ہم دم نہ لے لیں اور مزید سپاہ بھرتی نہ کر لیں ، معاویہ (رض) کے خلاف پیش قدمی نہ کریں گے ۔ انھوں نے کہا " ہماری شمشیریں کند ہو گئی ہیں ، ہمارے ترکش خالی ہو چکے ہیں اور ہم جنگ سے اکتا گئے ہیں ، کچھ دنوں کی ہمیں مہلت دو تاکہ ہم اپنے انتظامات درست کرلیں اور اس کے بعد ہم پیش قدمی کریں گے* " ۔ لیکن جیسے ہی کہ ان لوگوں کو موقعہ ملا ، وہ ایک ایک کرکے کھسکنے لگے یہاں تک کہ لشکر گاہ خالی ہو گئی ۔

مزید مشکلات

اپنے مخالف کی یہ روز افزوں مشکلات دیکھ کر معاویہ (رض) بھی بہت جری ہوگئے ۔ انھوں نے مصر پر قبضہ کرلیا اور بصرہ میں بھی بغاوت کرادی ۔ دوسری طرف خوارج نے جنوبی ایران کے باشندوں کو ورغلایا " کہ ایک لا مذہب خلیفہ کو جزیہ دینا گویا اس کی تائید کرنا

---

* الفخری (اہلوارتھ اڈیشن) ص ۱۱۷ - ۱۲ مصنف

ہے اور یہ ناجائز کام ہے * اور سارے جنوبی ایران میں خوارج علی (رض) کے خلاف بغاوت کے لئے کھڑے ہوگئے ، غرض کہ ان حالات نے ، نیز ان کے علاوہ اور کئی مسلسل درد ناک اور خلاف امید واقعات نے علی (رض) کو اس حد تک بد دل کردیا کہ وہ سنہ ۶۶۰ م میں معاویہ (رض) کے ساتھ صلح کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے تھے ، جس کی رو سے ان (معاویہ) کا قبضہ مصر اور شام پر بغیر شرکت غیرے تسلیم کر لیا گیا تھا - اس کے دوسرے سال (جنوری سنہ ۶۶۱ م)

علی کا قتل ۲۵ جنوری سنہ ۶۶۱ م

علی (رض) کو ابن ملجم اور دو اور خارجیوں نے کوفہ کی مسجد میں قتل کردیا -

غرض کہ اس طرح نبی کریم کے برادر عم زاد اور داماد خلفاے اربعہ میں سے آخری خلیفہ اور شیعہ ائمہ میں سے پہلے امام علی (رض) کا خاتمہ بعمر شصت سالہ ہوگیا - ان کے جانشین حسن (رض) ہوے جو ان تین فرزندوں میں سے †

حسن (رض) کی جانشینی اور خلع

جو حضرت فاطمہ کے بطن مبارک سے ہوے سب سے بڑے تھے ، لیکن وہ ۱۰ اگست سنہ ۶۶۱ م میں ، بلا عذر و مقابلہ خلافت سے دست بردار ہوگئے ، اور اس طرح معاویہ (رض) عظیم الشان سلطنت اسلامی کے مالک کل ہوگئے ، اور خاندان امیہ مستحکم ہوگیا

---

* میور Caliphate ص ۲۹۲ - ۱۲ - مصنف

† دوسرے بیٹے حسین تھے ، اور تیسرے کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا تھا - ۱۲ - مصنف -

اور دنیا اس کا لوہا ماننے لگی —

ڈوزی (Dozy) نے لکھا ہے کہ بنو امیہ کی فتح در اصل اس گروہ کی فتح تھی جو دل میں اسلام کا دشمن تھا "۔ نبی کریم کے جانی دشمنوں کی اولاد، جن کے دلوں میں اب تک ویسی ہی مخالفت تھی، اب جانشینی اور نیابت رسول کے مدعی ہوئے اور جن لوگوں نے ان کی بدعتوں کے خلاف کوئی بات منہ سے نکالی ان کی زبان بندی بزور شمشیر کی گئی۔ خود معاویہ (رض) کے زمانے میں بھی رعایا کو شکوہ و شکایات کی بہت سی وجوہات پیدا ہو چلی تھیں۔ وہ دمشق میں اپنے پر شکوہ دربار میں بیٹھ کر اور اپنی ادنیٰ درجہ کی رعایا کی داد فریاد سے دور رہکر خلفاے راشدین کی بجاے بازنطینی شہنشاہوں اور ایرانی بادشاہوں کی شان و شوکت کی نقالی کر رہے تھے۔ ان ہی کی تقلید میں انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا اور بجز بلاد مقدسہ مکہ و مدینہ کی رعایا سے ان کی خلافت منوالی —

یزید اول سنہ ۶۸۰ سنہ ۶۸۳ ع | جب معاویہ (رض) کی وفات (اپریل سنہ ۶۸۰ ع) کے بعد یزید ان کا جانشین ہوا، تو صورت حالات اور بدتر ہو گئی۔ دنیاے اسلام اور خصوصاً ایران میں اس کے نام سے زیادہ اور کوئی نام سب و شتم، لعنت و ملامت کا مورد نہیں بنایا جاتا۔ ایک ایرانی کو "کذاب"، "مفتری" اور "قزاق" کہو تو

ممکن ہے کہ وہ /نہیں برداشت کر لے ، لیکن اگر تم اُسے یزید ، شمر ، یا ابن زیاد کہو تو وہ فوراً آپے سے باہر ہو جائے گا ۔ ایک ایرانی شاعر کو کسی نے یزید پر لعنت بھیجنے کے سلسلے میں برا بھلا کہا تھا ، تو اس نے جواب دیا اگر خدا یزید کو معاف کر سکتا ہے ، تو یقیناً وہ اس پر لعنت بھیجنے والوں کی خطا سے بھی در گزر کر سکتا ہے "۔ "حافظ" پر محض اس وجہ سے کہ اس کے دیوان کی پہلی غزل یزید کے حسب ذیل شعر کے دوسرے مصرے سے شروع ہوتی ہے ، بہت کچھ لعن طعن کی گئی ہے ۔ یزید کا شعر یہ ہے :۔

انا المسموم ما عندی بترياقٍ ولا راقی
ادر کاساً و ناولہا ، الا یا ایہا الساقی

'اہلی شیرازی' 'اسان الغیب' کی معذرت میں کہتا ہے :۔

" ایک رات میں نے استاد حافظ کو خواب میں دیکھا ۔ میں نے پوچھا " اے یکتائے روزگار و یگانۂ علوم ، تونے با وصف اپنی خوبیوں اور شہرتوں کے ، یزید کے اس مصرعہ کو کیوں لیا ، ۔ حافظ نے جواب دیا ، تو اس معاملہ کو نہیں سمجھتا ہے ۔ کافر کا مال مسلم کے لئے مباح ہے "

لیکن اس معذرت سے بھی کام نہیں چلا ، چنانچہ "کتابی نیشا پوری" نے اس کا جواب دیا ہے " مجھے استاد حافظ پر بہت تعجب ہے ، عقل اس کے سمجھنے قاصر ہے

ھے ' اس نے یزید کے مصرع میں کیا خوبی دیکھی کہ اپنے دیوان میں پہلے اس کو رکھا - اس میں شک نہیں کہ مومن کے لئے کافر کا مال حلال ھے ' اور اس میں کسی کو اختلاف راے کا محل نہیں ھے ' لیکن شیر کے لئے کس قدر شرم کی بات ھے کہ کتے کے منہ سے نوالہ چھین لے " —

یزید کی سیرت

یہ امر محتاج بیان نہیں ھے کہ یورپی مورخین میں سے بعضوں نے یزید کی حمایت کی ھے — یہ وہ لوگ ھیں جنھیں مسلمہ فیصلوں کی تردید میں اتنا لطف آتا ھے کہ یہ اس سے باز نہیں رہ سکتے - اس میں شک نہیں کہ یزید کی شخصیت ہرگز نفرت انگیز نہیں ھے - وہ ایک بدوی * ماں کا بیٹا تھا - صحرا کی آزاد فضا میں اس نے پرورش پائی تھی - ماہر اور شوقین شکاری تھا ' بلند پایہ شاعر ' بہادر عاشق ' شراب ' موسیقی اور سیر و شکار کا شوقین تھا - مذھب سے اسے کچھ زیادہ سروکار نہ تھا - ممکن تھا کہ ہم اس کی رجاھت † اس کے دلفریب اشعار ‡ ' اس کی شاھانہ صفات ' اور اس کے مسرت آمیز نشاطیہ حیات سے متاثر ہوکر اس کے متعلق

---

* مہور خلافت صفحہ ۳۱۹

† الفخری صفحہ ۹۷ — ۱۲ — مصنف

‡ الفخری نے اس کے بعض بہت دلفریب اشعار نقل کئے ھیں (اهلوارتت اتیشن صفحہ ۱۳۷ — صفحہ ۱۳۸) ۱۲ مصنف

فیصلہ بدل دیتے، لیکن واقعۂ کربلا کی یاد اس کے دامن پر ایک ایسا سیاہ دھبا ہے جو دھوے نہ دھویا جا سکے گا - الفخری لکھتا ہے " صحیح تر بیانات کے بموجب اس کی حکومت تین سال اور چھ ماہ تک رہی - پہلے سال میں اس نے حسین (رض) فرزند علی" (علیہما السلام و الصلواۃ) کو قتل کیا - دوسرے سال مدینہ کو تاراج کیا اور تین دن تک غارت گری کی، اور تیسرے سال کعبہ پر چڑھائی کی "

سانحۂ کربلا ۱۰ اکتوبر سنہ ۶۸۰ ع

ان تین سیاہ کاریوں میں سے پہلی (واقعۂ کربلا) ایسی تھی جس کی وجہ سے ساری اسلامی دنیا میں نفرت کی ایک لہر سی دوڑ گئی - جس شخص میں ذرا بھی احساس ہے وہ اس دردناک واقعے کو بغیر متاثر ہوے نہیں پڑھ سکتا - یہ نہ صرف ایک جرم تھا، بلکہ ایک بہت بڑی اور فاش غلطی تھی، جس کی وجہ سے یزید اور اس کے قابل نفرت چیلوں ابن زیاد، شمر وغیرہم نے اپنی حرکتوں کی وجہ سے تمام دنیاے اسلام میں محبان رسول اور حامیان دین مبین کے دلوں سے خاندان معاویہ کی طرف سے ہمدردی کے جذبات یک لخت فنا کر دیے - ہم نے "ہمدردی" کا لفظ اس وجہ سے استعمال کیا، کہ رعایا کے دلوں میں بنو امیہ کی طرف سے دوسرے جذبات مثلاً محبت یا وفاداری کا تو پہلے سے بھی کہیں نام نہ تھا - جیسا کہ ہم پہلے

کہہ آئے ہیں، اس وقت تک شیعیاں علی (رض) کا جوش اور جذبۂ وفا شعاری بہت پھیکا تھا - لیکن اس سانحہ کے بعد سے بالکل کایا پلٹ گئی - اور کربلا کی خون آلودہ زمین کی یاد سے، جہاں نبیء کریم کا نواسا اس حالت میں شہید ہوا کہ پیاس سے حلق میں کانٹے پڑے ہوئے تھے، اور زمین پر گرد و پیش اعزا و اقربا کے بے جان تن پھیلے پڑے تھے، آج بھی سرد مزاج سے سرد مزاج اور لا اُبالی سے لااُبالی شخص کے دل میں انتہائی گہرے اور شدید غم و اندوہ کے جذبات پر انگیختہ ہو جاتے ہیں اور اس میں ایک ایسا روحانی ولولہ پیدا ہوجاتا ہے جس کے سامنے تکلیف، خطرات اور موت کا خیال بھی ہیچ ہوجاتا ہے - ہر سال عاشورۂ محرم کو ایران، ہندوستان، ترکی، مصر غرض کہ جہاں کہیں بھی شیعہ آباد ہیں اس سانحہ فاجعۂ کی تمثیل دکھائی جاتی ہے، اور کون شخص ایسا ہے، خواہ وہ کسی غیر مذہب ہی کا کیوں نہ ہو، جو یہ کہہ سکے کہ جب میں نے ان "تعزیوں" کو دیکھا تو میرے دل میں ان ماتم گساروں کے جذبات کا مطلق احساس نہ تھا - میں کہتا ہوں کہ کوئی نہیں! - اِس وقت کہ میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں، یہ پورا منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے - نوحہ و زاری کی آوازیں، فرط رقت سے سسکیاں بھرنے والے مجمع، سفید لباس جو اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے زخموں کے خون سے سرخ

ہوگیا ہے، غم و ہمدردی کے جذبات سے لبریز ہو کر ہجوم خلائق کی بے خودی اور وارفتگی - یہ سب باتیں میری چشم تخیل کے روبرو اس وقت موجود ہیں - الفخری لکھتا ہے *

"یہ ایک سانحہ فاجعہ ہے کہ میں تفصیل سے اس کا ذکر کرنا بھی گوارا نہیں کرسکتا - میں اس کو نہ صرف بہت "دردناک" بلکہ دہشت انگیز بھی خیال کرتا ہوں - حق یہ ہے کہ یہ ایک ایسا حادثہ ہے جس سے زیادہ شرم ناک حادثہ اسلام میں اور نہیں ہوسکتا - قسم ہے اپنی جان کی کہ (علی) امیرالمومنین کا قتل ابتلائے عظیم تھا، لیکن اس سانحہ میں قتل، اسیروں کی پابجولانی اور شرم ناک سلوک کی ایسی مثالیں سامنے آتی ہیں کہ آدمیوں کے رونگٹے دہشت سے کھڑے ہوجاتے ہیں - میں نے اس کی تفصیل دینے سے اس وجہ سے بھی احتراز کیا ہے کہ یہ واقعہ بہت معروف بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ معروف ترین سانحات ہے - لعنت ہو خدا کی ہر اس شخص پر جس کا اس میں کچھ بھی دخل تھا یا جس نے اس کا حکم دیا، یا جس کو اس کے کسی جز سے بھی کسی طرح کی خوشی ہوی - خدا ایسے لوگوں کی کسی توبہ یا کسی کفارہ کو قبول نہ کرے - خدا ان کا حشر ان لوگوں کے ساتھ کرے جن کے افعال سے دنیا میں نقصانات عظیم ہوتے ہیں، اور جن کی مساعی اس حیات دنیوی میں بھی ناکام رہتی ہیں حالانکہ

---

* صفحہ ۱۳۸ الخ - ۱۲ - مصنف

وہ اس خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں کہ ہم خوش ہیں "

سر ولیم میور لکھتے ہیں " سانحہ کربلا نے نہ صرف خلافت کی قسمت کا ، بلکہ جو اسلامی حکومتیں خلافت کے مٹ جانے کے بہت عرصہ بعد بھی قائم ہوئیں ان کی قسمتوں کا بھی فیصلہ کر دیا۔ جس شخص نے بھی سال بہ سال محرم کے زمانے میں ہر ملک کے مسلمانوں کو غم کے انتہائی جذبات میں گرفتار ، ساری ساری رات جاگتے ، سینہ کوبی کرتے ، اور حسرت بھری آواز میں " حسن حسین ، حسن حسین " کا ماتم کرتے ہوئے دیکھا ہے ، وہ آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ کربلا کی بنا ڈالکر بنو امیہ نے اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں کیسی شمشیر دو دم دیدی تھی "

زبیر اور مختار کی بغاوتیں

عبداللہ ابن زبیر کی بغاوت جو ۹ سال تک (سنہ ۶۸۳ ء ۔ سنہ ۶۹۲ ء) تک خود مختار خلیفہ کی حیثیت سے بلاد مقدسہ پر قابض رہے ، نیز مختار کی زبردست بغاوت (سنہ ۶۸۳ ء ۔ سنہ ۶۸۷ ء) ان دونوں کی کامیابی کی وجہ تھی کہ حسین رض اور ان کے اہل بیت اطہار کے خون کا انتقام لینے کا جذبہ عوام میں پیدا ہوگیا تھا ، اور نہ صرف پوری شیعہ جماعت ، بلکہ اکثر خوارج * بھی اس جذبے سے متاثر ہوچکے تھے ۔ سنہ ۶۸۲ ء میں یزید نے مدینہ میں جو لوٹ مار کی ، اس میں ۸۰ صحابی ، اور کم از کم سات سو قاری ،

* میور (تاریخ خلافت صفحہ ۳۳۲) ۱۲ — مصنف

جو حافظ بھی تھے ، شہید ہوئے ۔ ان لوگوں کا خون ، نیز حرم مکہ کی بے حرمتی پکار پکار کر ان مظالم کی داد چاہ رہی تھی ۔ بالآخر سنہ ۶۸۶ ع میں مختار نے کربلا کا پورا پورا انتقام لے لیا ، اور ابن زیاد ، شمر ، عمر ابن سعید اور کئی سو دوسرے ادنیٰ درجے کے افراد جنھوں نے اس سانحہ میں کچھ بھی حصہ لیا تھا ، سخت ترین ایذائیں دیکر قتل کئے گئے ۔ لیکن اس واقعہ کے ایک سال کے اندر ھی اندر خود مختار اور اس کے سات یا آٹھ ہزار ساتھی ابن زبیر کے بھائی مصعب کے ھاتھوں مارے گئے ۔ دنیائے اسلام میں جو نفاق و شقاق عام طور پر پیدا ھو گیا تھا ، اس کی ایک عجیب و غریب مثال یہ ھے کہ جون سنہ ۶۸۸ ع میں اموی خلیفہ عبدالملک ، محمد ابن علی رض (المعروف بہ ابن الحنیفہ ، ابن زبیر ، اور نجدہ خارجی — ان چاروں نے الگ الگ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حج مکہ کی صدارت کی تھی !

مختار نے جس تحریک کی بنا ڈالی تھی ، وہ جیسا کہ ھم دیکھ چکے ھیں ، لازماً شیعی تحریک تھی ۔ سارے ملک میں حسین رض اور ان کے اھل بیت کے خون کا انتقام لینے کی صدائیں بلند ھو رھی تھیں ، اور ابن الحنفیہ * کے حقوق کی بحالی کا مطالبہ کیا جا رھا تھا ۔

---

* ملاحظہ ہو الیعقوبی (اڈیشن ہوتسما - جلد دوم صفحہ ۳۰۸) ۔ ۱۲ مصنف

مختار کی بغاوت کی خصوصیات

اس حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ تحریک بعد کی تمام تحریکات سے مختلف تھی، یعنی اس میں منصب خلافت کے لئے اس کی قید نہ تھی کہ خلیفہ حضرت فاطمہ کے بطن سے (جو حسین اور اور حسن کی والدہ تھیں لیکن ابن الحنفیہ کی نہ تھیں) براہ راست اولاد رسول میں سے ہو، یا ایران کے شاہی ساسانی خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔ یہ دہرا استحقاق ہمیں سب سے پہلے حسین کے فرزند علی الملقب بہ سجاد میں نظر آتا ہے جنہیں عام طور پر زین العابدین بھی کہا جاتا ہے اور جن کی والدہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ یزدگرد آخری تاجدار ایران کی دختر تھیں* اثناء عشری اور سبعیہ نے جن میں بعد میں چلکر شیعہ جماعت منقسم ہو گئی تھی، اور جو دونوں یکساں طور پر حق ولایت پر زور

---

* ملاحظہ ہو جلد ھذا کا صفحہ ۲۰۷ نیز الیعقوبی کی لاجواب
تاریخ (ایڈیشن ہوتسما صفحہ ۲۹۳ و صفحہ ۳۶۳ بقول اس
مورخ کے جس کی وفات نویں صدی عیسوی میں ہوئی:- ان
(حضرت سجاد) کی والدہ حرار دختر یزدگرد شاہ ایران
تھیں۔ یہ اس طرح ہوا کہ عمر ابن الخطاب (رض) نے یزدگرد کی
بیٹیوں کو قید کیا تھا جن میں سے ایک حسین (رض)
بن علی (کرم) کے عقد میں دی گئیں، جنہوں نے ان کا نام
"غزال" رکھا۔ اور جب علی ابن حسین (رض) (جو انہیں
ایرانی شاہزادی کے بطن سے تھے) کا ذکر آتا تھا تو شریف سے شریف
خاندان کے لوگ پکار اٹھتے "سب انسانوں کے لئے باعث فخر ہو
اگر ان کی مائیں (ایسی) کنیزیں ہوں"—

ہوئے تھے، انھیں حضرت سجاد (رض) [امام زین العابدین] ہی کو مستحق خلافت سمجھا۔ جیسا کہ ہمیں پہلے سے معلوم ہے، مختار کے ساتھیوں میں غیر عربی موالی (واحد مولی جمع موالی) کی ایک بہت بڑی تعداد تھی، جن میں سے اکثر غالباً ایرانی النسل تھے۔ اس کی آٹھ ہزار فوج میں سے جس نے ابن زبیر کے بھائی مصعب کے ہاتھوں شکست کھائی تقریباً صرف دسواں حصہ (یعنی ۷۰۰) عرب تھا؛ جن اسباب کی وجہ سے یہ غیر ملکی مسلمان مختار کی فوجوں میں شریک ہوئے، ان کی تحقیق فان فلوٹن (Von Vloten) اپنی لاجواب تصنیف Reser ches Sir (la domination Arabe etc) عربی فتوحات کی تحقیق " میں کمال احتیاط کے ساتھ کی ہے اور ذیل کے فقرات میں ہم نے زیادہ تر اسی کتاب سے خوشہ چینی کی ہے ـــ

---

* میور " خلافت۔ صفحہ ۳۳۶ " یہ مورخ لکھتا ہے " یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہیں ہے کہ اس دور میں عربوں کی زندگیوں کو خاص طور پر قیمتی سمجھا جاتا تھا، مثلاً ایک تجویز یہ کی گئی تھی کہ عرب اسیران جنگ کو رہا کردیا جائے اور غیر ملکی " موالی " کو مار ڈالا جائے " لیکن کسی قدر رد و قدح کے بعد سب تہ تیغ کئے گئے، دینا وری نے صفحہ (۲۹۶) بھی کہا ہے کہ مختار کے پیرووں میں بہت سے ایرانی تھے ـــ ۱۲ مصنف،

عبدالملک کی حکومت سنہ ۶۸۵ء - سنہ ۷۰۵ء

بنو امیہ کی حکومت عبدالملک کے عہد سلطنت (۶۸۵ء - سنہ ۷۰۵ء) میں اپنے انتہائی نقطہ عروج پر پہنچی اور یہی زمانہ عربوں کی دنیاوی قوت و شوکت کے انتہائی اوج کا بھی ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، اسی زمانے میں پہلی مرتبہ عربی سکے استعمال ہوئے، سرکاری دفاتر فارسی زبان کی بجائے عربی میں منتقل کئے گئے۔ عرب کے قدیم شریف خاندانوں کا اقتدار بڑھا۔ غیر ملکی "موالی" محقر اور مقہور بنے، اور دین دار مسلمانوں خصوصاً انصار مدینہ کے جذبات اور احساسات کو بے دردی کے ساتھ پامال کیا گیا۔ عبدالملک کا قابل لیکن خون آشام نائب حجاج ابن یوسف (جس کا نام بھی یزید ابن زیاد اور شمر کے ناموں کی طرح مردود نام ہے) جس پر عبدالملک کی نظر عنایت محض اس وجہ سے ہوئی کہ اس نے مکہ پر گولہ باری کرنے اور ابن زبیر کی بغاوت کو فرو کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی * ۲۲ سال (سنہ ۶۹۱ء - سنہ ۷۱۳ء) تک اپنی قسی القلبی اور خونخواری کی وجہ سے دنیائے اسلام کے حق میں لعنت عظیم بنا رہا۔ مقتولین جنگ کے علاوہ صرف ایسے لوگوں کی تعداد جو اس کے حکم سے بے دردی سے قتل کئے گئے ایک لاکھ

---

* الیعقوبی جلد دوم صفحہ ۳۱۸ ، ۳۲۰ مصنف —

بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ خود اس نے کوفہ میں رعایا
کو مخاطب کر کے جو الفاظ کہے تھے، وہ اس کی خون آشام
طبیعت کی سچی تصویریں ہیں"۔ والدہ میں دیکھ رہا
ہوں کہ نظریں مجھ پر جمی ہوئی ہیں، گردنیں آگے
کی طرف جھکی ہوئی ہیں اور سر کاٹے جانے کے لئے
تیار ہیں، اور میں یہ سب کچھ کرنے کا اہل ہوں*"
اسی طرح سے عبدالملک کی سیرت کی جھلک دیکھنا ہو
تو اس کے وہ الفاظ سنو جو اس نے اپنے منصب خلافت
پر فائز کئے جانے کی خبر سن کر کہے تھے† کہتے ہیں
کہ جب قاصد یہ خبر لیکر آیا تو وہ تلاوت قرآن کر رہا
تھا۔ اس خبر کو سنتے ہی اس نے کتاب بند کردی اور
کہا "ھذا الفرق بینی و بینکم"۔ سیاسی مصالح کے اقتضا
سے اسے مقدس مقامات یا تقدس مآب انسانوں کے برباد
کرنے میں مطلق باک نہ ہوتا تھا، اور اس کے شامی اس کے
ہر حکم کو بجا لاتے تھے، بقول الیعقوبی کے‡ "احترام
مذہبی اور وفاداری کے جذبات میں تصادم ہوا، اور
وفاداری غالب آئی"۔

---

* ملاحظہ ہو مسعودی کی مروج الذہب (اڈیشن
بی ڈ'مے نارڈ جلد پنجم صفحہ ۲۹۴ - صفحہ ۳۰۰ —

† (الفخری اڈیشن اہلوارڈت) صفحہ ۱۴۶ =
صفحہ ۱۷۴ - ۱۲ - مسلسل ==

‡ جلد دو صفحہ ۳۰۰ —

بنوامیہ کی حکومت کے متعلق ڈوزی کی رائے

ڈوزی لکھتا ہے *

غرض کہ اسلام کی مخالف جماعت کو اس وقت تک چین نہ پڑا جب تک کہ انھوں نے دونوں مقدس شہروں کو زیر و زبر نہ کرلیا - مکہ کی مسجد کو اصطبل بنایا گیا ' کعبہ میں آگ لگائی گئی اور جو لوگ سب سے پہلے ایمان لائے تھے ان کی اولاد کی ہر طرح سے ذلت کی گئی عربی قبائل نے جنھوں نے ایک قلیل جماعت سے شکست کھاکر اسلام قبول کیا تھا ' اب اس موقع پر اس سے خوب کسر نکالی - غرض کہ بنو امیہ کا پورا عہد حکومت سوائے کفر و الحاد کے رد عمل اور غلبہ کے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا - خود خلفائے بنو امیہ بھی (بجز ایک استثناء کے) یا مذہب کی طرف سے بے پروا تھے ' یا کافر تھے ' ان میں سے ایک ' ولید ثانی (سنہ ۷۴۳ ع - سنہ ۷۴۴ ع) تو نماز جماعت میں اپنی جگہ اپنی داشتہ عورتوں سے امامت کراتا تھا ' اور قرآن کو اپنی تیر افگنی کی مشق کے

* L' Islamisme (Chauoni styaul) ۲۰ مصنف

لئے هدف بنا تا تھا † "

بنو امیہ کی پالیسی نے چار جماعتوں کو ان کی طرف سے بددل کر دیا

عام طور پر ، بنو امیہ کی پالیسی کی وجہ سے ان کی رعایا کی حسب ذیل چار جماعتیں ان سے بالکل بد دل ہوگئیں

(۱) دیندار مسلمان

۱- دیندار مسلمان ، جو اپنے حکمرانوں کے اعمال سئیہ ، بے دینی کی زندگی ، اسلام کی اهانت اور دنیا پرستی کو نفرت اور دهشت سے دیکھتے تھے - ان میں تمام اصحاب وانصار اور ان کی اولاد شامل تھی - ابن زبیر کی بغاوت کو زیادہ تر اسی عنصر کی وجہ سے تقویت پہونچی —

۲ - شیعہ

۲- شیعیان علی ، جنھوں نے خاندان امیہ کے هاتھوں نا قابل تلافی مصائب برداشت کئے تھے ، خصوصاً کربلا کا سانحہ فاجعہ جس کا ذکر هم اوپر کرچکے هیں - یہ جماعت ، مختار کی بغاوت کا رکن اعظم تھی —

---

† ملاحظہ هو المحری صفحہ ۱۵۹ جہاں ولید کے وہ دو اشعار نقل کئے گئے هیں جو اس نے اس نسخۂ قران کو مخاطب کرکے لکھے تھے - ۱۲ مصنف

۳ - خوارج

۳ - خوارج ' جنہوں نے ہر قسم کے شورہ پشتوں اور لٹیروں کی مدد سے سنہ ۷۰۰ء تک اموی حکومت کو سخت پریشان کیا *

۴ - محکوم اقوام

۴ موالی ' یا غیر عرب مسلمان ' جنہیں عربوں کے ساتھ مساوات کا درجہ دینا تو کجا ' ان کے حکمرانوں نے اپنے مظالم اور استحصال ناجائز کا شکار بنائے رکھا ' اور ہمیشہ نفرت کی نگاہوں سے دیکھا ۔

اموی سلطنت کے زوال کے اسباب

فان فلوٹن (van vloten) کی قابل تعریف تحقیق کو اپنا نمونہ قرار دیکر ہم بھی اپنی بحث کی ابتدا اس آخر الذکر طبقہ سے کریں گے ۔ یہ فاضل مصنف بنوامیہ کے زوال اور عباسیوں کے عروج کے حسب ذیل تین اسباب قرار دیتا ہے :۔

(۱) محکوم نسل کی اپنے ظالم حکمرانوں کی طرف سے نفرت و حقارت کے جذبات ۔

(۲) شیعہ تحریک یعنی اہل بیت اطہار کی حمایت ۔

(*) برونو کی رائے ہے کہ شبیب بن یزید الشیبانی کی وفات کے ساتھ زیادہ پریشان کن بغاوتیں ختم ہوگئیں تھیں ۔

(۳) ایک نجات دہندہ ' مسیح موعود کے ظہور کی اُمید —

شمالی اور جنوبی عرب کے قبائل کی آپس کی رقابت کو، (جس کے شعلے ان دور دراز شہروں تک بھی پہنچ گئے تھے، جہاں یہ قبائل جاکر آباد ہوے تھے ' اور جس کی یاد کو نصر ابن سیار نے اپنے اشعار میں ' جن کا ذکر آئندہ کیا جائے گا غیر فانی بنا دیا ھے) بعض لوگوں نے زوال بنو امیہ کا سبب قرار دیا ھے ' لیکن فان فلوتن (Van Vloten) * کا خیال ھے کہ اس میں مبالغہ سے کام لیا گیا ھے لہذا اس کی حیثیت اس نے ثانوی رکھی ھے —

محکوم نسلوں کی حالت زار | محکوم اور مفتوح نسلوں کی حالت - جس میں نہ صرف نو مسلم بلکہ یہودی ' عیسائی اور مجوسی بھی شریک تھے - جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ' بنو امیہ کے زمانے سے پہلے اگر بہت زیادہ اچھی نہیں تھی ' تو کم از کم قابل برداشت ضرور تھی - لیکن بنو امیہ کے عہد میں جو شدید نسلی تعصبات میں گرفتار تھے اور بزور و قوت اپنی شہنشاہیت قائم کرنا چاہتے تھے ' قدیم زمانے کی تباہ‌کن جنگوں اور جہاد کی بجائے صرف، لوٹ مار کرنے اور مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے حملے اور

---

* فان فلوتن صفحہ ۳ ' نیز صفحہ ۱۴ صفحہ ۱۵ - ۱۲ - مصنف —

لڑائیاں ہونے لگیں۔ لیکن حکمرانوں کی روز افزوں عیش پسندی اور اسراف کے لئے جب یہ ذریعہ بھی کافی نہ ہوا، تو محکوم اقوام پر روز بروز ٹیکس کا بوجھ زیادہ پڑنے لگا، اور اب اسلام قبول کرنا بھی کم از کم مالی حیثیت سے ان کے لئے کچھ زیادہ منفعت بخش نہ رہا۔ والیوں اور ان کے عہدے میں غبن اور تغلب اور تصرف کی عادتیں روز بروز بڑھنے لگیں اور وہ اس کی کوشش کرنے لگے کہ اپنے زمانۂ تقرر میں جس طرح بھی ہوسکے دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹیں۔ غبن کی یہ وارداتیں اس قدر کثرت اور شدت سے ہونے لگیں کہ ہر جانشین والی اپنے پیش رو سے بذریعہ استخراج ہضم کیا ہوا مال اگلوانے لگا، اور استخراج کی اس کارروائی کا حق اور اختیار دمشق کی مرکزی حکومت سے بعوض زر نقد خریدا جانے لگا۔ ان ظالم والیوں سے اس طرح سے جو رقمیں اگلوائی گئیں ان کی مقدار بعض وقت بہت زیادہ ہوتی تھی، مثلاً کہتے ہیں کہ یوسف ابن عمر نے اپنے پیش رو خالد القسری (والی عراق) اور اس کے چیلوں سے کم سے کم ۷ کروڑ درہم [تقریباً ۲۸ لاکھ پونڈ = ۳ کرور ۷۸ لاکھ روپیہ] وصول کئے۔ اس قسم کے تمام استحصال ناجائز کا بوجھ آخر چلکر غریب زراعت پیشہ لوگوں کی گردن پر پڑتا تھا، جن کو داد رسی کا بھی کوئی موقع نہ دیا جاتا تھا، اور ٹیکس وصول کرنے کے سلسلے میں جو جو ذلتیں برداشت کرنی

پھرتی تھیں وہ مزید برآں تھیں* قدیم ایرانی عمائدین اور مالکان اراضی (دھقان) تو اسلام قبول کر کے اور اپنی قسمت فاتحین کے ساتھ وابستہ کرکے اپنے قدیم اقتدار اور ثروت کو کسی قدر بحال رکھ سکتے تھے، اس لئے کہ فاتحین کے لئے ان کی خدمات بے انتہا ضروری تھیں اور مقامی حالات اور اثرات سے ان کی واقفیت ان کے لئے ناگزیر تھی لیکن ادنیٰ تر طبقوں کو پھلنے کا موقع بھی نہ تھا، اور بقول فان فلوتن کے "عربوں کی حرص و آز اور ان کا نسلی غرور یہ دو اٹل موانع تھے جس سے ان (ادنیٰ طبقات) کی حالت کی بہتری دشوار ہو گئی تھی۔" موالیوں کو تو عرب اپنے سے پست بلکہ غلاموں سے کچھ ہی بہتر سمجھتے تھے۔ مورخ طبری مختار کی بغاوت کے ذکر کے سلسلے میں (جس کے حامی جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں زیادہ تر غیر عرب مسلمان یعنی "موالی" تھے) لکھتا ہے "کوفی عربوں کے لئے اگر کوئی بات انتہائی ناگوار اور اشتعال دینے والی تھی تو یہ کہ مختار موالی کو بھی مال غنیمت کا حصہ دیتا تھا۔ وہ خفا ہو کر اس سے کہتے تھے تم نے ہم سے ہمارے موالی کو چھین لیا ہے، جو خدا کی طرف سے اس تمام صوبے کے ساتھ ہمارے حصے میں آئے تھے۔ ہم نے تو انہیں اس لئے آزاد کرایا تھا کہ خدا اس سے خوش

---

* فان فلوتن صفحہ ۹ — ۱۱ — ۱۲ — مصنف —

ہو کر ہمیں نعمتوں سے سرفراز فرمائے کا لیکن تم کو اس کا مطلق احساس ہی نہیں ہوتا اور تم انہیں ہمارے مال غنیمت کا حصہ دار بناتے ہو" *

ظالم اور خدا ناترس حجاج ابن یوسف کے زمانے میں نو مسلموں پر بھی کافروں کی طرح جزیہ عائد کیا گیا تھا ' حالانکہ انہیں اس سے مستثنیٰ ہونا چاہئے تھا - ان کی بددلی اور بے چینی اتنی بڑھی کہ وہ بڑی تعداد میں عبد الرحمن ابن اشعث کی بغاوت میں شریک ہوگئے ' لیکن سخت کشت و خون کے بعد اس بغاوت کو فرو کر دیا گیا اور موالی کو ان کے مواضعات کی طرف بھگا دیا اور ہر شخص کے ہاتھ پر اس کے موضع کا نام گرم لوہے سے داغا گیا † فان کریمر کہتا ہے کہ حجاج کی اس کاروائی سے موالی اور نو مسلموں کی رہی سہی امید کہ وہ فاتح نسل کی مساوات کا دعویٰ کرسکیں گے ' ٹوٹ گئی ' ان کی بددلی اور ناراضی بڑھتی گئی ' اور آخر میں سلطنت امیہ کے زوال کا ایک نہایت اہم سبب بنی —

عمر ابن عبد العزیز | بقول ڈوزی ‡ " تمام خلفائے اُمیہ میں صرف عمر ثانی (سنہ ۷۱۷ - ۷۲۰ ع)

---

* فان فلوٹن صفحہ ۱۶ — ۱۲ — مصنف —

† ایضاً صفحہ ۲۶ ـ صفحہ ۲۷ - ۱۲ مصنف

‡ l 'isiamisme[chauni 'sLraus Latin] PP 180 = lsr

ھی اصل معنوں میں مومن اور عبادت گزار بادشاہ ہوا ہے —

" مالی فائدے کی غرض کبھی اس پر غالب نہ آئی ' اور اس نے ہمیشہ دین کی اشاعت کو اپنا محبوب ترین مشغلہ بنایا ۔ چونکہ اس کے اصول سابقہ حکمرانوں کے اصول سے اس قدر مختلف تھے ' اس لیے اس کے ماتحت عہدہ داروں کے لئے خود کو ان کے مطابق بنانا کسی قدر دشوار ثابت ہوا ۔ ایک عہدہ دار نے خلیفہ کو لکھا " اگر مصر میں چندے یہی حالت رہی جو اب ہے تو اس میں شک نہیں کہ ایک ایک عیسائی مسلمان ہوجائے گا ' لیکن سلطنت کی ساری آمدنی غائب ہوجائے گی " عمر نے اس کے جواب میں لکھا " میں اسے بہترین نعمت الہی سمجھوں گا کہ سارے عیسائی مسلمان ہوجائیں خداوند کریم نے حضرت رسالت مآب کو اشاعت دین کے لئے مبعوث فرمایا تھا نہ کہ جزیہ وصول کرنے کے لئے " اسی طرح سے والی خراسان نے شکایت کی تھی کہ اس ولایت کے اکثر ایرانی صرف جزیہ سے بچنے کے لئے مسلمان ہوگئے ہیں حالانکہ وہ اب تک مختون نہیں ہوئے ہیں ۔

اس کے جواب میں بھی عمر نے لکھا
خدا وند کریم نے محمد کو اس لئے بھیجا
تھا کہ وہ لوگوں کو دین مبین کی تلقین
کریں، نہ اس لئے کہ انھیں مختون بنائیں۔
غرض کہ احکام شریعت کی تعبیر میں وہ
شدت کو بالکل دخل نہ دیتا تھا - وہ جانتا
تھا کہ اکثر نو مسلم اپنی نیتوں میں سچے
نہیں ہیں، لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی سمجھے
ہوا تھا کہ اگر ان کی اولاد اور ان کے پوتوں
پر پوتوں کی پرورش بحیثیت مسلمان کی گئی
تو وہی آگے چل کر عربوں کے برابر، بلکہ
شاید ان سے بہتر مومن بن جائیں گے "

عمر ثانی کی سیرت اور اس کے عہد حکومت کے اثرات

خاندان اُمیہ کے دوسرے بے دین ظالم اور خود پرست حکمرانوں کے مقابلے میں عمر ابن عبدالعزیز کی سیرت خاص طور پر درخشاں اور شریفانہ نظر آتی ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی حکومت کی بنیاد صفاد دینوی کی بجائے حصول فلاح آخروی پر تھی اور اس کا اثر مالیہ پر بُرا پڑا، اس کے طریقے، جو اس کے مشہور ہم نام عمر ابن الخطاب رض کے طریقوں کا ٹھیک ٹھیک چربہ تھے، بہت پرانی وضع

* ملاحظہ ہو فان فلوٹن صفحہ ۲۱ - صفحہ ۲۳ ۔ ۲۱ ۔ مصنف

کے بلکہ اکثر صورتوں میں تو بالکل رجعتی تھی اور اس وجہ سے زیادہ کامیاب نہ ہوسکتے تھے ' اور اس کے عدل اور قیام امن واماں سے محکوم اقوام کے دلوں میں امید کی جو چنگاری پیدا ہوگئی تھی وہ اس کے جانشینوں کی حرکات سے بالکل بجھ گئی ' اور اس چیز نے عرب شاہنشاہیت اور اقتدار کے خلاف رعایا کے جذبات کو اور زیادہ مشتعل کردیا غرض کہ دنیاوی نقطہ نگاہ سے دیکھو تو کہہ سکتے ہو کہ عمر ثانی نے اپنے ہاتوں اپنے خاندان اور نسل کے اقتدار پر کاری ضرب لگائی ' لیکن مذہبی حیثیت سے نظر ڈالو تو تم کو ماننا پڑے گا کہ اس کی ایک ایک کارروای بالکل ویسی تھی جیسی پکے مومن اور مسلم کی ہونی چاہئے - مساجد میں علی (ع) پر تبرا بازی کی جو رسم اب تک چلی آرہی تھی اسے روک کر اس نے تمام خدا ترس اور دیندار مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کی ' اور شاید کسی قدر شیعہ جماعت کی برہمی کو بھی کم کیا - کثیر عامر * نے اس کے اس حکم کی تعریف میں اشعار لکھے ہیں جن کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے —

تو مسند نشین ہوا ' اور تو نے نہ علی (رض) پر
تبرا بازی کی ' نہ بے گناہوں پر دہشت طاری
کی ' نہ بدکرداروں کے مشوروں پر کان دھرے —
تونے جو کہا ' اپنے عمل سے اس کی تصدیق

---

* ملاحظہ ہوالفخری (اڈیشن اہوارڈت) صفحہ ۱۶۴ —صفحہ ۱۵۵

کی اور ہر مسلمان کا دل اطمینان
سے لبریز ہوگیا —

پہلی صدی ہجری کا اختتام اور عباسی تبلیغ کی ابتدا	عمر ابن عبدالعزیز کی وفات ہوئی پہلی صدی ہجری کا خاتمہ ہوا —

محکوم اقوام کو اپنی روز افزوں بدحالی کی وجہ سے عام طور پر یہ یقین ہو چلا تھا کہ صدی کے ختم ہوتے ہی کوئی انقلاب عظیم ضرور رونما ہوگا — دینوری لکھتا ہے '—

اس سال (سنہ ۱۰۱ ھ مطابق سنہ ۷۱۹ — ۷۲۰ ء)
شیعون نے امام محمد بن علی بن عبداللہ '
بن عباس بن عبدالمطلب ' بن ہاشم * کی
خدمت میں جو سر زمین شام میں بمقام 'حامیمہ
سکونت پزیر تھے' اپنے وفد روانہ کئے — سب
سے پہلے جو شیعہ ان کی خدمت میں حاضر
ہوے وہ میسرہ العبدی ' ابو عکرمہ سراج '
محمد بن خنیس اور حیان عطار تھے — یہ سب
ان کی خدمت میں حاضر ہوے اور ان کے ہاتھ
پر بیعت کرنے کا اشتیاق ظاہر کیا — انھوں نے
کہا " اپنے ہاتھ دیجئے تاکہ ہم ان پر بیعت
کریں اور آپ کے لئے یہ بادشاہی حاصل کرنے
کی کوشش کریں شاید آپ ہی کے طفیل

---

* ملاحظہ ہو شجرہ صفحہ ۲۱۴ —

میں خداوند کریم انصاف کو زندہ اور ظالم و بے رحمی کا خاتمہ کردے - اس کام کا وقت اور موقع بھی یہی ہے، جس کی اطلاع ہمیں آپ لوگوں میں سے سب سے بڑے عالموں سے مل چکی ہے۔" محمد بن علی نے جواب دیا " بے شک جس چیز کی ہمیں امید اور آرزو ہے اس کا موقع اور وقت یہی ہے اس لئے کہ ایک صدی ختم ہو چکی ہے - تحقیق کہ جب کسی قوم پر پورے سو سال گذر لیتے ہیں، تو خداوند کریم ان لوگوں کا حق پر ہونا ظاہر کر دیتا ہے جو حق کے لئے لڑتے ہیں اور جرم و خطا کے معاونین کے عجب و غرور کو خاک میں ملا دیتا ہے کیونکہ خدائے عز و جل فرماتا ہے۔ " یا اس کی طرح جو ایک قریہ کے پاس سے گذرا، اس وقت جب کہ وہ ویران تھا، اور اس کی چھتیں سرنگوں تھیں اور کہا اس نے " خدا اس کو فنا کے بعد دوبارہ کیونکر زندہ کرے گا؛ اور خدا نے اسے ایک سال تک مرا ہوا رکھا اور پھر اسے جلا یا؛ پس اے شخص جا، اور لوگوں کو احتیاط کے ساتھ اور

---

* قران ۲ : ۲۶۱

رازمیں طلب کرا ور میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تیرا مقصد
پورا کرے اور تیرے مدعا کے ثمرات ظاہر
کرے ' علی اور سوائے خدا کے کسی دوسرے
میں قدرت نہیں ہے"

یہ تھا عباسیوں کی "دعوت" کا آغاز ' جس نے خاموشی کے ساتھ ' لیکن یقینی طور پر رعایا کے ان بے شمار بد دل افراد سے کام لیا جو پہلے ہی سے بکثرت موجود تھے ' امیہ کی قوت کی بنیادیں ڈھیلی کردیں اور ۳۰ سال کے اندر اندر ان کے خاندان کی گرتی ہوئی عمارت کو بالکل ہی زمین کے برابر کر دیا - اس تبلیغ و دعوت کے داعی سب کے سب قابل اور مستعد اشخاص تھے ' جو اگر ایک طرف یہ احتیاط کرتے تھے کہ قبل از وقت بغاوت نہ پھوٹ پڑے تو دوسری طرف اپنے مقصد کے لئے اپنی جانیں تک دینے کے لئے تیار تھے - ان لوگوں نے خصوصاً اس بے چینی اور بد دلی کے مواد سے بہت فائدہ اٹھایا جو خراسان کے ایرانی صوبے میں اندر ہی اندر پک رہا تھا ' جہاں بقول دینوری کے (صفحہ ۳۳۵) :—

دینوری کی عبارت کی نقل

انہوں نے لوگوں کو دعوت دی کہ محمد بن علی کے ہاتھ پر بیعت کریں ' اور امیہ کی بد اعمالیوں اور مظالم سنا سنا کر انہیں ان کی حکومت سے بیزار کر دیا - خراسان کے اکثر حصہ آبادی نے انکی صدا پر

ایپک کہا ' لیکن ان کی بعض کارروائیوں کا شہرہ ہوگیا اور وہ سعید * (بن عبدالعزیز بن الحکم بن ابو لعاص) والی خراسان کے کانوں تک پہنچیں۔ پس اس نے انہیں طلب کیا اور کہا "تم لوگ کون ہو" انہوں نے جواب دیا "تاجر"۔ پھر اس نے کہا "کہ تم لوگوں کے متعلق یہ کیا اطلاعیں آج کل میرے کانوں تک آرہی ہیں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ عباسی خاندان کے داعی ہو۔" انہوں نے جواب دیا' "یا امیر ہمیں اپنے مفاد کا خود خیال ہے' اور ہم اپنے کار و بار میں خود اس قدر مصروف ہیں کہ ہم ان باتوں میں نہیں پڑ سکتے۔" پس اس نے انہیں چلا جانے دیا' اور وہ اس کے سامنے سے رخصت ہو گئے' اور مرو سے روانہ ہو کر خراسان کے صوبے اور اس کے دیہاتوں میں تاجروں کے بھیس میں دورہ کرنے لگے' اور لوگوں کو امام محمد بن علی کی طرف سے دعوت بیعت دینے لگے۔ انہوں نے دو سال تک یہی کیا پھر وہ شام میں امام محمد بن علی کے پاس

---

* یہ اپنے زنانے پن کی وجہ سے خزینہ کہلاتا تھا میور ' تاریخ خلافت صفحہ ۳۸۴ - صفحہ ۳۸۶ - ۱۲ - مصنف

واپس گئے اور انھیں مطلع کیا کہ ہم نے خراسان میں ایک ایسا بیج بویا ہے جو ہمیں امید ہے کہ مناسب وقت پر پھل پھول دیے گا ، اور انھیں معلوم ہوا کہ ان کو خدا نے ایک فرزند بھی دیا ہے

ابوالعباس کی ولادت

جس کا نام ابوالعباس* ہے جس کو انھوں نے ان لوگوں کے سامنے منگوایا اور ان سے کہا " یہ تمھارا آقا ہے " اور انھوں نے اس کے ھاتھہ پانو کو بوسہ دیا " —

عباسی دعوؤں کی تائید ایرانیوں کی طرف سے

مظلوم اور محقر ایرانیوں کی تائید کا داعیوں کو خاص طور پر یقین تھا ، کیونکہ وہ ایک عقلمند اور لائق قوم تھی اور قدیم شاندار روایتوں کی حامل تھی اور اب ایک ایسی قوم کے ھاتھوں جو بجز ذاتی شجاعت اور حب آزادی کے اور ھر حیثیت سے ان سے ادنیٰ درجے کی تھی ، ان کی حقارت اور ذلت ہوتی تھی - مختار اور اس کا سپہ سالار ابن الاشتر ایرانیوں کے جوھر کا پہلے ھی ثبوت دے چکے تھے ، اس لئے کہ جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ھیں ان کی فوجیں زیادہ تر ایرانی سپاھیوں ھی پر

---

* یہ بعد کو السفاح (خونریز) کے لقب سے مشہور ہوا اور خاندان عباسیہ کا پہلا خلیفہ تھا - ۱۲ مصنف —

مشتعل نہیں * —

مختار اور ابن الاشتر نے ایرانیوں کی جو ہر شناسی کی

جب ' فرات ' اور ' عمیر ' نے جو اس شامی فوج کے افسر تھے جو خلیفہ عبدالملک نے مختار کے خلاف بھیجی تھی ' ابن الاشتر سے اس کے کیمپ میں ملاقات کی ' تو انہوں نے شکایت کی کہ جس وقت سے ہم لوگ تمہاری فرودگاہ میں داخل ہوے ہیں اس وقت سے اب تک کہ ہم تمہارے سامنے آئے ہیں ہم نے ایک لفظ عربی کا نہیں سنا ' اور پھر اس سے پوچھا کہ ایک ایسی قوم کے ساتھ تم شام کے منتخب عساکر کا مقابلہ کرنے کا خواب کیونکر دیکھ سکتے ہو "

ابن الاشتر نے جواب دیا " واللہ ' اگر میرے حلیفوں میں صرف چیونٹیاں بھی ہوں ' تو میں ان کے ساتھ بھی شامیوں سے لڑنے کے لئے تیار ہوں ' چہ جائیکہ موجودہ صورت میں ' اس لئے کہ جن لوگوں کو تم میرے ہمراہ دیکھتے ہو ان سے زیادہ باریک بین قوم اور کوئی دوسری نہیں ہے اور یہ ایرانی امرا و اعیان کی اولادیں ہیں "
مختار نے بھی ایرانی الاصل لوگوں کو ترقیاں دیں ' اور انہیں اور ان کی اولادوں کو تحائف دئے ' انہیں ممتاز

---

* ملاحظہ ہو دینوری صفحہ ۳۰۰ تا صفحہ ۳۰۲ ' نیز صفحہ ۳۰۶ ' صفحہ ۳۱۰ ' ۳۱۵ ' ۱۲ - مصنف —

عہدوں پر سرفراز کیا ، اور عربوں سے پہلو تہی کی ، اور انہیں دور ہی دور رکھا اور مایوس کیا - اس پر وہ بہت برہم ہوے اور ان کے اکابر جمع ہوکر اس کے پاس آے اور اسے برا بھلا کہا - لیکن اس نے جواب دیا " خدا تم لوگوں سے الگ ہوجاے - میں نے تمہاری عزت کی اور تم نے ناک بھوں چڑھائی میں نے تمہیں حکومت و اختیار دئیے اور تم نے ملک کے محاصل کو غارت کردیا بر خلاف اس کے ، یہ ایرانی تم سے زیادہ میرے مطیع ہیں اور میرے احکام کو تمہاری بہ نسبت زیادہ وفاداری اور مستعدی سے بجا لاتے ہیں —

لیکن ابھی ایک جماعت ایسی اور تھی جس کی مدد کی عباسی دعوت کے لئے ضرورت تھی - یعنی شیعہ - اگرچہ حقوق اہل بیت اظہار کے متعلق ان کے عقائد تقریبا مشترک تھے لیکن اس بارے میں اختلاف تھا کہ اہل بیت میں سے خلافت کا زیادہ مستحق کون تھا - عام طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ان میں دو جماعتیں پیدا ہوگئیں جن میں سے ایک نے ان کے برادر رضاعی محمد ابن الحنیفہ کی تائید کی ، اور دوسری نے ان کے فرزند علی الموسوم بہ امام زین العابدین علیہ السلام کی —

ہاشمیہ ابن الحنیفہ کی وفات کے بعد اول الذکر جماعت نے ان کے فرزند ابو ہاشم کے ہاتھ پر بیعت کی ، اور اسی وجہ سے ہاشمیہ کہلاے ، بقول فان فلوٹن

کے * یہ ابو ہاشم ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے منتظم طور پر دعوت کا کام کیا اور شیعیوں میں حضرات ائمہ کی طرف سے احترام کے جو جذبات پہلے سے موجود تھے انہیں قوی تر بنایا ' اور ان باطنی عقائد کو زیادہ مضبوط بنایا ' جن کا حل امام ہی کے پاس ہوا کرتا تھا۔ ان ابو ہاشم کا انتقال سنہ ۹۸ ھ (سنہ ۷۱۶ ع - سنہ ۷۱۷ ع) میں ہوا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اموی خلیفہ سلیمان نے انہیں زہر دیا † اور انہوں نے محمد ابن علی ' خاندان بنو عباس کے سردار کو اپنی امامت تفویض کی اس کے بعد سے ہاشمیہ اور ان کی دعوت عباسیوں کے لئے ہونے لگی —

امامیہ

شیعوں کی دوسری جماعت یعنی امامیہ عباسی دعوت کی اتنی زیادہ معین نہ تھی ' اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ امام کو اولاد علی و فاطمہ میں سے ہونا چاہئے چنانچہ ان کے امام حضرت زین العابدین خلف حضرت حسین تھے ' جن کا انتقال سنہ ۹۹ ھ یا سنہ ۱۰۰ ھ (سنہ ۷۱۸ ع) میں ہوا ‡ اس جماعت کو اعانت حاصل کرنے کے لئے عباسیوں کی دعوت ہاشم کے نام سے کی گئی ' جو عباسیوں اور علویوں دونوں کے مشترکہ طور پر صورت اعانت

---

* Recherehes Sur la Dominatio.n Arabe (تحقیق در باب تسلط عرب) صفحہ ۳۳ - صفحہ ۳۵ ۱۲ مصنف

† (مرتبہ هرتسما) جلد دوم صفحہ ۳۵۶ - ۱۲ مصنف

‡ الیعقوبی صفحہ ۳۶۳ ۱۲ مصنف

تھے ، اور جب کامیابی ہوگئی اس وقت علویوں کی آنکھیں کھلیں ، اور انہیں یہ دیکھکر سخت مایوسی ہوئی کہ ان کی جانفشانیوں سے صرف عباسیوں ہی نے فائدہ اٹھایا اور علوی اس سے محروم رہے —

غرض کہ خاموشی کے ساتھہ ، لیکن تیزی سے ، دعوت کا کام ہو رہا تھا - کبھی کبھی سلطنت داعیوں کو گرفتار کر کے قتل کر دیتی تھی* جیسا کہ ابو عکرمہ اور حیان کے ساتھہ ہوا لیکن فوراً ہی ان کی جگہ پانچ داعی خراسان روانہ کئے گئے اور انہیں کمال حزم و احتیاط سے کام کرنے کی ہدایت کی گئی اور منع کر دیا گیا کہ جب تک رازداری کا حلف نہ اٹھوالیں اس وقت تک کسی پر اپنا بھید ظاہر نہ کریں * ہشام کے عہد حکومت میں جب کہ خالد عراق کا والی تھا خوارج اور شیعیوں نے کئی عجیب و غریب اور سخت شورشیں کیں جن کے سرغنہ اکثر صورتوں میں زندہ جلا دئے گئے † برخلاف اس کے خراسان میں خلیفہ نے ان لوگوں کے ساتھہ مصلحت نرمی برتی اگرچہ اس کا والی برابر اسے ہوشیار کرتا رہتا تھا‡ خراسان میں عباسی دعوت کی منتظم اور نگران ۱۲ نقیبوں کی ایک مجلس تھی جس کے نیچے ۷۰ ماتحت سرداروں کی ایک مجلس

---

* الیعقوبی صفحہ ۲۹۳ — ۱۲ مصنف

† ویکوری صفحہ ۳۳۶ — صفحہ ۱۲ = مصنف

‡ میسور — صفحہ ۳۹۱ — صفحہ ۳۹۲ ۱۲ مصنف

شورش بھی تھی (*) کبھی کبھی یہ ہوتا تھا کہ کوئی داعی منتظمین کی نگرانی کے باوجود آپے سے باہر ہو کر غلاۃ کے شدید ترین عقائد کی برملا تبلیغ کرنے لگتا تھا ' جیسا کہ الخداش نے کیا ' جو سنہ ۷۳۶ ع میں قتل کیا گیا — اس شخص کے ' نیز راوندیوں اور خرمیوں کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے ہم ناظرین کو فان فلوٹن ‡ کی محققانہ تصنیف (صفحہ ۳۷ - صفحہ ۵۱) اور اپنی اس کتاب کے باب (۹) کے پڑھنے کا مشورہ دیتے ہیں —

محمد بن علی کی وفات — تقریباً سنہ ۷۴۳ ع میں محمد بن علی عباس کا انتقال ہو گیا انھوں نے اپنا جانشین اپنے بیٹے ابراھیم کو اور ان کے بعد دوسرے بیٹوں ابوالعباس اور ابو جعفر کو نامزد کیا ۔ ان میں سے ابراھیم کو آخری اموی خلیفہ مروان ثانی نے تقریباً سنہ ۷۴۷ ع — سنہ ۷۴۸ ع میں قتل کر دیا اور بقیہ دو بہت دنوں تک زندہ رہے اور عباسی دعوت اور خلافت عباسیہ کے سلسلے میں زمانہ دراز تک جو جانفشانیاں کی گئی تھیں اس کے اثرات سے بہرہ اندوز ہوے ۔ تقریباً اسی زمانے میں وہ عجیب و غریب شخص عرصہ

ابو مسلم — شہود پر آیا جسے دنیا ابو مسلم کے نام سے جانتی ہے اور جس نے سب سے زیادہ امیہ کے قلع قمع

---

* دینوری — صفحہ ۳۳۸ — ۱۲ — مصنف

‡ فان فلوٹن — ۳۷ — ۱۲ — مصنف

اور عباسیہ کی فتح میں حصہ لیا تھا اور آخر انہیں لوگوں کے حسد کا شکار ہوا جو اس کے بہت زیر بار احسان تھے ــــ

اس زمانے کے ہر واقعہ سے معلوم ہوتا تھا کہ اب فیصلہ کی آخری گھڑی قریب آن پہونچی ہے - مروان ثانی جسے میدان جنگ میں برابر جمے ہوئے رہنے کی وجہ سے "الحمار" کی کنیت دی گئی تھی ، سنہ ۷۴۵ ء میں تخت پر بیٹھا ، اور لوگوں کو یہ پیشین گوئی یاد آگئی کہ "الحمار میں ان کی نجات ہوگی اور عین ابن عین ابن عین (عبداللہ بن علی بن عبداللہ یعنی ابو العباس جو بعد کو السفاح کے نام سے مشہور ہوا) میم ابن میم ابن میم (مروان ، ابن محمد ابن مروان آخری اموی خلیفہ) کو مار ڈالے گا (*) اس قسم کی منحوس پیشین گوئیاں عام طور پر مشہور تھیں اور لوگ انہیں شوق سے سنتے اور قبول کرتے تھے ، اور یہودیوں اور عیسائیوں کی پراسرار کتابوں ، ملاحم وغیرہ کو وہ محکوم اقوام بہت شوق سے پڑھتی تھیں جو مدت دراز سے ظلم سہتی رہی تھیں اور جنہیں اس کا یقین ہو گیا تھا کہ اب ان کی نجات کا دن قریب آگیا ہے اور مسیح موعود کا ظہور قریب آگیا ہے جس کی وجہ سے فسیاد کے دور دورہ کے بعد انصاف و عدل کا دور دورہ شروع

(*) ملاحظہ ہو فان فلوٹن صفحہ ۵۷ ۱۲ ــ مصنف

هوگا – اس آنے والے طوفان کے آثار اور علامتوں سے اگر کوئی بے خبر اور غافل تھا تو خلیفہ مروان اور اس کے اہل دربار حالانکہ مروان کو اس کے مشرق کے سرداروں اور عاملوں کی طرف سے متعدد اطلاعین پہونچ چکی تھین ' خصوصاً

نصربن‌سیار نے بنوامیہ کو متنبہ کیا

خراسان کا گورنر نصر ابن سیار اس کو متنبہ کر چکا تھا کہ ۲ لاکھ آدمی ابو مسلم کی وفاداری کا حلف اٹھا چکے ہین ' اپنے اس خط کے خاتمہ پر نصر ابن سیار نے عربی اشعار لکھے تھے جس کا ترجمہ یہ ہے (†) —

خاکستر مین مجھے آگ کی چمک نظر آتی ہے '
اس کے بھڑک اٹھنے مین بس ذرا ہی سی
کسر ہے —
اور اگر اکابر قوم نے اسے نہ بجھایا تو لاشین
اور کھوپڑیان اس آگ کا ایندھن بنین گی —
تحقیق آگ دو لکڑیون سے نکلتی ہے اور تحقیق
کہ الفاظ لڑائی کا پیش خیمہ ہوتے ہین —
اور مین تعجب سے پکار اٹھتا ہون " کاش
مجھے اس کا علم ہوجاتا کہ بنوامیہ جاگ رہے
ہین یا سو رہے ہین " —

(†) ملاحظہ ہو الفخری صفحہ ۱۷۰ ' دینوری صفحہ ۳۵۶ ' الیعقوبی جلد دوم صفحہ ۴۰۸ ' نولد کی Delectus carminum Arabicorum صفحہ ۸۷ = صفحہ ۸۸ = ۱۲ مصنف —

اس نے عرب فوج کو بھی جو قبیلوں کی لڑائیوں کی وجہ سے پراگندہ ہوگئی تھی اور آنیوالے خطرے کی طرف سے بالکل غافل تھی حسب ذیل اشعار لکھے تھے (*) —

مرو کے رہنے اور اس کے بھائیوں (†) کے رہنے والوں سے کہدوکہ غضب ناک ہوکر اٹھ کھڑے ہوں قبل اس کے کہ غضب بے سود ہوجاے —

اورجنگ شروع کردیں ' اس لئےکہ تحقیق رعایا نے ایک ایسی جنگ شروع کی ہے جس کے دامن پر جنگل جل اٹھے ہیں —

تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم آپس میں لڑتے جھگڑتے ہو گویا کہ تم میں کوئی سمجھ دار شخص باقی ہی نہیں رہا —

اور ایک ایسے دشمن کی طرف سے غافل ہو جو ابھی سے تم پر چھایا ہوا ہے ' یعنی ایک مختلف العناصر انبوہ جس میں نہ کوئی مذہب ہے اور نہ شرافت —

وہ ہمارے عرب نہیں ہیں جن کو ہم جانتے ہوں ' نہ مہذب موالی ہیں اگر ان کا شجرہ بیان کیا جاے —

وہ ایسی قوم ہے جس کا عقیدہ ایسا ہے کہ

(*) زولد کی — صفحہ ۸۸ ، ۱۲۰ — مصنف —

(†) یعنی خراسان کے دوسرے شہر —

جس کے متعلق میں نے آنحضرت صلعم سے ایک
لفظ بھی نہیں سنا تھا ، اور جس کا مصحف
سماوی میں کوی ذکر نہیں آیا ہے —
اور اگر کوئی مجھ سے ان کے مذہب کی اصل
پوچھے تو تحقیق کہ ان کا مذہب صرف یہی
ہے کہ عربوں کو مار ڈالا جاے

لیکن یہ اور اس قسم کی دوسری تدبیریں بے اثر ثابت ہوئیں * خراسان میں بے امنی اور بغاوت کے شعلے ہر طرف بھڑک رہے تھے اور جب ابو مسلم نے یہ اطمینان کرلیا کہ اب مواد بالکل تیار ہے تو اس نے مرو کے پاس قصبہ سفیدنج میں ۹ جون سنہ ۷۴۷ ع کو معنی عباسیہ کا سیاہ علم بلند کیا† اس علم پر قرآن کی حسب ذیل معنی خیز آیات منقش تھیں "ہتھیار اٹھانے والوں کو اجازت دی جاتی ہے اس

عباسیوں نے سیاہ علم بلند کیا ۔ ۹ جون سنہ ۷۴۷ ع

---

* مثلاً حارث بن عبداللہ الجعدی اور اموی شہزادے عباس بن الولید کے وہ یاسیہ اشعار ملاحظہ ہوں جو فان فلوٹن (صفحہ ۶۲ صفحہ ۶۳) اور دینوری (صفحہ ۳۵۸ ۔ صفحہ ۳۵۹) نے نقل کئے ہیں ۱۲ مصنف —

† عباسیوں کے سیاہ علم اور سیاہ لباس کی (جس کی وجہ سے وہ المسودہ کہلاے) وجہ معلوم کرنا ہو تو ملاحظہ ہو فان فلوٹن صفحہ ۶۴ ۔ صفحہ ۶۵ اور اس کے حوالہ جات ۱۲ مصنف —

لئے کہ اس کے ساتھہ ناانصافی کی گئی ہے " أذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علی نصرھم لقدیر ١٧ پارہ - سورہ حج پانچواں رکوع لیکن کچھہ دنوں تک بغاوت کے شعلے خراسان کے انتہائی شمالی مغربی حصوں، مثلاً نسا، ابیورد، ھرات، مروروذ اور آس پاس کے علاقوں سے آگے نہ پھیلے - نصر بن سیار نے خلیفہ سے جواستمداد کی تھی، اس کے جواب میں خلیفہ مروان نے لکھا ‡ -

تحقیق کہ وہ شخص جو موقع پر موجود ھے وہ دیکھہ سکتا ھے جو ایک ایسا شخص جو موجود نہیں ھے نہیں دیکھہ سکتا - پس تو اس بیماری کا علاج کر جو تم لوگوں کے درمیان پھیل گئی ھے -

نصر بن سیار کو اس وقت صرف ایک ھی عملی کارروائی مناسب نظر آئی، اور وہ یہ تھی کہ اس نے ابراھیم عباس کو پکڑ کر قید کردیا اور اسے زھر دلوادیا، جس پر اس کے دونوں بھائی ابوالعباس اور ابو جعفر اپنے خاندان والوں کو لیکر الحمیمہ سے (جو شام میں ان کا مسکن تھا) بھاگ کھڑے ھوئے اور کوفہ پہنچے جہاں ابو سلمہ اور دوسرے اکابر شیعہ نے انہیں پناہ دی اور ان کی خبرگیری کی - الفخری لکھتا ھے :-

‡ الفخری صفحہ ١٧٠ - صفحہ ١٧١ -

اقتباس از الفخری

اس کے بعد ابو مسلم میں اور نصر بن سیار اور خراسان کے دیگر امرا میں لڑائیاں ہوئیں جس میں مسودہ کو یعنی ابومسلم کی فوجوں کو فتح ہوئی - ان لوگوں کو مسودہ اس وجہ سے کہتے تھے کہ انھوں نے بنو عباس کے لئے جو لباس تجویز کیا تھا وہ سیاہ رنگ کا تھا - اب ذرا خداوند تعالی جلشانہ کی قدرت کو دیکھو کہ جب وہ کچھہ کرنا چاھتا ھے تو اس کے اسباب مہیا کر دیتا ھے ' اور جب اسکی مشیت ہوتی ھے تو کوئی چیز اس کو روک نہیں سکتی - پس جب کہ اس کا حکم ہوگیا کہ اب حکومت بنو عباس میں منتقل ہو تو اس نے ان کے لئے اس کے جملہ ذرائع فراہم کردئے - کیونکہ امام ابراھیم بن محمد بن عبداللہ بن العباس شام یا حجاز میں اپنے مصلے پر بیٹھے ہوے اپنے اذکار اور اشغال میں لگے ہوے تھے اور ان کے پاس کوئی زبردست دنیوی وسیلہ نہ تھا ' اور خراسان کے لوگ ان کی طرف سے لڑے ' اور ان کی خاطر اپنی جانیں اور مال خطرے میں ڈالا ' حالانکہ ان میں سے بہت سے انہیں جانتے تک نہ تھے اور ان کے نام ان کی شخصیت میں تمیز نہ

کرسکتے تھے ۔ نہ انہوں نے ان پر کوئی دولت
صرف کی نہ ان میں سے کسی کو گھوڑے
یا اسلحہ دئے ' بلکہ صحیح یہ ہے کہ خود
ان لوگوں نے امام موصوف کو دولت دی اور
ان کے لئے ہر سال ہدایا لاتے تھے - اور چونکہ
خدا وند تعالی کا حکم ہو چکا تھا کہ مروان کا زوال
ہو اور امیہ کی سلطنت پراگندہ ہو حالانکہ
مروان ' مسلم خلیفہ تھا اور اس کے پاس فوجیں
دولت اسلحہ اور دنیاوی ساز و سامان بہت
کچھ موجود تھا لیکن ہر طرف سے لوگ اس
سے منحرف ہو نے لگے اور اس کی قوت کمزور
پڑتی گئی اور اس کے قیام میں تزلزل آگیا
اور وہ برابر تباہ ہو تا گیا یہاں تک کہ اس کو
شکست ہوی اور وہ مار ڈالا گیا —

مسودہ کا جوش و خروش اور ابو مسلم " ایک سنجیدہ
اور خشک مزاج آدمی جس کی نظر میں دنیا کی ساری
لذتیں ہیچ تھیں " — کے ساتھ ان کی وفاداری
بے پایاں تھی اور ان کی اطاعت شعاری یہاں
تک بڑھی ہوی تھی کہ اگر سمندر ان کے قدموں کے نیچے
پڑا ہو ، تو بھی وہ بغیر اپنے سرداروں کے حکم کے نہ اس
کے لئے زرفدیہ قبول کرتے تھے اور نہ اسکو قتل کرتے
تھے ؟ برخلاف اس کے ' عربوں میں جوش و خروش ، حب

زمان اور وفاداری کی بہت کمی تھی" ہر شخص کو اپنے ذاتی فائدے کی یا کم سے کم اپنے قبیلے کے فائدے کی فکر تھی - بنی امیہ کے ساتھ خلوص و عقیدت کا یہ قول یعقوبی کے کسی کے دل میں نام و نشان بھی نہ تھا اور مزاج کے میں تو سرا سر شیعی عقائد رکھتے تھے تاہم ابومسلم نے بہت حزم و احتیاط اور غور و فکر کے ساتھ کام کیا ، سات مہینے تک وہ اپنی فوجوں کو لئے ہوئے مرو کے مضافات میں پڑا رہا اور کسی باقاعدہ جارحانہ کارروائی کی کوشش تک اس نے نہ کی ، لیکن جب اسے یمنی عربوں کی تائید اور حمایت کا یقین ہو گیا تو اس نے بالاخر خراسان کے دارالخلافت پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا - اب البتہ شورش اور بغاوت ہر طرف سے پھوٹ پڑی —

ہرات ، بوشنج ، مرورود ، طالقان ، مرو ،
نیشاپور ، سرخس ، بلخ ، مغانیاں ، طخارستان یعنی
ختل کا ملک ، کش * اور نسف (نخشب) *
غرض کہ ہر طرف سے لوگ کثیر تعداد میں آ آ
کر ابو مسلم کی جمعیت میں شریک ہونے لگے
یہ سب کے سب سیاہ پوش تھے اور ان کے ہاتھوں
میں ڈنڈے تھے جو آدھے سیاہ رنگ کے تھے اور

---

* فان فلوتن صفحہ ۹۷ ، دینوری صفحہ ۳۶۰ (۱۲ - مصنف)

جنھیں یہ لوگ کا فرکوب کہتے تھے † وہ لوگ
گھوڑوں پر، گدھوں پر، یا پا پیادہ برابر آتے
رہے، وہ لوگ اپنے گدھوں کو آگے بڑھاتے تھے
تو کہتے تھے "ھر مروان" کیوں کہ مروان
ثانی کا نام الحمار پڑ گیا تھا - ان کی تعداد
ایک لاکھ کے قریب تھی —

اس وقت سے ابومسلم اور دوسرے عباسی سرداروں کی رفتار ترقی برابر جاری رہی تا آں کہ ابوالعباس عبداللہ السفاح (نیز الملقب بہ المہدی) خاندان عباسیہ کا پہلا خلیفہ ہوا، اور اس نے ۳۰ اکتوبر سنہ ۷۴۹ م کو خطبہ پڑھ کر، جس کا ایسے موقعوں پر دستور ہے، اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کیا - نصر ابن سیار "اکیلا وفادار آدمی جسے اس غداری اور خود غرضی کے زمانے میں دیکھ کر خوشی ہوتی ہے" بھاگ کھڑا ہوا اور نومبر سنہ ۷۴۸ ع میں بمقام ساوا قتل کر دیا گیا - قحطبہ نے اگست سنہ ۷۴۹ م میں کوفہ پر قبضہ کر لیا، اس مہینے میں مروان کے بیٹے عبداللہ کو زاب صغیر کے کنارے ابوعون کے ہاتھوں شکست فاش نصیب ہوی - خود مروان کو ۲۵ جنوری سنہ ۷۵۰ م میں دریائے زاب کے کنارے ایسی بڑی شکست ہوی کہ وہ پھر نہ

† یہ امر قابل غور ہے کہ دینوری نے کافرکوب کی جگہ کافر کوبات لکھا ہے، اگرچہ صحیح لفظ کافر بکسرۂ ف ہے، لیکن صحیح ایرانی تلفظ کافر بفتح ف ہے چنانچہ قدیم سے قدیم زمانے کے فارسی اشعار میں بھی سر، بر وغیرہ کا قافیہ کافر آتا ہے

سنبھل سکا اور اس کے تین ماہ بعد امیہ کے دارالخلافت دمشق پر بھی دشمنوں کا قبضہ ہو گیا ، اور بنو امیہ کا آخری خلیفہ مروان جو بھاگ کر مصر چلا گیا تھا آخر کو اس سال ۵ - اگست کو گرفتار اور قتل کر دیا گیا اور اس کا سر ابو العباس کے پاس بھیج دیا گیا - دوسرے سال یعنی سنہ ۷۵۱ ع میں فلسطین بصرہ اور خود بلاد مقدسہ یعنی مکہ اور مدینہ میں خاندان امیہ کے افراد کا قتل عام کیا گیا جس میں اکثر سخت قساوت اور نفرت انگیز دغا بازی کا بھی اظہار کیا گیا - ایک شخص مسمی عبدالرحمن نے جو ہشام کا پوتا تھا کئی مرتبہ دشمنوں کے ہاتھوں سے بال بال بچ جانے کے بعد آخر اندلس کا راستہ اختیار کیا وہاں کے عربوں نے اس کا اچھی طرح استقبال کیا اور وہ وہیں رہ پڑا ، اور آخر کار قرطبہ کے اموی خاندان کی بنیاد ڈالی جو تقریباً تین صدی تک یعنی سنہ ۷۵۶ ع سے سنہ ۱۰۳۱ ع تک برسر اقتدار رہا - عباسیوں پر یہ بھی الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے دمشق میں خلفاے امویہ کے مقابر کی بے حرمتی کی اور ان کی لاشیں کھود ڈالیں * لیکن جس صورت میں کہ ابھی حال ہی میں ایک انگریزی جنرل نے اس رسم کی تجدید کی ہے (۲) اور

* ملاحظہ ہو میور تاریخ خلافت صفحہ ۴۳۵ - صفحہ ۴۳۶

۱۲ - مصنف

(۲) پروفیسر براؤن کا اشارہ لارڈ کچنر کی طرف ہے جس نے مہدی سوڈانی کی قبر کھدوا کر ان کی لاش کی بے حرمتی کی تھی - ۱۲ مترجم

اس کے ابائی وطن میں سے ایک کثیر جماعت نے اگر علانیہ
اس حرکت کی تعریف نہیں کی تو بڑی کم از کم اسے
قابل در گزر ضرور سمجھا ہے ' ہمارے لئے عباسیوں پر
زبان تشدید دراز کرنا کچھ زیادہ زیب نہیں دیتا

اکثر ناکامیاں انقلاب کی امیدیں غلط ثابت ہوئیں

بہر حال یہ واقعہ ہے کہ جب عباسیوں نے خون کی ندیاں بہاکر بالا خر خلافت
پر قبضہ کر لیا اور مشرقی سلطنت اسلامی کے مالک کل بن
بیٹھے اس وقت بھی انہوں نے دنیا کو عدل و انصاف سے
نہیں بھرا ' چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ——

" کاش مروان کی اولاد پھر ہمارے پاس آجائے
اور خدا کرے آل عباس کا عدل جہنم میں جائے *

اکثر افراد کو ' جنہوں نے جان و مال سے انقلاب کی
حمایت کی تھی جب یہ انقلاب کامیاب ہو گیا ' تو بہت
مایوسی ہوئی - خصوصاً شیعیوں کو تو سخت دھوکا ہوا '
وہ اس غلط فہمی میں رہے کہ " ہاشمیہ " سے جس کے نام سے
دعوت دی گئی تھی ' مراد اہل بیت علی ہیں ' اور جب
کچھ کرنے دھرنے کا موقع باقی نہ رہا اس وقت ان کو محسوس
ہوا کہ امیہ بھی اہل بیت رسول کے اتنے جانی دشمن نہ تھے
جتنے کہ اب بنی عباس کے ہاشمیہ ثابت ہو رہے تھے - عباسیہ
نے ان لوگوں کے ساتھ بھی رعایت نہ کی جنہیں انہوں نے خود

* اغانی صفحہ ۱۶ صفحہ ۸۴ منتخبس از فان فلوتن صفحہ ۲۹
۱۲ - مصنف ——

ابوسلمہ اور ابومسلم کو قتل کیا گیا

اپنا آلہ کار بنا یا تھا ' سنہ ۷۴۹ ع - سنہ ۷۵۰ ع میں ابوسلمہ دغا سے مارا گیا ' اور خود ابو مسلم کا ' جس کے استقلال ' جوش ، اعلی قابلیت ، اور جان توڑ کوششوں نے عباسیوں کو کامیاب کیا تھا ' چار پانچ سال بعد (سنہ ۷۵۵ع) میں یہی حشر ہوا *

اس میں شک نہیں کہ ابومسلم بے نظیر قابلیت کا شخص تھا ' لیکن اس کے با وجود ہمیں اس کے انجام بد پر افسوس نہیں ہوتا اس لئے کہ خود اس کے قول کے مطابق جن لوگوں کو اس نے جنگ کے علاوہ قتل کیا ' ان کی تعداد ایک لاکھ تھی ' اور دوسروں نے اس کا اندازہ ۶ لاکھ کیا ہے † لیکن اس نے اپنے پیرووں میں ' جس میں غیر مسلم بھی شریک تھے ' اطاعت شعاري اور خدا کاری کا ایک غیر معمولی جذبہ پیدا کردیا تھا، بقول مورخ کے‡ " اس کے زمانے میں دہقانون

---

* اثنا عشریوں کا خیال ہے کہ ان کے جتنے ائمہ عباسیہ کے دور میں گزرے ' وہ سب کے سب ان خلفاء کے ہاتھوں خفیہ طور پر زہر دیکر ہلاک کئے گئے صرف امام مہدی بچ گئے جن کے متعلق اثنا عشریوں کا اعتقاد ہے کہ وہ آج تک شہر جبلقہ میں زندہ سلامت ہیں اور آخری وقتوں کے ابتلا میں دوبارہ ظاہر ہوں ۱۲ مصنف

† یعقوبی ' جلد دوم صفحہ ۴۳۹ ۱۲ مصنف —

‡ میور صفحہ ۴۳۶ الخ ۱۲ - مصنف —

ابو مسلم کا زبردست اثر | (یعنی ایران کے مالکان اراضی) نے مجوس مذہب ترک کرکے اسلام اختیار کر لیا تھا"

فان فلوتن خرمیوں ' غلات شیعہ اور دوسرے ' اهل دل ' فرقوں کے ذکر کے سلسلے میں لکھتا ہے § —

اکثر تو صرف اس کو سچا اور واحد امام مانتے تھے ' نیز یہ بھی قرین قیاس ہے کہ مجوس اس کو اوست دربامی یا اوست دومہ مانتے تھے جو زرتشت کی اولاد میں سے ہے اور جس کے متعلق مجوسیوں کا اعتقاد ہے کہ وہ بھی امام مہدی کی طرح آخر میں ظاہر ہوگا ۔ ان فرقوں کو ابومسلم کی موت کا یقین ہی نہ آتا تھا ، وہ منتظر تھے کہ وہ آکر دنیا کو عدل و انصاف سے مالا مال کردے گا ۔ دوسروں کا عقیدہ یہ تھا کہ اب امامت اس کی بیٹی فاطمہ میں منتقل ہو گئی ہے ۔ ایک شخص مسمی اسحاق ترک $ ابومسلم کی موت کے بعد بھاگ کر ماوراءالنہر کی طرف جا نکلا وہ خود کو ابو مسلم

---

§ ابن ابی طاہر منقولہ فان فلوتن صفحہ ۴۷ اور حاشیہ ۳ ۱۲ مصنف

$ (حواشی) جیساکہ فہرست میں تصریح کردی گئی ہے یہ شخص ترک اس وجہ سے کہلاتا تھا کہ وہ اپنا تبلیغی کام خود ترکی میں کرتا تھا ۔ ۱۲ .. مصنف

Oshederbami or Oshederma

کا داعی کہتا تھا اور یہ کہتا پھرتا تھا کہ میرا
آقا شہر رے میں روپوش ہے - پھر اس نے دعویٰ
کیا کہ میں نبی ہوں ' اور زرتشت کا فرستادہ
ہوں جو ہنوز زندہ ہے "—

خرم دینیہ | خرمیوں ' یا خرم دینیہ کا تذکرہ جن کے خاص عقائد وہی تھے جو مزدکیہ کے (ملاحظہ ہو تصنیف ہذا کا صفحہ ۱۶۸ - صفحہ ۱۷۴) ہمیں ایک صدی کے بعد تک بھی کچھ ملتا رہتا ہے ' اور ایران میں اس زمانے میں جو چھوٹی یا بڑی بغاوتیں ہوئیں اور جن کے سرغنہ نبوت کے بعض جھوٹے مدعی مثلاً سنباد مجوسی (سنہ ۷۵۴ ع سنہ ۷۵۵ ع) استاذسیس (سنہ ۷۶۶ ع — سنہ ۷۶۸ ع) یوسف البرم اور المقنع (خراسان کا نقاب پوش نبی) (سنہ ۷۷۷ - سنہ ۷۸۰) علی مزدک (سنہ ۸۳۳ ع) اور بابک (سنہ ۸۱۶ - سنہ ۸۳۸ ع) تھے وغیرہم تھے — وہ سب کے سب اکثر ابومسلم ہی کی یاد اور اسی کے سلسلے میں ہوئیں تھیں -

اسی انقلاب سے ' جس نے عباسیہ کو تخت سلطنت پر بٹھایا ' اور کچھ نہیں تو کم از کم اتنا ضرور ہوا کہ ایرانیوں کی حیثیت اور ان کا رتبہ بہت کچھ بڑھ گیا ' پہلے وہ ایک حقیر اور محکوم قوم سمجھے جاتے تھے تو اب سلطنت کے اعلیٰ ترین عہدے اور اعلیٰ ذمہ داری کی خدمتیں ان کے سپرد ہونے لگیں ۔ آل عباس کو جو فتح حاصل ہوئی وہ انھیں

کی تلواروں کے طفیل سے ہوئی ' یہی وجہ ہے کہ البیرونی عباسیہ کو " خراسانی ' مشرقی خاندان " کہتا ہے * اور اس قول میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ قادسیہ اور نہاوند کا انتقام دریائے زاب کے کنارے لیا گیا - بنوامیہ کا زوال گویا خالص عربی دور کا خاتمہ تھا † —

* تاریخ ملل قدیمہ مترجمہ سخاؤ صفحہ ۱۹۷ - ۱۲ - مصنف

† ملاحظہ ہو وہ نظم جو فان کریمر نے اپنی Streifzuge میں نقل کی ہے ' اصل کے صفحہ ۶۹ - صفحہ ۷۰ اور ترجمہ (صفحہ ۳۱ - صفحہ ۳۲) اس نظم میں عربی شاعر نے بہت غم و غصہ کے ساتھہ اس کی شکایت کی ہے کہ ایرانی اور نبطی موالی جو پہلے انکے عاجز اور دبے ہوے تھے اب بہت مغرور اور گستاخ ہوگئے ہیں - ۱۲ مصنف —